86

شیخ الشیوخ عالمؒ

تذکرہ، شہبازِ طریقت، بحر العلوم

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (پاک پٹن)

مُرَتّب

طَالِبؔ ھَاشِمی

ناشر

آئینہ بک ڈپو ــــ شاہ عالم گیٹ

86

شیخ الشیوخ عالمؒ

تذکرہ، شہبازِ طریقت، بحر العلوم

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (پاک پتن)

مرتب

طالب ہاشمی

ناشر

آئینہ بک ڈپو ــــــ شاہ عالم گیٹ

ترتیب

عنوان　　　　صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
سولھواں باب	
عظیم سہروردی ہمعصر	
سترھواں باب	۱۷۸
ہمعصر بادشاہ	
اٹھارھواں باب	۱۸۶
آستانۂ فریدی کے دو درویش	
انیسواں باب	۱۹۲
خلفائے عظام	
۱- شیخ جمال الدین ہانسویؒ	۱۹۴
۲- شیخ نجیب الدین متوکلؒ	۱۹۹
۳- خواجہ بدر الدین اسحٰقؒ	۲۰۲
۴- محبوب الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ	۲۰۶
۵- مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابرؒ	۲۲۰
۶- زری زر بخش شیخ منتخب الدینؒ	۲۲۶
۷- امام علی الحق سیالکوٹیؒ	۲۲۹
بیسواں باب	۲۳۲
ملفوظات طیّبات	

انتساب

اُن کے نام

جو اُن پاک نفوس کے نقشِ قدم پہ چلنے کے آرزومند ہیں جن کی شان میں فرمایا گیا۔

۱۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (۲۱-۷۳)

۲۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۛ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (۳۲ - ۲۴)

۱۔ ہم نے ان کو ایسا پیشوا بنایا۔ جو ہمارے احکام کے مطابق لوگوں کو ہدایت دیتے تھے
ہم نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ نیک کام کریں۔
نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں
اور وہ صرف ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔

۲۔ ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے احکام کے مطابق لوگوں کو ہدایت دیتے تھے۔ انہوں نے صبر اختیار کیا اور وہ ہماری آیتوں پر پورا یقین رکھتے تھے
(قرآن حکیم)

حرفِ اوّل

زیر نظر کتاب تذکرہ حضرت بابا صاحب فریدالدین گنج شکرؒ (پاک پتن شریف) کی تالیف میں فاضل مؤلف نے تصوّف کی کم و بیش تین درجن کتابوں سے مدد لی ہے۔ جن میں پرانی اور نئی سبھی طرح کی کتابیں شامل ہیں، ان میں بعض محققین اور وقائع نگاروں کی ایسی کتابوں کے نام بھی درج ہیں۔ جن میں صوفیائے کرام پر خالص تحقیقی پہلو سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ ان مصنفین نے اولیاء کرام ایسی برگزیدہ ہستیوں پر جو تحقیقی نگاہ ڈالی ہے وہ اس چیز سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ یہ بزرگ کب اور کہاں پیدا ہوئے، کہاں تعلیم حاصل کی، اگر یہ شاعر اور مصنّف تھے تو انہوں نے کون کون سی کتابیں لکھیں۔ مطلب یہ کہ ان کے لکھنے والوں میں سے کوئی بھی ان اکابرین کے مقام ولایت پر روشنی نہ ڈال سکا، حالانکہ بیشتر پرانے مصنفین نے اس اہم پہلو کو بھی اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لحاظ سے جو تذکرے پہلے چھپ چکے ہیں وہ ہماری زیادہ رہنمائی کرتے ہیں۔ فی زمانہ جبکہ فکر و نظر کے انداز بدل گئے ہیں، اور بیشتر لوگ نئے مکتبِ فکر کے حامی نظر آتے ہیں، حیرت ہے کہ یہ حضرات اولیاء کرام کو موجودہ ترقی پسندی کے میدان میں کھینچ لائے ہیں۔ حالانکہ کتاب و سنّت پر عمل کئے بغیر کوئی شخص ولایت کا بلند مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک عرصہ سے ہمارے بعض دینی ادارے ان حضرات والا تبار کی شخصیتوں پر (بلکہ اس سے بڑھ کر ان کے معتقدین پر) کچھ اس طرح حملے کر رہے ہیں کہ ان کے فتووں سے گھبرا کر ہمیں بھی یہ شبہ ہونے لگا ہے کہ شاید روشنی کے ان میناروں کی تقلید ہم سب کو کہیں تاریکی کی طرف تو نہیں لے جا رہی۔

یا واقعی ہم بدعتی اور گمراہ ہیں ۔ نئے مکتبۂ فکر کے ان معترضین کے اعتراضات پر غور کیا جائے تو ہمیں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ یہ لوگ یا تو اولیاءِ کرام کی بزرگی کے منکر ہیں یا پھر انھیں ایک استاد یا عالم کی حیثیت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ۔ عجیب بات ہے کہ یہ ان حضرات کی تعلیمات کے تو قائل ہیں لیکن ان کی ریاضت و مجاہدہ اور کشف و کرامت کو من گھڑت افسانے اور بے معنی قصے قرار دیتے ہیں ، اس میں شک نہیں کہ بعض اکابرین نے اظہارِ کشف و کرامت کو ولایت کا معیار قرار نہیں دیا ، لیکن ایک ولی اللہ جہاں ولایت کے دوسرے اوصاف سے متصف ہوتا ہے وہاں کرامات بھی ان کی ولایت کا جزو ہیں ۔ جنہیں ان کی حیات مبارکہ سے جدا نہیں کیا جاسکتا ، تاریخ گواہ ہے کہ گفتار و کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ کشف و کرامات کے اظہار سے ان بزرگ ہستیوں نے مشرکوں اور کافروں کو نورِ ایمان بخشا ہے ۔ بلکہ کرامات کے اظہار سے انہوں نے خلیفۃ اللہ اور نائب رسول اللہ کے عظیم ترین مراتب کے اہل ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح اولیائے کرام نے بھی بلاوجہ کرامات کا اظہار نہیں کیا ، بوقت اشد ضرورت ہی ان حضرات سے ایسی باتیں ظہور میں آتی ہیں ۔ جن سے انہیں حصول شہرت مقصود نہیں بلکہ وہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر انہیں رب تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں ۔ حضرات اولیاءِ کرام کی زندگی کے واقعات شاہد ہیں کہ جب بھی ان میں سے کسی بزرگ نے شہرت یا بزرگی کے خیال سے کسی کرامت کا اظہار کیا ۔ اس کی بزرگی سلب ہوگئی یا وہ اپنے مقام سے گر گئے ۔ اس لئے ان حضرات والا تبار کے تذکروں میں جو کرامات درج ہیں ان سے انکار بزرگوں کی ولایت سے انکار اور انہیں جھٹلانا گناہ

ذرا سوچئے کہ ان حالات میں ایسی بلند پایہ شخصیتوں پر کوئی اہل قلم کیا تحقیق یا تنقید کرسکتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ان حضرات کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے کہنے والے کا صاحب حال ہونا ضروری ہے ۔ جو آدمی حق آگاہ نہیں ۔ وہ ان کے بارے میں کہے گا بھی کیا اور اگر ہٹ دھرمی سے کچھ کہے گا بھی تو اس میں صداقت ہی کیا ہوگی علم دین کی چند کتابیں پڑھ کر کوئی عالم تو بن سکتا ہے ۔ لیکن وہ عالم اولیاءِ کرام کے "علم و یقین" پر کس حد تک روشنی ڈال سکتا ظاہر ہے اس کا یہ دعویٰ چھوٹا منہ اور بڑی بات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس طرح دنیاوی علوم پر بولنے کے لئے ان علوم کا ماہر ہونا ضروری ہے ۔ اسی طرح رب تعالیٰ کے بندوں کے علم پر کچھ سننے کے لئے بھی تو کچھ علم درکار ہے ـــــ یہ عنایت بھی ہر کس و ناکس کے حصہ میں نہیں

آتی، قال سے حال کی گتھیوں کا سلجھاؤ محال ہے۔ یہ پاک لوگ، ہم نفس کے غلام، رات کو ہم سوتے ہیں یہ جاگتے ہیں۔ دنیا میں ہم عیش و آرام کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ فقر و فاقہ کو پسند کرتے ہیں۔ ہم باطن سے بے فکر، ظاہر داریوں میں مصروف، وہ ظاہر سے بیگانہ اور باطن سے رب تعالیٰ کے ساتھ، ہم ہوا و حرص میں مبتلا، وہ اپنے رب سے وابستہ، انہیں حضور نبی کریمؐ کی شریعت پیاری، ہم اُسے اپنانے سے عاری، یہ حضرات رب کے ساتھ منسلک ہونے کے سبب مرنے کے بعد بھی زندہ، ہم مادہ پرستی میں مشغول اس لئے فانی، عارف کامل حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ جو شخص حضور محمدؐ رسول اللہ کے رب کی پوجا کرتا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ اور جو شخص دنیا (فانی) سے دل لگاتا ہے سو جان لے کہ وہ فانی ہے۔ یہ حضرات والا تبار دنیا سے رحلت کرنے کے بعد بھی زندہ ہیں، اس لئے ہم ان کے مزارات پر حاضر ہوتے ہیں ان کے وسیلے سے رب تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ رب تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں کے صدقے میں ہماری حاجات بر لاتا ہے۔ ہم ان کے مزارات کو روشنی، پھول چادروں سے سجاتے ہیں۔ فیوض و برکات کے خزینوں پر عرس کی پاکیزہ محفلیں منعقد کرتے ہیں، ان محفلوں میں قرآن پاک کی تلاوت، اور گاہے نعتیہ کلام کی سماعت اور پند و نصائح کے مواعظ سے دلوں کو زندہ اور ایمانوں کو جلا دیتے ہیں۔ یہ سب آخر کیوں اور کس لئے۔ تاکہ ہم گنہگار بھی ان حضرات والا تبار کے نقش قدم پر چل سکیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں۔ تصوف کوئی رسم نہیں ہے، بلکہ اخلاق ہی اخلاق ہے اور یہ حضرات اس سرمایہ کے سب سے بڑے حامل ہیں۔ ان پاک لوگوں کی باتوں سے رب تعالیٰ یاد آتا ہے ہمیں اپنے مردہ ضمیر کو زندہ اور نفس کو زیر کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے، ہمارا دل گناہوں سے فرار اختیار کرتا ہے آپ نے دیکھا ان حضرات والا تبار کی نیک صحبت اور پاکیزہ باتوں سے ہمیں کتنی بڑی نعمت اور کتنا بڑا سرمایہ حاصل ہوتا ہے۔ عارف رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ؔ یک زمانہ صحبت با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے کیا ہی پتہ کی کہی ہے اور اپنے علم و فن پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ برملا اعتراف کیا ہے۔

ؔ مولوی ہرگز نہ شد مولائے رومؒ   تا غلام شمس تبریزیؒ نہ شد

انہوں نے علماء کی طرح خود نمائی نہیں کی بلکہ اس فاسد خیال کی تردید کی ہے

کار پاکاں بر قیاس خود مگیر   گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

شیر آں باشد کہ مرداں را درد — شیر آں باشد کہ مرداں را خورد

اور ایک جگہ فرماتے ہیں — علم باطن ہمچو مسکہ علم ظاہر ہمچو شیر
کے بود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

اسی لئے مرشد کامل کی تلاش میں ہدایت پانے والوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اور ایک یہ دور ہے کہ ہمارے اکثر عالم ہمیں اللہ والوں کے پاس جانے سے روکتے ہیں۔ ان کے عرسوں میں شرکت سے منع کرتے ہیں — یہ بدعت وہ بدعت — غرض ان کی نظر میں ہر کام بدعت — ہمارے ایک دوست نے ایک مرتبہ کہا کہ میاں یہ دور بدعت کا ہے — جیسے تنخواہ لے کر مسجد کی امامت اور خطابت بدعت، بیس رکعت نماز تراویح بدعت۔ نکاح میں حق مہر کی بڑی رقوم کا تعین بدعت، اور ہمارے ایک مہربان عالم کے بقول مروجہ پانچوں چھیوں کلمے ایمان مفصل، ایمان مجمل بدعت، قرآن پاک کے تیس پارے، سات منزلیں ربع نصف ثلث رکوع، اعراب، آیات کی تفصیل، وقف لازم، تفسیر شان نزول یہ سب بدعت — حدیث کو کتاب کی شکل میں مرتب کر کے مسلم شریف نسائی شریف موطا، ترمذی، وغیرہ کی تدوین بدعت۔ نماز روزہ کی زبان سے نیت بدعت۔ شریعت کے چاروں مصلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بدعت، جب یہ سب باتیں بدعتوں میں شمار کی جاتی ہیں تو بزرگوں سے بیعت، ان کے مزارات پر جانا اور عرسوں کا انعقاد وغیرہ بھلا کیونکر بدعت نہ سمجھا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بدعت سے بچائے، شیخ الشیوخ عالم حضرت بابا صاحب پر لکھی گئی — اس مبارک کتاب پر کچھ عرض کرنے کی بجائے بھلا میں بھی کہاں کھو گیا لاحول ولاقوۃ —

حضرت قبلہ بابا صاحب گنج شکرؒ حضرت داتا گنج بخشؒ کے بعد پاکستان میں سب سے بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ایک اہم ستون سمجھے جاتے ہیں۔ پاک پتن شریف میں ان کا مزار سراپا انوار آج بھی گمرہوں کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے زیر نظر کتاب میں فاضل مولف نے حضرت ممدوحؒ کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں توقع ہے کہ حضرت قبلہ بابا صاحبؒ پر لکھی گئی اور کتابوں کی طرح اسے بھی بہت مقبولیت حاصل ہوگی میں بھی ان صفحات میں چند باتوں کے اعادہ سے بارگاہ گنج شکرؒ میں خیر و برکت کے حصول کا ملتجی ہوں ورنہ کہاں مجھ سا ناچیز گنہگار انسان اور کہاں حضرت بابا صاحبؒ کا عالی مقام — ایک مرتبہ میرے حضرت قبلہ مدظلہ العالی سرکار کرمانوالوں نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا صاحبؒ بحر عشق الٰہی کے محافظ

اور جسے چاہتے ہیں یہ نعمت عطا کرتے ہیں ۔ حضرت قبلہ کا یہ ارشاد گرامی حضرت بابا صاحبؒ کے
بارے میں مختصراً مگر ایک جامع تبصرے کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ حضرت بابا صاحبؒ کی ریاضت شاقہ اور
گراں قدر مجاہدوں کو دیکھتے ہوئے قاری پر یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی میں اس مردانہ
عصر کو اپنے ربّ تعالیٰ سے کس قدر والہانہ محبت اور عشق تھا بندے کو اپنے مالک سے کس حد تک لگاؤ
ہونا چاہیئے یا یوں سمجھے کہ مالک اپنے بندے سے کیا چاہتا ہے اس سوال کا موزوں ترین جواب
حضرت بابا صاحبؒ کی ذات والاصفات ہے ان کے کھانے اور پہننے کی بے نیازی پر غور کیا جائے
تو آپ اور ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ ایک انسان اور یہ امتحان، عشق الٰہی میں فاقہ کشی ہی کو شعار بنالیا
اللہ اللہ جب کبھی بھوک سے بیتاب ہوتے تو لکڑی کی روٹی کو چباتے ۔ پینے کے پانی کی پاداش
میں برسوں ایک کنوئیں میں لٹکے رہے ۔ نفس کشی اور تزکیہ نفس کی یہ مثالیں مشکل سے ملیں گی۔ سالوں
عالم تفکر میں کھڑے رہے ۔ رمضان المبارک میں ہر رات دو قرآن پاک ختم کرتے اور بعض مرتبہ
اس سے بھی زیادہ ۔ اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتے کہ بات بات پر آنکھوں سے آنسو جاری
ہوتے تھے، بسبب عشق ۔ حضور رسول اللہؐ کے نام نامی پر زار و قطار روتے ۔ ایک مرتبہ محبوب
الٰہی حضرت نظام الدینؒ نے کھانے میں ادھار لے کر نمک ڈال دیا۔ لقمہ لیا تو ہاتھ میں گرانی محسوس
ہوئی فرمایا "ازیں بوئے اسراف می آید" ایک مرتبہ بپیر مرشد حضرت قطب الاقطابؒ کے تعمیل ارشاد میں
مٹی کی ڈلی منہ میں ڈالی تو وہ شکر ہو گئی، فرمایا "اے فرید اللہ تعالیٰ نے تمہیں "شکر گنج" بنایا ہے
تاکہ مخلوق خدا سے شیریں کلامی سے پیش آؤ" صدیاں بیت گئیں آج بھی یہ نام "گنج شکر" حضرتؒ
کا طرۂ امتیاز ہے پھر ایسے بلند پایہ بزرگ کے مزار سراپا انوار کی حاضری دینے سے بھلا بے چین دلوں
کو کیونکر قرار نہ آئے گا ۔ ان کے مزار اقدس میں داخل ہونے سے وہ شخص "امن" میں کیسے داخل نہ ہوگا۔
بہشت ان کی، وہ بہشتی ۔ ان کے نام لیوا بہشتی ۔ چشت اہل بہشت ان کا فرمودہ۔
الٰہی ۔ چراغ چشتیاں را روشنائی ۔!

بندۂ ناچیز
محمد امین شرقپوری

دفتر مجلہ "آئینہ" ۔ لاہور
۹ رجون ۱۹۶۳ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

تمہید

(برصغیر ہند و پاکستان پر مسلمانوں کا علم اقتدار صدیوں تک لہراتا رہا (اور آج بھی اس سرزمین کا ایک وسیع حصہ بفضلہ تعالےٰ فرزندان اسلام کے زیر اقتدار ہے) لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنے اقتدار اور جاہ و منصب کو اشاعت اسلام کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کہ اسلامی اقتدار بعض ادوار میں کسی نہ کسی حد تک اشاعت اسلام میں معاون ضرور ثابت ہوا لیکن اسلام کو اس سرزمین میں جو ہمہ گیری اور وسعت نصیب ہوئی۔ وہ ان پاکباز نفوس کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے جنہیں عرف عام میں "صوفیا یا اولیاءِ کرام" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اللہ کے ان گلیم پوش اور بوریہ نشین مقدس بندوں نے ہر قسم کی ذاتی اور دنیوی اغراض سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگیاں تبلیغ حق کے لئے وقف کر رکھی تھیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج ہند و پاکستان میں کروڑوں مسلمانوں کا وجود انہی نفوس قدسی کی والہانہ تبلیغی جدّوجہد کا مرہون منت ہے۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں ہی کا ایک گروہ تصوّف اور اولیاءِ کرام کے کمالات سے یکسر انکار کرتا ہے۔ ان کے خیالات میں شریعت و طریقت دو متناقض حقیقتیں ہیں۔ حالانکہ صوفیائے کرام کی اپنی تشریحات کے مطابق شریعت و طریقت محض دو متمائز نام ہیں مگر اصل میں یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ اور ہرگز ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ تصوّف کا مسئلہ ہر زمانہ میں فکر و نظر کی جولان گاہ رہا ہے لیکن غلط نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے بحث و تمحیص کی بجائے ذوق و وجدان کی ضرورت ہے ایک ناواقف آدمی کے سامنے شکر کے ذائقہ اور خواص پر جس قدر گفتگو کی جائے اسے وہ یقین و اذعان حاصل نہیں ہو سکتا جو شکر کے چکھ لینے سے ہوتا ہے۔

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

لفظ تصوّف کے اصل کے متعلق مندرجہ ذیل توجیہات بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ لفظ تصوّف صفا (پاکیزگی) یا صَوف (یکسوئی) سے مشتق ہے۔

۲۔ تصوّف کی نسبت اصحاب صُفّہؓ سے ہے۔

۳۔ اس لفظ کا ماخذ صُوف (پشمینہ) ہے چونکہ حضرات صوفیہ موٹا جھوٹا لباس پہنتے تھے اس لئے لوگ ان کو صوفی کہنے لگے۔

۴۔ صوفی کا ماخذ صف اوّل ہے۔ چونکہ یہ حضرات نماز کے وقت صف اوّل میں رہتے تھے اس لئے صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے۔

ان میں سے ہر ایک توجیہ اپنی جگہ صحیح ہے۔

شیخ ابو النصر سراج کتاب اللمع میں لکھتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں ظاہری و باطنی۔ جب تک اس کا تعلق زبان و اعضا سے ہے اسے علم ظاہری سے موسوم کیا جائے گا اور یہی علم شریعت ہے۔ مثلاً عبادات میں طہارت نماز روزہ زکوٰۃ حج یا احکام میں نکاح طلاق۔ کفارہ۔ قصاص وغیرہ جب اس کا اثر ظاہر سے گذر کر قلب و باطن میں نفوذ کر جاتا ہے تو اس کو علم باطن یا تصوّف (طریقت) کہا جاتا ہے اور علم باطن میں عبادات و احکام کی بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحیں رائج ہیں مثلاً شوق۔ عشق۔ محبت۔ صبر۔ تسلیم۔ تقویٰ۔ توکل وغیرہ۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے ایک فقیہ کی نظر جن امور پر جائے گی وہ یہ ہیں کہ کیا اس نے طہارت کی شرائط پوری کی تھیں اور واجبات و سنن اور تعدیل ارکان میں کوئی کمی تو نہیں ہوئی۔ مکروہات و مفسدات صلوٰۃ تو عارض نہیں ہوئے۔ لیکن ایک صوفی کی نظر یہ تلاش کرے گی کہ نماز حضور قلب سے ادا ہوئی یا نہیں اور کیا نمازی نے محسوس کیا کہ اللہ تعالٰی اسے اور وہ اللہ تعالٰی کو دیکھ رہا ہے۔ یہی اسلامی تصوّف ہے اور اسی کی روح احسان و اخلاص ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کی تعریف پوچھی گئی۔

تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ربّ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم یہ یقین ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ طریقت یا تصوّف شریعت سے جداگانہ یا مخالف کوئی چیز ہے وہ گمراہ ہیں۔ فی الحقیقت شریعت جسم ہے اور طریقت اس کی روح۔ شریعت کشتی ہے تو طریقت دریا

مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

شریعت را مقام دار اکنوں حقیقت از شریعت نیست بیروں

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا سارا طریقہ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کا پابند ہے جو شخص کلام پاک اور احادیث نبویؐ کا عالم نہیں اس کی تقلید طریقت کے باب میں درست نہیں کیونکہ ہمارے سارے علم (طریقت) کا ماخذ قرآن وحدیث ہیں۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین اجزاء ہیں

علم - عمل اور اخلاص

جب تک یہ تین اجزاء کامل نہ ہوں شریعت کبھی متحقق نہیں ہوتی۔ ان اجزاء میں "اخلاص" تصوّف کی بنیاد ہے۔

اکابر صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے تمام ملفوظات پڑھ جائیے۔ ان میں بار بار یہی نظر آئے گا کہ تصوف اتباعِ کتاب وسنّت میں انتہائی سعی کرنے کا نام ہے اور اسی سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ تصوّف کو کچھ سمجھنا محض لاعلمی ہے۔ جاہل اور مصنوعی صوفیوں کے اقوال اور اعمال اس بارے میں حجّت نہیں ہیں۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اہل تصوّف کے مختلف سلاسل کیوں ہیں مثلاً ادہمیہ - بسطامیہ - قادریہ - سہروردیہ - کبرویہ - مولویہ - نقشبندیہ - شاذلیہ - چشتیہ وغیرہ

اس کا جواب ڈھونڈنے کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں - اہل سنّت کے بھی مختلف مسالک ہیں اور ہر ایک مسلک کو حق سمجھا جاتا ہے کیونکہ مقصود ہر مسلک کا ایک ہی ہے - اسی طرح تصوف کے ہر سلسلے اور مشرب میں تربیت کے طریقے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن منزلِ مقصود سب کی ایک ہی ہے - اس لئے نہ تو کسی سلسلے کی تنقیص کرنا درست ہے اور نہ ہی ایک سلسلے کو دوسرے پر فائق ثابت کرنے کے لئے بحث کرنا مناسب ہے۔

ہند و پاکستان میں اہل تصوّف کے بالعموم چار بڑے مکاتیبِ فکر پائے جاتے ہیں - قادریہ

نقشبندیہ - چشتیہ اور سہروردیہ - ان سب میں چشتیہ سلسلے نے بڑا فروغ پایا - اس سرزمین میں اس کے موسسِ اوّل خواجۂ خواجگان حضرت غریب نواز معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ تھے اور موسس ثانی شیخ کبیر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ - فی الحقیقت حضرت گنج شکرؒ خواجہ خواجگانؒ کے نورِ جاں ہی کا پرتو تھے - حضرت خواجہ غریب نوازؒ اگر سلسلۂ چشت کے مہرِ درخشاں تھے تو حضرت بابا گنج شکرؒ اس سلسلہ کے بدرِ کامل - حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی حیاتِ طیبہ پر بےشمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں - لیکن حضرت بابا صاحبؒ کے مستند اور مفصّل حالات سے کم از کم اُردو زبان کا دامن ابھی تک خالی ہے - پاکستان کے اولیائے چشت میں حضرت بابا صاحبؒ کا مرتبہ بلاشبہ سب سے بلند ہے لیکن اُردو زبان میں آپ کا کوئی مفصّل تذکرہ نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کے اُردو دان طبقہ کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے صحیح مقام و مرتبہ اور آپ کے عظیم الشان تبلیغی اور اصلاحی کارناموں سے ناآشنا ہے - اس کتاب کی تالیف کا مقصد اسی کمی کو پورا کرنا ہے - دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ میری اس سعی کو مشکور فرمائے - قارئین کرام سے بصد ادب استدعا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے اس بے استعداد بندۂ عاصی کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں - اللہ تعالےٰ کی رحمت و بخشش کا کوئی حساب نہیں شاید اللہ کے کسی نیک بندے کی دعا سے اس عاجز کی آخرت سنور جائے اس کے ساتھ ہی قارئین اگر اس کتاب کے اسقام سے ناشرین کو مطلع فرمائیں تو یہ اُن کا مزید کرم ہو گا - اگلے ایڈیشن میں انشاء اللہ ان اسقام کو دور کرنے کی سعی کی جائے گی -

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خاکپائے اولیاء

طالب ہاشمی

لاہور

۶ر اپریل ۱۹۶۲ء

مآخذ کتاب

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست یہ ہے

۱-	راحت القلوب	ملفوظات بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء
۲-	اسرار الاولیاء	ملفوظات حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ مرتبہ خواجہ بدر اسحٰقؒ
۳-	فوائد الفواد	ملفوظات محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر حسن علا سنجریؒ
۴-	سیر الاولیاء	خواجہ سید محمد مبارک امیر خورد دہلوی
۵-	سیر العارفین	شیخ جمالیؒ
۶-	تاریخ فیروز شاہی	ضیاءالدین برنی
۷-	تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ نولکشور پریس لکھنؤ)	محمد قاسم فرشتہ
۸-	سفینۃ الاولیاء	داراشکوہ
۹-	اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۱۰-	خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری

١١ - سیر الاقطاب — شیخ اللہ دیا چشتی

١٢ - مناقب الاصفیا — مخدوم شاہ شعیب

١٣ - سلسلۃ الاولیاء — محمد صالح کنجاہی

١٤ - خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ) مرتبہ حمید قلندر

١٥ - جواہر فریدی — محمد علی اصغر چشتی

١٦ - وقایع حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (گلزار فریدی) پیر محمد حسین چشتیؒ

١٧ - بایوگرافیکل ڈکشنری — ہنری جارج کین

١٨ - تاریخ ہندوستان — منشی ذکاء اللہ

١٩ - تصوف اسلام — عبدالماجد دریابادی

٢٠ - آبِ کوثر — شیخ محمد اکرام

٢١ - پنجاب میں اردو — حافظ محمود شیرانی

٢٢ - بزم صوفیہ — صباح الدین عبدالرحمٰن

٢٣ - ہشتاد اولیاء — شاہ مراد مارہروی

٢٤ - تین دلی — شاہ مراد مارہروی

٢٥ بابا فرید کا روزنامچہ — ملا واحدی

٢٦ - تاریخ مشائخ چشت — خلیق احمد نظامی

٢٧ - سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات — خلیق احمد نظامی

۲۸۔ ملفوظات خواجگانِ چشت ———— غلام احمد خان بریان

۲۹۔ پنجابی صوفی شعرا ———— مس لاجونتی راما کرشنا

۳۰۔ شعر العجم حصہ دوم ———— شبلی نعمانی ؒ

۳۱۔ گزیٹیئر ———— ضلع منٹگمری

۳۲۔ گزیٹیئر ———— ضلع ملتان

۳۳۔ تذکرۃ الکرام ———— سیّد شاہ محمد کبیر ابو العلاء دانا پوری

۳۴۔ جبین الولایت ———— منشی ولایت علی

۳۵۔ مرآۃ الکونین ———— مولوی غلام نبی

۳۶۔ اقتباس الانوار ———— مولانا محمد اکرم

ان کے علاوہ رسالہ منادی دہلی رسالہ الناظر لکھنؤ اور آستانۂ زکریا ملتان کے کئی پرچوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

بارگاہِ فریدی میں
میں
شیخ جمالیؒ کا ہدیۂ عقیدت

گلِ گلزارِ انوارِ معانی — درِ دریائے گنجِ لامکانی

محیطِ معرفت شیخِ خدا بیں — بقا باللہ را سلطان تمکیں

مئے وحدت ز جامِ عشق خوردہ — قدم در عالمِ لاہوت بردہ

جو فائے فقر را بر قاف شد جائے — ہویدا اے دلش شد نقطۂ فائے

ہماں فا گشت برنامش ہویدا — کمال فقر فخری کردہ پیدا

بملکِ فقر شاہنشاہِ مقصود　　　فریدالدین ملّت شیخ مسعود

جمالی را چہ حدے آں کہ اقدام　　　کشاید سوئے مدح آں نکونام

نوٹ:- حضرت شیخ جمالیؒ نویں دسویں ہجری کے ایک یگانۂ روزگار درویش تھے۔ اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا نام جلال خان اور تخلص جمالی تھا۔ وطن مالوف دہلی تھا اور عوام میں درویش کے لقب سے مشہور تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"یگانۂ روزگار مجمعِ اطوار بود ـــ اقسام شعر از مثنوی و قصیدہ و غزل گفتہ حالت شعر او بر اہلِ سخن ظاہر است"

شیخ جمالیؒ نے اپنی عمر کے کئی سال ممالک اسلامیہ کی سیاحت میں گذارے۔ دوران سیاحت ان کی ملاقات مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ۔ ملا حسین واعظ کاشفی۔ مولانا جلال الدین محمد دوانیؒ اور اس دور کے کئی دوسرے نامور علماء و مشائخ سے ہوئی۔ سلطان سکندر لودھی ان کا بےحد مداح تھا اور اپنا کلام اصلاح کے لئے ان کو دکھایا کرتا تھا۔ سکندر لودھی کے جانشین ابراہیم لودھی سے شیخ جمالیؒ کے تعلقات چنداں خوشگوار نہ تھے۔ ابراہیم لودھی کی موت کے بعد شیخ جمالیؒ اور شہنشاہ بابر میں رشتۂ اخلاص قائم ہوگیا۔ سیر العارفین اور مثنوی مہر و ماہ شیخ جمالیؒ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ شیخ جمالی کا یہ مشہور عالم شعر اہل دل میں بےحد مقبول ہوا

ـــ موسیٰؑ ز ہوش رفت بیک پرتوِ صفات　　تو عین ذات مے نگری و در تبسمی

علامہ اقبالؒ اسے بہترین نعتیہ شعر کہا کرتے تھے۔ شیخ جمالیؒ کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے جو بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ ان کے مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہے۔

ملک الشعراء گرامی کے گلہائے عقیدت

ذوقِ اخلاص دعاہا را اثر
گوہرِ گنجینۂ گنج شکرؒ
آبروئے خاکِ پنجاب آں فقیر
شیخِ اکمل یک جہاں را دستگیر

در شہر گرامی ست کہ معنی نظرست
در پنجۂ مرگ سخت بے بال و پرست
در تلخیِ نزع حکم آمد بہ اجل
بگذار کہ ایں مرید گنج شکرؒ ست

شکرے ریز بکامِ تلخم بہرِ خدا
جرعۂ جام ادب عبد صمد را بخشا
بہرہ از گنج شکر گر بدہی با فقرا
نشود کم بخدا گنجِ تو گنج شکرا

پہلا باب

۱۰۰۰ نام و القاب

(۱)

نام | حضرت بابا صاحبؒ کا اسمِ گرامی فریدالدین مسعود تھا۔ بعض روایات میں "مسعود" اور "مسعود الدین" بھی درج ہے۔ اور "فرید" یا "فریدالدین" آپ کا لقب بیان کیا گیا ہے۔

(۲)

القاب | آپ کا سب سے مشہور لقب "گنج شکرؒ" ہے اس کے علاوہ مختلف تذکروں میں آپ کو ہمدم انوار قربت صمدی ۔ زبدۃ اتقیائے ابرار ۔ عمدۃ الابرار سلطان السالکین ۔ شمس العارفین ۔ برہان العاشقین ۔ شیخ کبیر ۔ محرم سرار مشیئت ایزدی ۔ شیر بیشۂ تقدیس ربانی ۔ فرد الحق ۔ فرد الاولیاء ۔ آفتاب انوار ولایت ۔ پیشوائے عالم ہدایت ۔ بدر الطریقت شمس الحقیقت ۔ سر حلقۂ واصلانِ حق ۔ قدوۃ الاخیار ۔ قطب الاقطاب ۔ شہباز طریقت شیخ الشیوخ عالم وغیرہ کے القاب سے یاد کیا گیا ہے ۔

حضرت بابا صاحبؒ کے بہت سے نام اور القاب ایسے ہیں جن کا آپ کے عقیدت مند ورد کرتے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں ۔

شیخ فرید ۔ مولانا فرید ۔ خواجہ فرید ۔ حاجی فرید ۔ درویش فرید ۔ عبداللہ فرید مقبول فرید ۔ عالم فرید ۔ صادق فرید ۔ شاکر فرید ۔ امام فرید ۔ مجتہد فرید مقتدیٰنا فرید ۔ متقی فرید ۔ عارف فرید ۔ ولی فرید ۔ سخی فرید ۔ جہاں گشت فرید عابد فرید ۔ مخدوم فرید ۔ فقیر فرید ۔ محمود فرید ۔ متوکل فرید ۔ سالک فرید ۔

زاہد فرید۔ عابد فرید۔ صوفی فرید۔ عالم فرید۔ محب فرید۔ مرشد فرید۔

(۳)

"گنج شکر" کا عظیم لقب کیسے ملا

جیساکہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے حضرت بابا صاحبؒ کا سب سے مشہور لقب گنج شکر (یعنی شکر یا مٹھاس کا خزانہ) ہے آپ اس لقب سے کیسے مشہور ہوئے اس کے متعلق مختلف تذکروں میں مختلف روایات ہیں۔ اس سلسلہ کی کچھ مشہور روایات یہ ہیں۔

(ا) بچپن میں حضرت بابا صاحبؒ کو شیرینی سے بہت رغبت تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ رات کے وقت مصلے کے نیچے شکر رکھ دیتیں اور بابا صاحبؒ کو نماز کی تلقین کرتے ہوئے فرماتیں "بیٹے جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کو صبح کی نماز کے بعد شکر ملتی ہے" چنانچہ صبح کی نماز کے بعد بابا صاحبؒ (جن کی عمر ابھی چار پانچ برس کی تھی) مصلے کے نیچے سے شکر لے لیا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ ایک دن مصلے کے نیچے شکر رکھنا بھول گئیں اور صبح کی نماز سے فارغ ہو کر وظیفہ میں مشغول ہو گئیں ادھر ننھے فریدؒ نے نماز سے فارغ ہو کر مصلی کا کونہ اٹھایا تو وہاں بدستور شکر موجود تھی۔ والدہ محترمہ حیران رہ گئیں اور سمجھ گئیں کہ فریدؒ کو یہ شکر غیب سے عطا ہوئی ہے۔ اسی وقت سجدۂ شکر میں گر پڑیں اور اپنے بچے کے حق میں نہ صرف بلندئ درجات کی دعا مانگی۔ بلکہ ربّ العزت سے اپنے "بچے" کو شیریں سخن بنانے کی التجا بھی کی۔ اللہ تعالےٰ نے اس دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اور آپ اس واقعہ اور اپنی شیریں سخنی کی بدولت لوگوں میں گنج شکرؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(ب) حضرت بابا صاحبؒ جس زمانہ میں بیابانوں میں مجاہدات و ریاضات میں مشغول تھے تو ایک دن ان کو سخت پیاس لگی۔ پانی کی تلاش میں ایک کنویں کے پاس پہنچے۔ مگر وہاں کوئی ڈول اور رسی نہ تھی جس سے پانی کھینچتے۔ مایوس ہو کر کنوئیں کے پاس بیٹھ گئے اتنے میں دو جنگلی ہرن دوڑتے ہوئے کنوئیں کے کنارے پر پہنچے۔ یکایک کنوئیں کا پانی اچھل کر کناروں تک پہنچ گیا۔ ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی اور چل دیئے۔ بابا صاحبؒ بہت حیران ہوئے اور آگے بڑھ کر اپنی پیاس بجھانی چاہی۔ لیکن پانی نیچے اتر گیا۔ بابا صاحبؒ

کی حیرت میں اور اضافہ ہوا ۔ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا ۔

"الٰہی تو نے ہرنوں کو تو پانی پلا دیا ۔ مگر معلوم نہیں اپنے بندے کو کیوں محروم رکھا"

غیب سے آواز آئی "تو نے ڈول اور رسی کا سہارا ڈھونڈا اور ہرن صرف میرے سہارے پر یہاں آئے ۔ تو محروم رہا اور وہ سیراب ہوئے"

حضرت بابا صاحبؒ ندائے غیبی سن کر بہت پشیمان ہوئے اور پھر بیابان میں جا کر ریاضت میں مشغول ہو گئے ۔ چالیس دن تک عبادت کرتے رہے اور اس عرصے میں پانی کا ایک قطرہ بھی حلق میں نہ ڈالا ۔ چلہ ختم ہونے پر خاک کی ایک مٹھی منہ میں ڈالی جو فوراً شکر بن گئی ۔ غیب سے آواز آئی ۔

"اے فرید تجھے ہم نے برگزیدہ بندوں میں جگہ دی اور تیری عبادت قبول کی ۔ اور آج سے تجھے شیریں سخنوں کے گروہ میں "گنج شکرؒ" بنایا ۔" [1]

(ج) جن دنوں حضرت بابا صاحبؒ اپنے مرشدِ طریقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاس دہلی میں زیر تربیت تھے تو ایک دفعہ انہوں نے سات دن تک مسلسل روزہ رکھا ۔ ساتویں دن افطار کے وقت اپنی قیام گاہ غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس جا رہے تھے ۔ راستے میں ایک جگہ کیچڑ تھی ۔ اور پھسلن ہو رہی تھی ۔ بابا صاحبؒ کا پاؤں کیچڑ میں پھسل گیا ۔ گر پڑے اور کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی ۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کیچڑ شکر بن گئی ۔ خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا "اگر مٹی تمہارے منہ میں پہنچ کر شکر بن گئی تو اللہ تبارک وتعالےٰ تمہارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا ۔ اور تم ہمیشہ شیریں رہو گے ۔"

اصل الفاظ یہ ہیں "فرید گلے کہ بدہنت رسیدہ ۔ شکر شدہ حق تعالےٰ وجود ترا گنج شکر گردانیدہ است ہموارہ شیریں خواہی بود"

چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت بابا صاحبؒ "گنج شکرؒ" مشہور ہو گئے ۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ "روزے دے بخدمت خواجہؒ می آمد ۔ از ضعف ریاضت پائیش بلغزید ۔ بر زمین افتاد ۔ پارۂ گل بر دہن رسید شکر شد ازاں وقت گنج شکر گویند ۔"

---

[1] وقائع فرید الدینؒ میں ہے کہ یہ واقعہ قصبہ رودولی کے متصل گنگالوں کے علاقے میں پیش آیا ۔

(د) جن دنوں اجودھن (پاک پٹن) کا قصبہ حضرت بابا صاحبؒ کی ذات بابرکات کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ایک سوداگر کا ورود اجودھن میں ہوا۔ وہ اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا۔ اس کی ملاقات بابا صاحبؒ سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا "اونٹوں پر کیا سامان تجارت کے لئے لدا ہوا ہے"۔ سوداگر کو یہ سوال ناگوار گذرا یا اس نے یونہی تمسخر سے جواب دیا۔ "نمک ہے" بابا صاحبؒ نے فرمایا "بہتر ہے نمک ہی ہو گا"۔ جب سوداگر دہلی پہنچا۔ اور بورے کھولے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ شکر کی بجائے نمک سے بھرے ہوئے تھے۔ سخت پشیمان ہوا اور الٹے پاؤں واپس ہو کر بابا صاحبؒ کی خدمت میں اجودھن پہنچا۔ اور اپنی خطا کے لئے معافی کا خواستگار ہوا۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا "اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی"۔ آپؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہی نمک پھر شکر میں تبدیل ہو گیا۔ اسی دن سے آپ "گنج شکرؒ" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بیرم خان خانخاناں نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے۔ اس کی نظم کا ایک شعر یہ ہے۔ ؎

کانِ نمک۔ جہانِ شکر۔ شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

(س) ایک دفعہ حضرت بابا صاحبؒ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے ارشاد کے مطابق تین دن کا روزہ رکھا۔ تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص چند نان لایا۔ آپ نے سمجھا کہ غیب سے پہنچے ہیں۔ چنانچہ ان نانوں سے روزہ افطار کر لیا۔ لیکن فوراً متلی ہونے لگی اور جو کچھ کھایا تھا قے کے ذریعہ نکل گیا۔ مرشد کے پاس پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ "یہ نان ایک شرابی وجواری (فاسق و فاجر) نے بھیجے تھے۔ اللہ تعالےٰ کا فضل شامل حال تھا کہ تیرے معدے نے انہیں قبول نہ کیا۔ اب جا کر تین روزے اور رکھ اور جو غیب سے ملے اس سے افطار کر"۔ چنانچہ حضرت بابا صاحبؒ نے پھر تین دن مسلسل روزہ رکھا۔ لیکن افطار کے لئے کچھ نہ ملا۔ رات کو کمزوری محسوس ہوئی تو حالتِ گرسنگی میں زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر منہ میں رکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کنکریاں شکر بن گئیں۔ جب یہ واقعہ انہوں نے مرشدؒ کی خدمت میں بیان کیا تو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے فرمایا۔

"یہی غیب سے تھا۔ تو شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہے گا اور گنج شکر بنے گا۔"

؎ سنگ در دستِ تو گہر گردد — زہر در کامِ تو شکر گردد (خواجہ سنائیؒ)

دوسرا باب

حسب و نسب

(۱)

شجرۂ نسب تمام کتبِ سیر متفق ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ صحیح النسب فاروقی ہیں۔ اور کم و بیش بیس۲۰ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب امیر المومنین عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ
|
حضرت عبد اللہؓ
|
شیخ ناصرؒ
|
شیخ سلیمانؒ
|
خواجہ ادھمؒ
|
خواجہ ابراہیم شاہ بلخؒ
|
شیخ اسحاقؒ
|

(باقی اگلے صفحہ پر)

شیخ ابوالفتح

شیخ عبداللہ واعظ الاکبرؒ

شیخ مسعودؒ

شیخ سلیمانؒ

سامان شاہ

محمود شاہ یا محمد المعروف بہ نعمان شاہ

شیخ نصیر الدینؒ

شیخ احمد معروف بہ فرخ شاہ بادشاہ کابل

شیخ شہاب الدینؒ

شیخ محمدؒ

شیخ یوسفؒ

شیخ احمدؒ

شیخ شعیبؒ

شیخ جمال الدین یا عزالدین سلیمانؒ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

اوپر کا شجرۂ نسب ہم نے خزینۃ الاصفیا (مصنفہ غلام سرور لاہوریؒ) سے لیا ہے۔ بعض دیگر تذکروں میں حضرت بابا صاحبؒ کا شجرۂ نسب کسی قدر مختلف طریقے سے درج ہے۔ کسی میں حضرت فاروق اعظمؓ تک کچھ کم واسطے درج ہیں اور کسی میں کچھ زیادہ۔ اسی طرح آپ کے اجداد

ہیں بعض اصحاب کے ناموں میں تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے ۔ مثال کے طور پر ہم وقایع فریدالدین چشتیؒ
میں دیئے ہوئے شجرۂ نسب کو بھی یہاں درج کرتے ہیں ۔ اس سے اختلاف واضح ہوجائے گا ۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ بن خواجہ جمال الدین لقب سلیمانؒ بن حضرت ملک العلماء مولانا
شعیب قریشیؒ شہزادہ کابل بن حضرت خواجہ احمد شہزادہؒ بن حضرت خواجہ یوسف شہزادہ بن حضرت
خواجہ شیخ محمد بن حضرت خواجہ شہاب الدین شہزادہؒ بن حضرت شاہ احمد المعروف فرخ شاہ بادشاہ
کابل حضرت نصیر الدین بادشاہؒ بن حضرت محمود شاہ المعروف بشہنشاہ بادشاہ بن حضرت سامان
شاہ بن حضرت سلطان مسعود شاہؒ بن حضرت خواجہ عبداللہ شہزادہؒ بن حضرت خواجہ واعظ الاکبرؒ
بن حضرت خواجہ ابوالفتح کامخ بن شاہ اسحاقؒ بادشاہ بن حضرت خواجہ ابراہیمؒ بادشاہ بلخ بن
حضرت خواجہ ادہم قریشیؒ بن حضرت خواجہ منصور قریشیؒ بن حضرت خواجہ ناصر الدینؒ بن حضرت
خواجہ عبداللہؓ بن حضرت عمر فاروقؓ ۔

(۲)

خاندان اگرچہ اسلام میں کسی کی فضیلت کا معیار اس کے حسب ونسب کا اعلیٰ ہونا نہیں ہے
بلکہ تقویٰ اور صالحیت ہے تاہم تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ ایک نہایت معزز
اور محترم خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ آپ کے اجداد میں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ بلخ کے فرمانروا
تھے لیکن سلطنت پر لات مار کر راہِ فقر اختیار کرلی اور آسمان طریقت پر آفتاب بن کر چمکے اسی
طرح حضرت بابا صاحبؒ کے اجداد میں فرخ شاہ کابل کے فرمانروا تھے ۔ ان کے عہد میں سلطنت
کابل کو بہت عروج حاصل ہوا ۔ فرخ شاہ کے بعد ان کی اولاد کابل کی وسیع سلطنت کو نہ سنبھال
سکی اور شاہان غزنی نے اس پر قبضہ کرلیا ۔ تاہم شاہان غزنی نے فرخ شاہ کی اولاد کا اعزاز باقی
رکھا ۔ اور کابل کا علاقہ انہیں کے تصرف میں دیدیا ۔ (یعنی وہ حکومت غزنی کی طرف سے کابل کے
صوبہ دار مقرر ہوئے ۔) ایک روایت کے مطابق سلطان محمود غزنویؒ نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح
شیخ شعیبؒ (حضرت بابا صاحبؒ کے دادا) کے ساتھ کردیا ۔ کیونکہ وہ نہ صرف حسب ونسب
کے لحاظ سے بلکہ علم وفضل کے لحاظ سے بھی نہایت بلند مقام رکھتے تھے ۔ لیکن ہمیں یہ روایت
مشکوک معلوم ہوتی ہے ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شعیبؒ سلطان محمود غزنویؒ کے ہمعصر
نہیں تھے ۔ سلطان محمود کے سال وفات (۴۲۱ھ) اور شیخ شعیبؒ کے پوتے بابا فریدالدین گنج شکرؒ
کے سال ولادت (۵۶۹ھ یا ۵۸۴ھ) میں تقریباً ڈیڑھ سو برس کا بُعد ہے ۔ بابا صاحبؒ کے

اجداد کب اور کیوں اپنے وطن سے ہجرت کر کے پنجاب تشریف لائے۔ اس کے متعلق مختلف تذکروں میں عجیب و غریب متضاد روایات ملتی ہیں۔ دو مشہور روایات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت بابا صاحبؒ کے دادا شیخ شعیبؒ اپنے خاندان کے ساتھ امن و سکون سے رہ رہے تھے کہ وحشی تاتاریوں کے سیلاب نے چنگیز خان کی سرکردگی میں وسط ایشیا ایران و عجم وغیرہ کو تہ و بالا کر ڈالا۔ کابل بھی فتنۂ تاتار کی زد میں آگیا۔ شیخ شعیب کے والد شیخ احمد تاتاریوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اور شیخ شعیب اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مخفی طور پر کابل چھوڑ کر پنجاب تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ لاہور اور قصور میں قیام کرنے کے بعد ملتان کے نزدیک ایک گاؤں کھوتوال[1] میں رہائش اختیار کی۔

۲۔ بابا صاحبؒ کے والد شیخ جمال الدین سلیمانؒ سلطان (معز الدین محمد) شہاب الدین غوری کے زمانہ میں کابل سے پنجاب آئے اور کھوتوال میں سکونت پذیر ہو گئے۔

اگرچہ پہلی روایت کو تذکرہ نگاروں کی اکثریت نے تواتر سے نقل کیا ہے لیکن یہ قطعاً غلط معلوم ہوتی ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کی ولادت باختلاف روایت ۵۶۹ھ یا ۵۸۴ھ میں کھوتوال میں ہوئی۔ ظاہر ہے آپ کے اجداد اس سے پہلے وطن سے ہجرت کر آئے ہونگے لیکن چنگیز خانی سیلاب ۶۱۶ھ میں تاتار سے اٹھا اس سے یہ بات بداہتہً غلط ثابت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ العالمؒ کے اجداد فتنۂ تاتار کی وجہ سے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اس فتنہ کا ظہور ان کی ہجرت کے بہت عرصہ بعد ہوا۔ اس معزز خاندان کے وطن چھوڑنے کی وجوہات کچھ اور ہوں گی۔ لیکن ان کی تصریح کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کہ چنگیز خان کے عروج سے پہلے افغانستان پر قبائل غز کے چھاپے اس کے ترک وطن کا باعث ہوئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ غوریوں اور غزنویوں کی آئے دن کی جنگوں سے تنگ آ کر یہ خاندان وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا ہو۔ ان ہنگاموں کا زمانہ ۵۴۳ھ سے ۵۶۹ھ کا درمیانی عرصہ ہے بہر حال وثوق سے کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ بابا صاحبؒ کے اجداد نے وطن سے کیوں ہجرت کی اور کس سال وہ کھوتوال میں سکونت پذیر ہوئے۔ ہمیں دوسری روایت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس میں بھی یہ بات تصفیہ طلب ہے کہ شیخ شعیبؒ نے ہجرت کی یا ان کے

[1] مختلف تذکروں میں اس گاؤں کا نام کوٹھیوال، کھتوال، کیتھوال، کبھی وال اور کھوتووال بھی لکھا ہے آج کل اس کا نام چاولے مشائخ ہے۔

فرزند شیخ جمال الدین سلیمانؒ نے چونکہ اکثر تذکرہ نگار شیخ شعیبؒ کی خطہ پاکستان میں تشریف آوری تسلیم کرتے ہیں اور چادوالے مشائخ میں ایک قبر بھی ان کی بیان کی جاتی ہے۔ ہمیں بھی یہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی کہ شیخ شعیبؒ نے اپنے فرزندوں کے ہمراہ ۵۸۵ھ کے ۵۹۰ھ کے درمیان کسی وقت اپنے وطن سے ہجرت کی۔

بعض تذکرہ نگاروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب باباصاحبؒ کے اجداد خطہ پاکستان میں تشریف لائے تو دہلی ایک مسلمان بادشاہ کے زیر اقتدار تھی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سلطان غیاث الدین غوری والیٔ غزنی کے عہد حکومت میں اس کے بھائی سلطان معز الدین محمد (شہاب الدین) غوری نے ۵۷۱ھ میں سندھ اور ملتان پر قبضہ کیا۔ ۵۸۲ھ میں آخری غزنوی فرمانروا خسرو ملک تاج الدولہ کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کیا اور یہاں کی حکومت علی کرماخ کے سپرد کی۔ ۵۸۸ھ میں پرتھوی راج کو شکست دے کر دہلی اجمیر وغیرہ پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ اور قطب الدین ایبک کو دہلی میں اپنا نائب مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ گویا دہلی میں اسلامی حکومت کا آغاز ۵۸۸ھ میں ہوا۔ اگر قطب الدین ایبک کے وقت حضرتؒ کے اجداد کا لاہور تشریف لانا تسلیم کیا جائے تو پھر ان دو باتوں میں سے ایک ماننی پڑے گی کہ حضرت باباصاحبؒ کی ولادت ۵۶۹ھ میں کابل میں ہوئی یا ۵۸۸ھ کے لگ بھگ کھوتوال (ملتان) میں ہوئی۔ لیکن دوسری طرف جب ہم دیکھتے ہیں کہ سبھی تذکرہ نگار حضرتؒ کی ولادت کھوتوال میں بتلاتے ہیں تو لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرتؒ کے اجداد ۵۶۹ھ سے قبل وطن سے ہجرت کر آئے ہوں گے۔ اگرچہ ان کی ہجرت کا صحیح سال متعین کرنا ممکن نہیں۔ اس وقت دہلی پر یقیناً مسلمانوں کی حکومت نہیں تھی۔ اس طرح یہ روایت بھی غلط ثابت ہوتی ہے کہ سلطان دہلی نے شیخ شعیبؒ کو قصبہ کھوتوال کا قاضی مقرر کر دیا اور ان کے اخراجات کے لئے قصبہ کھوتوال کی ملکیت اور آٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر عطا کی۔ ملتان کا علاقہ ناصر الدین قباچہ کے ماتحت تھا۔ اگر حضرت باباصاحبؒ کے اجداد کے ساتھ حکومت کی طرف سے کوئی حسن سلوک ہوا ہوگا۔ تو وہ ناصر الدین قباچہ نے کیا ہوگا نہ کہ سلطانِ دہلی نے۔ درحقیقت صوفیہ کبار کے حالات میں بعض دور از کار روایتیں بھی مشہور ہو جاتی ہیں اور وہی سلسلہ بہ سلسلہ پھیلتی جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت باباصاحبؒ کے دادا شیخ شعیبؒ ۵۵۹ھ سے ۵۶۹ھ کے درمیان کسی سال وطن چھوڑ کر کھوتوال (نزد ملتان) تشریف لائے۔ اور یہیں مستقل اقامت اختیار کی

(۳)

والدین حضرت شیخ شعیبؒ کو اللہ تعالیٰ نے تین فرزند عطا کئے تھے۔

(۱) خواجہ جمال الدین سلیمانؒ (۲) خواجہ احمدؒ (۳) خواجہ سعد حاجیؒ ان میں خواجہ جمال الدین سلیمانؒ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے والد تھے۔ بعض تذکروں میں ان کا نام عزالدین سلیمان بھی لکھا ہے۔ چنانچہ محمد صالح کنجاہی سلسلۃ الاولیاء میں بحوالہ مونس الارواح لکھتے ہیں "در مونس الارواح آوردہ نام او مسعود بن سلیمان عزالدین محمود از اولاد امیر المومنین عمرؓ خطاب است"۔

جمال الدین یا عزالدین ان کا نام تھا یا لقب تذکرہ نگاروں نے اس کی تصریح نہیں کی البتہ "سلیمان" کے لفظ پر خواہ یہ ان کا لقب تھا یا اصل نام سبھی تذکرہ نگار متفق ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ سلیمانؒ نہایت عالم و فاضل اور متدین بزرگ تھے۔ جن ایام میں خواجہ شعیبؒ کھوتوال میں سکونت پذیر ہوئے۔ ایک اور معزز خاندان بھی نواح کابل سے ہجرت کر کے قصبہ کوٹ کروڑ نواح ملتان میں آکر مقیم ہوا اس کے سربراہ مولانا وجیہہ الدین خجوندی تھے۔ وہ ایک متبحر عالم اور عابد و زاہد بزرگ تھے اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی اولاد سے تھے۔ ان کی ایک صاحبزادی قرسم (یا قرلشیم) خاتون تھیں۔ خواجہ شعیبؒ نے مولانا وجیہہ الدین خجوندی سے اپنے فرزند خواجہ سلیمانؒ کے لئے بی بی قرسم خاتون کے رشتہ کی درخواست کی۔ مولانا خجوندی فوراً رضامند ہو گئے۔ اور اس طرح خواجہ سلیمانؒ اور بی بی قرسم خاتونؒ کا عقد نکاح عمل میں آیا۔

جس طرح خواجہ سلیمانؒ ایک عابد شب زندہ دار تھے۔ اسی طرح بی بی قرسم خاتون بھی نہایت عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ کثرت عبادت کی بدولت وہ درجۂ ولایت تک پہنچ گئی تھیں۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ ایک رات بی بی قرسم خاتونؒ نماز تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور گھر میں گھس آیا۔ بی بی صاحبہؒ کی نظر اس پر پڑی تو فی الفور نور بصارت سے محروم ہو گیا۔ اب اس نے گریہ و زاری شروع کر دی اور کہنے لگا جس نیک بخت کی دہشت اور بددعا سے میری بینائی سلب ہوئی ہے میں اس سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بینائی پھر واپس آ جائے تو میں عمر بھر چوری نہ کروں گا۔

بی بی صاحبہؒ کو اس کی فریاد اور گریہ و زاری پر رحم آ گیا۔ اور بارگاہ الٰہی میں اس کی بینائی

کے لیئے دعا کی ۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور چور کی بصارت عود کر آئی ۔ اسی وقت بی بی صاحبہؒ کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگ کر رخصت ہوگیا ۔ صبح کو اپنے اہل و عیال کے ہمراہ بی بی صاحبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور اہل و عیال سمیت مشرف باسلام ہوگیا ۔ بی بی صاحبہؒ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا ۔ کہتے ہیں کہ اس شخص نے قبول اسلام کے بعد کثرت مجاہدات و ریاضات کی بدولت درجۂ ولایت حاصل کر لیا ۔ اسے خاندان خواجہ شعیبؒ کی طرف سے چاوڑے مشائخ کا لقب عطا ہوا اور قصبہ کھوتوال بھی اسی کے نام پر چاوڑیا چاوڑے مشائخ مشہور ہوگیا ۔ حضرت خواجہ شعیبؒ ، خواجہ سلیمانؒ اور بی بی قرسم خاتون کے مزارات اسی قصبہ میں ہیں ۔ خواجہ سلیمانؒ کو اللہ تعالےٰ نے تین فرزند اور ایک لڑکی عطا کی ۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) حضرت عزیز الدینؒ (۲) بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۳) حضرت نجیب الدین متوکلؒ (۴) بی بی ہاجرہ ملقب بہ جمیلہ خاتونؒ (والدہ مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ) ۔

تیسرا باب

ولادت اور عہدِ طفلی

(۱)

ولادتِ مسعود | حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی ولادت مسعود قصبہ کھوتوال (چاولے مشائخ) ضلع ملتان میں ہوئی۔ آپؒ کے سال ولادت کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں بہت اختلاف ہے۔ خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۵۸۴ھ میں ہوئی۔ لیکن سیرالاولیاؒ اور جواہر فریدی میں آپ کا سال ولادت سنہ ۵۶۹ھ درج ہے۔ اسی طرح بعض تذکروں میں آپؒ کا سال ولادت سنہ ۵۸۲ھ اور سنہ ۵۸۰ھ بھی درج ہے۔ تاہم اکثر تذکرہ نگاروں نے سنہ ۵۸۴ھ والی روایت کو اپنایا ہے۔ فوائد السالکین (ملفوظات خواجہ بختیار کاکیؒ) میں حضرت باباصاحبؒ سے یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے غرہ رمضان سنہ ۵۸۴ھ میں بروز جمعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی پابوسی کا شرف حاصل کیا۔ لیکن ہمیں یہ روایت الحاقی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت باباصاحبؒ نے خواجہ بختیار کاکیؒ کی بیعت اس وقت کی جب وہ اوش سے دہلی جاتے ہوئے پہلی دفعہ ملتان تشریف لائے۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمش کا دورِ حکومت تھا۔ جس کا آغاز سنہ ۶۰۷ھ میں ہوا۔ ظاہر ہے کہ سنہ ۵۸۴ھ میں باباصاحبؒ کی اپنے مرشد سے ملاقات کا واقعہ سرے سے ہی غلط ہے۔ ہمارے خیال میں حضرت باباصاحبؒ کی ولادت سنہ ۵۸۴ھ کے لگ بھگ ہی ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ دو چار سال پہلے یا بعد کا فرق ہو سکتا ہے۔

(۲)

دو روایات | تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت باباصاحبؒ مادر زاد ولی اللہ تھے۔

چنانچہ اس ضمن میں آپ کی ولادت سے پہلے اور فوراً بعد بہت سی خوارق عادات کا ظہور میں آنا بیان کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی دو مشہور روایات یہ ہیں۔ (۱) زمانۂ حمل میں باباصاحبؒ کی والدہ محترمہ ایک بار بے خیالی میں پڑوس کی ایک بیری سے چند بیر توڑ کر کھانا چاہتی تھیں۔ کہ پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ اور بیروں کا خیال بھول گیا۔ باباصاحبؒ کی ولادت کے چند سال بعد ایک دن دوران گفتگو آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا "بیٹا میں نے تمہاری پیدائش سے پہلے بھی کبھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی" باباصاحبؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا" اماں جان آپ نے تو ایک دن پڑوس کی بیری سے (مالک کی اجازت کے بغیر) بیر توڑ کر کھانے چاہے تھے لیکن میں نے بےچینی کا اظہار کر کے آپ کو اس سے روک دیا تھا"

یہ کہہ کر باباصاحبؒ تو کھیل میں لگ گئے۔ لیکن ماں دریائے حیرت میں غرق ہو گئیں اور سمجھ گئیں کہ فرید ایک دن آسمان ولایت کا آفتاب بننے والا ہے۔

(۲) آپ کی ولادت ۲۹ شعبان اور یکم رمضان المبارک کی درمیانی شب کو ہوئی۔ ۲۹ شب کو مطلع ابر آلود تھا۔ لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ دوسرے دن روزہ رکھیں یا نہ رکھیں باباصاحبؒ کے والد محترم شیخ سلیمانؒ سے فتویٰ مانگا گیا۔ انہوں نے فرمایا شک کی حالت میں روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے۔ اسی اثنے میں ایک مرد درویش کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے کہا آج شیخ سلیمان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو قطب وقت ہو گا۔ اگر اس نے کل دودھ نہ پیا تو سمجھ لینا روزہ ہے اور ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند ہو گیا ہے دوسرے دن سحری کے وقت لوگوں نے حضرت کے گھر سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نومولود نے نصف شب کے بعد دودھ کو منہ نہیں لگایا۔ چنانچہ لوگوں نے اسی دن روزہ رکھ لیا۔ صبح کو ملتان اور دوسرے قصبات سے اطلاع آگئی کہ آج رمضان المبارک شروع ہو گیا ہے اور شعبان کا مہینہ انتیس دنوں کا تھا۔ رمضان المبارک کے سارے مہینے میں باباصاحبؒ کا معمول رہا کہ دن کو دودھ نہ پیتے تھے۔ ایک چھاتی سے افطار کے وقت پیتے اور دوسری سے سحری کے وقت

اس قسم کی روایات بعض دوسرے اولیاءاللہ کے حالات میں بھی ملتی ہیں۔ تذکرہ نگار یہ روایات بیان تو کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کی سند شاذ ہی دیتے ہیں۔ اس لئے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی روایت صحیح ہے اور کون سی ضعیف۔ بہر صورت اللہ کے برگزیدہ بندوں کی ولادت کے وقت اور ان کے عہد طفلی میں خوارق عادات کے ظہور میں آنے

انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۳)

ابتدائی تعلیم حضرت بابا صاحبؒ کی ولادت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپؒ کے والد شیخ سلیمانؒ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ ان کے سال وفات کی کسی تذکرہ نگار نے تصریح نہیں کی۔ قیاساً یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کو بہت چھوٹی عمر میں داغِ یتیمی اٹھانا پڑا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ محترمہ کے سر پر آ پڑی۔ والدہ بزرگوں کی اولاد تھیں اور علم و فضل کے لحاظ سے نہایت بلند مقام رکھتی تھیں۔ انہوں نے نہایت توجہ سے اپنے لختِ جگر کی پرورش اور تربیت کی۔ بابا صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم کھوتوال میں پائی۔ نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ اللہ تعالٰی نے حافظہ بھی نہایت قوی عطا کیا تھا۔ جو چیز ایک دفعہ پڑھ لیتے۔ ہمیشہ کے لئے ذہن نشین ہو جاتی۔ بچپن ہی میں نہایت اعلٰی اخلاق کے مالک تھے۔ بد خصلت اور شریر بچوں کے ساتھ کبھی نہ کھیلتے۔ اور والدہ کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ کمسنی میں ہی نماز کے سخت پابند ہو گئے تھے۔ سات سال کی عمر میں آپ نے تمام ابتدائی دینی کتب ختم کر لیں۔ اب والدہ محترمہ کو ان کی مزید تعلیم کی فکر دامنگیر ہوئی۔ بابا صاحبؒ کے دادا اور والد جو متبحر عالم تھے۔ اس جہان فانی سے گذر چکے تھے اور اب کھوتوال میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو آپؒ کو علوم متداولہ کی تکمیل کرا سکے۔ یہ مقصد صرف ملتان جا کر ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ جہاں اس وقت بڑے بڑے نامور علماء موجود تھے۔ چنانچہ بابا صاحبؒ کی والدہ محترمہ نے انہیں مزید تعلیم کے لئے ملتان بھیج دیا۔

(۴)

قیامِ ملتان بابا صاحبؒ تکمیل علوم کے لئے پہلی دفعہ ملتان کب پہنچے۔ اس کے متعلق تمام تذکرے خاموش ہیں۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ اس وقت آپ بارہ یا تیرہ برس کے ہوں گے ملتان پہنچ کر آپ نے ایک مسجد میں قیام کیا (کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد ایک سرائے میں واقع تھی) یہاں اس دور کے ایک نامور عالم مولانا منہاج الدین ترمذیؒ درس دیا کرتے تھے۔ بابا صاحبؒ نے انہی سے علوم دینیہ کی تعلیم شروع کر دی اور دو تین سال کے اندر اندر تفسیر حدیث اصول معانی فلسفہ منطق ریاضی ہئیت وغیرہ کا درس ختم کر لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے قرآن مجید بھی اسی مسجد میں حفظ کیا۔ اور ہر رات ایک بار کلام پاک ختم کیا کرتے تھے۔ لیکن ایک دوسری

روایت کے مطابق قرآن پاک آپ نے کھوتوال ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ جن ایام میں بابا صاحبؒ مولانا منہاج الدینؒ سے فقہ کی کتاب نافع پڑھ رہے تھے۔ ملتان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ورود ہوا۔

(۵)

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ سے ملاقات اپنے قیام ملتان کے دوران ایک دن اتفاق سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نماز کے لئے اس مسجد میں تشریف لے آئے جہاں بابا صاحبؒ مقیم تھے۔ اس وقت وہ کتاب "نافع" کے مطالعہ میں مستغرق تھے۔ خواجہ صاحب نے پوچھا "اے جوان کیا پڑھ رہا ہے"

بابا صاحبؒ نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا "نافع پڑھ رہا ہوں"۔

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ "انشاءاللہ تیرے لئے نافع ہی ہوگی"۔

اب بابا صاحبؒ نے سر اوپر اٹھایا۔ نظریں خواجہ صاحبؒ کی نظروں سے ملیں۔ اور معاً دل کی دنیا میں انقلاب بپا ہوگیا۔ خواجہ صاحبؒ کی باطنی توجہ اور نگاہ کیمیا اثر سے بابا صاحبؒ پر وجدانہ کیفیت طاری ہوگئی۔ بے اختیار خواجہ صاحبؒ کے قدموں پر گر پڑے۔ اور عرض کی کہ عاجز کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیجیے۔

(۶)

بیعت حضرت خواجہ صاحبؒ نے پہلی نظر میں ہی تاڑ لیا تھا کہ اس سعادتمند اور صالح نوجوان کی پیشانی میں نور ولایت چمک رہا ہے۔ یکبارگی اپنا ہاتھ ان سے بیعت لینے کے لئے بڑھا دیا اور یہ رباعی پڑھی۔

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد   وز لطف تو ہیچ بندہ نومید نشد

لطفت بکدام بندہ پیوست دمے   کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

بعض تذکروں میں ہے کہ یہ رباعی خواجہ صاحبؒ نے نہیں بلکہ بابا صاحبؒ نے بیعت کرتے وقت پڑھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خیر المجالس کی روایت کے مطابق بیعت کے وقت بابا صاحبؒ کے کاروان عمر نے اٹھارہ منزلیں طے کی تھیں۔ بابا صاحبؒ کا سال ولادت اگر ۵۶۹ھ مانا جائے۔ تو اس حساب سے بیعت ۵۸۷ھ میں ہوئی۔ لیکن حضرت بختیار کاکیؒ کے سوانح حیات پڑھنے سے معلوم ہوتا

کہ جب آپ دہلی جاتے ہوئے ملتان ٹھہرے تو اس وقت سلطان التمشؒ کا دورِ حکومت تھا ۔ سلطان التمشؒ ۶۰۷ھ میں مسند آرائے حکومت ہوا ۔ اگر سالِ بیعت ۶۰۷ھ کے لگ بھگ مانا جائے تو بیعت کے وقت بابا صاحبؒ کی عمر تیئیس ۲۳ برس سے کم کسی صورت میں نہیں ہوگی ۔

اس کے بعد جب تک خواجہ صاحبؒ ملتان میں مقیم رہے ۔ بابا صاحبؒ روزانہ ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے ۔ جب خواجہ صاحبؒ دہلی کے لئے روانہ ہوئے تو بابا صاحبؒ بھی ساتھ چل دیئے ۔ چند ہی میل چلے ہوں گے کہ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ۔ "بابا فرید ابھی کچھ اور مدت علوم ظاہری کی تحصیل میں صرف کرو اور فارغ ہو کر میرے پاس آجانا ۔ بابا صاحبؒ نے ارشادِ مرشد کے سامنے سر جھکا دیا ۔

چوتھا باب

سیاحت و مشاہدات

(۱)

زمانۂ سیاحت حضرت باباصاحبؒ نے اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ارشاد کے مطابق تکمیل علوم کے لئے مختلف دیار و امصار کی ایک طویل عرصہ تک سیاحت کی۔ سیاحت کی مدت اور زمانہ کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے بعض نے مدت سیاحت پانچ برس لکھی ہے اور بعض بارہ برس بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح زمانۂ سیاحت کے بارے میں بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ یہ ۶۰۰ھ سے ۶۱۲ھ کا درمیانی زمانہ تھا۔ ہمارے قیاس کے مطابق باباصاحبؒ کی مدتِ سیاحت دس اور گیارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ اور آپ کی سیاحت کا زمانہ ۶۰۰ھ سے ۶۱۱ھ کے مابین تھا۔

دوران سیاحت آپ قندھار۔ غزنی۔ بلخ۔ بخارا۔ سیوستان۔ بدخشان۔ بغداد۔ بیت المقدس۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ اور کئی دوسرے مقامات پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے مشائخ عظام سے کسبِ فیض کیا۔

حضرت باباصاحبؒ نے جو زمانہ پایا۔ اگرچہ اس زمانہ میں فتنۂ تاتار نے عالم اسلام کے ایک وسیع حصے کو تاخت و تاراج کر ڈالا لیکن علم و فضل کے لحاظ سے اس دور کو "خیر الاعصار" کہا جاتا ہے۔ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر عالم اسلام میں بیشمار مشائخ عظام نے نورِ ہدایت کی شمعیں روشن کر رکھی تھیں۔ ہندوستان کے مشائخ کبار اور مشاہیر کا ذکر بعد میں آئے گا۔

ان کے علاوہ اس دور کے عالم اسلام کی مشہور شخصیتوں میں سے چند کے اسماء یہ ہیں۔

خواجہ فرید الدین عطارؒ۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ۔ مولانا جلال الدین رومیؒ۔ محقق طوسی۔ شیخ سعدی شیرازیؒ۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ۔ خواجہ اجل سنجریؒ یا قوت حموی شیخ سیف الدین باخرزیؒ۔ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ۔ تقی الدین فقیہ۔ سیف الدین آمدی شیخ عبدالواحد بدخشانیؒ۔ صدر الدین قونویؒ۔ عبداللطیف بغدادی۔ شیخ ابو یوسف چشتیؒ امام حدادیؒ۔ شاذلی ابن الاثیر مختلف تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ اپنے زمانے کے ان مشاہیر میں اکثر سے ملے تھے۔ لیکن تفصیلی حالات نہیں ملتے" راحت القلوب" (ملفوظات بابا صاحبؒ) میں ان کی سیاحت کے جستہ جستہ واقعات ملتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا صاحبؒ اپنے زمانۂ سیاحت میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ۔ امام حدادیؒ۔ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ۔ شیخ عبدالواحد بدخشانیؒ اور شیخ ابو یوسف چشتیؒ سے یقینی طور پر ملے تھے۔ ان کے علاوہ جن بیشمار مشائخ و علماء سے آپؒ کی ملاقات ہوئی۔ ان کے اسمائے گرامی کی آپ نے تصریح نہیں کی۔ بابا صاحبؒ کی سیاحت و مشاہدات کے کچھ واقعات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۴)

شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے استفاضہ حضرت ابو حفص شہاب الدین عمرؒ بن محمد البکری سہروردی (ولادت ۵۳۶ھ وفات ۶۳۲ھ) اپنے دور کے شیخ الشیوخ تھے۔ ان کا سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کے عم محترم حضرت ضیاء الملت والدین شیخ عبدالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ سلسلہ سہروردی کے بانی تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے انہی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ اور انہی کے مرید ہوئے۔ علوم ظاہری اور تصوف و روحانیت میں اپنے عم محترم کے علاوہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی استفاضہ کیا۔ علم و فضل کے میدان کے شہسوار تھے اور اپنے جلیل القدر چچا کی وفات کے بعد ان کی روحانی اور علمی مسند کے جانشین ہوئے ان کی تصانیف میں عوارف المعارف۔ کشف النصائح الایمانیہ۔ کشف النصائح یونانیہ۔

اعلام الہدیٰ اور اسرار العارفین وسیر الطالبین مشہور ہیں۔ ارباب طریقت میں "عوارف المعارف" ایک نہایت بلند پایہ تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اور اکثر ارباب علم اسے تصوف

کی بنیادی کتاب سمجھتے ہیں۔ حضرت باباصاحبؒ اپنی مجالس حسنہ میں اکثر اس عظیم کتاب کا درس دیا کرتے تھے۔ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ حضرت باباصاحبؒ عوارف المعارف کا درس ایسے مؤثر انداز سے دیا کرتے تھے کہ سننے والے بےخود ہوجاتے تھے۔ میں نے بھی اس کتاب کے پانچ باب آپ سے پڑھے۔ درس کے وقت مجھے عجیب کیف وسرور حاصل ہوتا اور بسا اوقات میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ اس وقت مجھے موت آجائے تو ایک نعمتِ عظمٰی حاصل کروں۔ حضرت باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں کئی دن حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہا اور ان سے کسب فیض کیا۔ میں نے دیکھا کہ قریب ہر روز ان کی خانقاہ میں دس بارہ ہزار کی فتوح آتی تھی اور حضرت شیخؒ اس فتوح کو اسی روز راہ خدا میں خرچ فرما دیتے تھے۔ اور شام تک ایک پیسہ بھی اپنے پاس باقی نہ رہنے دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پیسہ بھی اس میں سے اپنے پاس رہنے دیتا تو میں درویش نہ رہتا۔ بلکہ مالدار کا لقب پاتا۔

حضرت باباصاحبؒ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عظیم شخصیت سے بےحد متاثر ہوئے اور آخری عمر تک ان کے عقیدت مند رہے۔ اپنے ایک فرزند کا نام بھی آپؒ نے حضرت شیخؒ کے نام پر شہاب الدین رکھا۔

(۱۳)

حضرت خواجہ اجل سنجریؒ سے ملاقات | جن ایام میں باباصاحبؒ نواح بغداد کی سیاحت میں مشغول تھے آپؒ کی ملاقات اس دور کے ایک رجل عظیم حضرت خواجہ اجل سنجریؒ سے ہوئی۔ باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ اجل سنجریؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر میرے ساتھ مصافحہ کیا اور فرمایا۔ "بیا اے لنگرِ عالم کہ نیک آمدی" اس کے بعد میرے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آئے اور کئی روز مجھے مہمان رکھا۔ میں نے ان کے پاس اپنے قیام کے دوران میں دیکھا کہ جو شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اسے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرتے۔ اگر اور کوئی چیز موجود نہ ہوتی۔ تو خشک خرما جو خواجہؒ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ عطا فرماتے۔ جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو دعا دی کہ اللہ تعالٰی تمہارے رزق میں برکت دے۔ میں وہاں سے روانہ ہوا تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ خواجہ اجل سنجریؒ صاحبِ نفس بزرگ ہیں اور

ان کی دُعا ہمیشہ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت پاتی ہے۔ بلکہ جس کے حق میں دعا کریں۔ اس کی اولاد میں بھی اس دعا کا اثر باقی رہتا ہے۔ اور جس کو خواجہ نے فرما دیا وہ عمر بھر کسی کا محتاج نہ ہُوا۔

(۴)

شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی زیارت

دوران سیاحت باباصاحبؒ بخارا پہنچے تو وہاں آپؒ کی ملاقات شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے ہوئی۔ باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ بڑے باعظمت اور پرہیبت بزرگ تھے۔ جب میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا اور تسلیمات بجالایا تو فرمایا "بیٹھ جاؤ" میں بیٹھ گیا۔ بار بار میری جانب دیکھتے تھے اور فرماتے تھے۔

"یہ لڑکا اپنے زمانے کے مشائخ میں ہوگا اور ایک زمانہ اس کا ارادتمند ہوگا۔"

اس وقت شیخؒ کے کندھے پر ایک سیاہ کمبل پڑا ہوا تھا۔ اسے اتار کر مجھے عطا فرمایا اور حکم دیا کہ "اوڑھ لو" میں نے تعمیلِ ارشاد کی اور اس کے بعد کئی دن آپؒ کی خدمت میں رہ کر فیض صحبت اٹھایا۔ ہر روز ہزار سے زیادہ آدمی آپ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے دسترخوان اُٹھ جانے کے بعد بھی اگر کوئی آدمی آجاتا تو خالی واپس نہ جاتا۔

ایک دن شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کی: یا شیخ میرے پاس کچھ مال ہے لیکن عرصہ سے اس میں نقصان ہو رہا ہے اور کبھی کبھی میرے اعضاء میں درد بھی ہوتا ہے۔"

شیخؒ نے فرمایا" مسلمان کے دل میں کھوٹ ہو یا وہ زکوٰۃ دینے میں کوتاہی کرے۔ تو اس کے مال میں نقصان ہوتا ہے۔ اور مرض کا آنا تو ایمان کو قوی کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

(۵)

شیخ ابویوسف چشتی[۱]ؒ کی خدمت میں حاضری

حضرت باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ دوران سیاحت میں شیخ ابویوسف چشتیؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہُوا اور کچھ عرصہ ان سے کسب فیض

---

[۱] حضرت باباصاحبؒ کے شجرۂ طریقت میں ایک بزرگ حضرت خواجہ ابویوسف ناصرالدین چشتیؒ تھے۔ ان کی وفات ۴۵۹ھ میں ہوئی۔ باباصاحبؒ سے جن شیخ ابویوسف چشتیؒ کی ملاقات ہوئی وہ کوئی اور بزرگ تھے۔

کرتا رہا۔ ایک دن ان کی خدمت میں ایک درویش آیا اور بیان کیا کہ گذشتہ شب میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے تیری موت قریب ہے۔ حضرت شیخ ابو یوسفؒ نے یہ سن کر فرمایا۔ "کل صبح تمہاری نماز قضا ہوگئی تھی" درویش کو معاً یہ واقعہ یاد آگیا اور کہا "آپ درست فرماتے ہیں"

(۶)

شیخ عبدالواحد بدخشانیؒ سے ملاقات حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایام سیاحت میں جب میں بدخشاں پہنچا تو وہاں میری ملاقات شیخ عبدالواحد نبیسۂ حضرت ذوالنون مصریؒ سے ہوئی۔ وہ شہر سے باہر ایک غار میں رہتے تھے۔ اور کثرتِ عبادت سے حد درجہ ضعیف ہوگئے تھے۔ ان کا صرف ایک پاؤں تھا۔ اور اسی پر عالم تحیر میں کھڑے تھے میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ جواب دے کر انہوں نے مجھے بیٹھنے کی اجازت دی اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے۔ تین دن رات تک ان پر یہی کیفیت طاری رہی۔ تیسرے دن عالم صحو میں آئے اور بولے " اے فرید میرے متصل نہ ہونا ورنہ سوختہ ہوجاؤ گے۔ اور دور بھی نہ رہو کہ مہجور رہو گے۔ میرا عالم سنو کہ ستر سال سے اس غار میں مقیم ہوں۔ اور خورش میری عالم غیب سے ہے تیس برس گذرے کہ ایک عورت یہاں سے گذری۔ میری نظر اس پر پڑی اور بمقتضائے بشریت میری طبیعت اس پر مائل ہوئی اور غار سے باہر نکلنا چاہا۔ اس وقت غیب سے آواز آئی کہ اے مدعی یہی تیرا عہد تھا کہ سوائے میرے کسی اور سے کچھ سروکار نہ رکھیگا بس اتنا سننا تھا کہ مجھے ہوش آگیا۔ اسی وقت کمر سے چھری نکالی اور جو پاؤں غار سے باہر آیا تھا اسے کاٹ کر پھینک دیا۔ اس دن سے آج تک عالم تحیر میں کھڑا ہوں اور نہیں جانتا کہ قیامت کے دن جب اس واقعہ کے متعلق باز پرس ہوگی تو کیا جواب دوں گا۔

حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ رات میں نے وہیں گذاری دوسرے دن افطار کے وقت کچھ دودھ اور طباق میں لگے ہوئے دس خرمے غیب سے اترے حضرت شیخ عبدالواحدؒ نے فرمایا۔

"پہلے ہر روز میرے لئے پانچ خرمے اترا کرتے تھے۔ آج تمہاری وجہ سے دس بھیجے گئے ہیں۔ آؤ دودھ نوش کرو اور خرمے کھاؤ" میں نے آداب بجالا کر تعمیل ارشاد کی۔ اور شیخ پھر عبادت میں مشغول ہوگئے اتنے میں بدخشاں کا حاکم اپنے ارکانِ دولت کے ساتھ اس غار میں آیا اور تعظیم بجالا کر دست بستہ کھڑا ہوگیا۔ حضرت

شیخؒ نے پوچھا "کیسے آئے ہو" بولا کہ والئے سیوستان نے ناحق میرا مال غصب کر لیا ہے مجھے اجازت دیجیے کہ اپنے حق کے لئے ظلم کے خلاف تلوار اٹھاؤں"۔

خواجہ صاحبؒ نے متبسم ہو کر فرمایا "لو ظالم کا خاتمہ میں کئے دیتا ہوں" یہ کہہ کر پاس پڑی ہوئی ایک چھڑی اٹھا کر سیوستان کی طرف پھینک دی۔ حاکم بدخشاں واپس چلا گیا۔ چند دنوں کے بعد سیوستان کے کچھ باشندے بدخشاں آئے اور حاکم بدخشاں کو اس کا مال واپس کرتے ہوئے یہ قصہ سنایا کہ والئ سیوستان کے دربار عام میں بیٹھا تھا کہ یکایک دیوار شق ہوئی اور اس سے ایک ہاتھ چھڑی پکڑے ہوئے نمودار ہوا۔ اس نے وہ چھڑی اس زور سے والئ سیوستان کی گردن پر ماری کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے بعد غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ شیخ عبدالواحد بدخشانی کا ہاتھ تھا۔ جس نے ظالم کو ہلاک کیا۔

یہ واقعہ سنا کر باباصاحبؒ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ شیخ عبدالواحد بدخشانیؒ کی خدمت میں رہ کر میں ان سے رخصت ہوا۔ ان سے مجھے بہت فیض پہنچا۔

(۷)

امام حدادیؒ کی زیارت جن دنوں باباصاحبؒ نواحِ غزنی کی سیاحت کر رہے تھے۔ تو ایک شہر کی مسجد میں ماہ رمضان المبارک میں انہیں امام حدادیؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حدادیؒ کی ذات بابرکات سے کافی عرصہ استفاضہ کیا۔ وہاں ایک اور بزرگ کی زیارت بھی ہوئی۔ جن کی عظمت اور فیض کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ ہر رات تین بار کلام پاک ختم کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے نصیحت فرمائی کہ راہ سلوک میں مجاہدات و ریاضات بہت ضروری ہے ان کے بغیر تم اعلیٰ مدارج تک نہ پہنچ سکو گے۔ کیونکہ اہل صفہ نے فرمایا ہے کہ راہ سلوک میں مجاہدہ ہی اصل چیز ہے۔

(۸)

شیخ اوحدالدین کرمانیؒ سے ملاقات حضرت باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں جن ایام میں سیوستان کی سیاحت کر رہا تھا تو مجھے ایک مقام پر شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ تم نے بزرگوں کی جو خدمت کی ہے اس سے تو نے دین و دنیا کی سعادتیں سمیٹ لی ہیں۔ اور

میرے پاس آنا بھی تمہارے لئے اچھا ہوا۔ میں ایک دن شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ دس درویش وہاں تشریف لائے اور آپس میں کشف و کرامت کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ دوران گفتگو ایک درویش نے کہا کہ اگر یہاں کوئی شخص صاحب کرامت ہے تو وہ اپنی کوئی کرامت دکھائے۔ شیخ اوحد کرمانی فوراً ان درویشوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "آج کل اس شہر کا حاکم میرے درپئے آزار ہے اور نت نئی تکلیفیں دیتا رہتا ہے۔ آج وہ شکار کے لئے باہر گیا ہوا ہے لیکن خدا کی مرضی یہی ہے کہ وہ سلامت واپس نہیں آسکتا"

ابھی یہ الفاظ شیخؒ کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور خبر سنائی کہ حاکم شکار کے لئے جا رہا تھا کہ ناگاہ گھوڑے سے گر پڑا اور گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے مر گیا۔ اس کے بعد درویشوں نے اس عاجز کی طرف دیکھا میں نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور پھر سر اٹھا کر ان سے کہا "ذرا اوپر دیکھو"۔ سب نے اوپر دیکھا تو کعبہ کو نظروں کے سامنے پایا۔ سب کہنے لگے بیشک تو بھی درویش ہے۔ اب میں نے اور شیخ اوحد کرمانیؒ نے ان درویشوں سے کہا کہ اب تمہاری باری ہے۔ یہ سنتے ہی سب درویشوں نے اپنے سر خرقوں کے اندر لیا اور آناً فاناً خرقوں کے اندر غائب ہو گئے ان کے خرقے زمین پر پڑے رہے اور خود ان کا پتہ نہ چلا۔ عاجز کچھ عرصہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ سے کسب فیض کے بعد ان سے رخصت ہوا۔

(۹)
ایک راسخ العقیدہ بزرگ کی زیارت

حضرت باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ دوران سیاحت نواح غزنیؒ میں ایک مقام پر میں نے چند درویشوں کو دیکھا جو ہر وقت ذکر حق میں مشغول رہتے تھے۔ میں ایک رات ان کے پاس ٹھہرا صبح قریب کے ایک حوض پر وضو کے لئے گیا۔ وہاں ایک ضعیف العمر باعظمت بزرگ کو دیکھا کثرت عبادت سے ان کا چہرہ منور تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ عرصہ سے میرے پیٹ میں تکلیف ہے۔ بار بار وضو اور غسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے حوض کے کنارے ڈیرہ لگایا ہے میں نے یہ دن ان کی خدمت میں گذارا۔ رات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بزرگ ہر رات ایک سو میں رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ عارضہ شکم کی وجہ سے انہیں بار بار قضائے حاجت کے لئے جانا پڑتا۔ لیکن ہر بار واپس آکر غسل فرماتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ ایک بار وہ اسی طرح غسل کرنے تالاب میں اترے کہ پیغام اجل آ گیا۔ اور انہوں نے پانی کے اندر ہی جان بحق تسلیم کی۔ باباصاحبؒ

یہ واقعہ بیان کر کے بے اختیار رونے لگے اور فرمایا زہے راسخ الاعتقادی کہ آخر دم تک حق تعالےٰ کی عبادت بجالاتے رہے اور طہارت سے متعلق اپنے ضابطے کو ترک نہ کیا۔

(۱۰)

ایک پرہیبت بزرگ سے ملاقات حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بغداد کے علاقے میں ایک غار میں ایک بزرگ سے میری ملاقات ہوئی۔ نہایت باعظمت اور پرہیبت بزرگ تھے۔ ان کے جسم پر گوشت کا نام نہ تھا۔ محض ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تھے۔ میں نے انہیں دیکھ کر خیال کیا کہ معلوم نہیں اس جنگل میں کھاتے کیا ہوں گے اس خیال کا میرے دل میں آنا تھا کہ وہ بزرگ مجھ سے یوں مخاطب ہوئے "اے فرید اس جنگل میں ذکر الٰہی کرتے ہوئے چالیس سال گذر گئے ہیں اس عرصہ میں سوائے گھاس پات کے اور کوئی چیز میرے پیٹ میں نہیں گئی" میں نے یہ سن کر ان کے قدم چومے اور کچھ دن ان کی خدمت بابرکت میں رہ کر فیض صحبت اٹھایا۔

(۱۱)

ایک پراسرار بزرگ کی زیارت حضرت باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ بخارا کے نواح میں میری ملاقات ایک صاحب نعمت درویش سے ہوئی۔ وہ ایک صومعہ میں مقیم تھے۔ میں نے ان جیسا جلال پہلے کسی بزرگ میں نہ دیکھا تھا۔ جب میں ان کے صومعہ میں گیا تو وہ عالم "تفکر" میں کھڑے تھے۔ چار دن کے بعد ہوش میں آئے۔ میں نے سلام کیا۔ جواب دے کر فرمایا۔ تم کو میری وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑی۔ بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الارشاد بیٹھ گیا۔ ارشاد فرمایا کہ میں حضرت شمس العارفینؒ کے خاندان سے ہوں اور تیس برس سے اس صومعے میں معتکف ہوں۔ اے فرید اس طویل مدت میں مجھے سوائے دہشت اور حیرت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا جانتے ہو اس کا کیا سبب ہے؟ فقیر نے عرض کیا کہ آپ ہی فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ راہ راست "صراط مستقیم" کی مانند ہے جس نے اس پر سچائی سے قدم رکھا وہ پار ہو گیا مگر جس نے رضائے دوست کے بغیر قدم اٹھایا وہ جل گیا۔ پھر فرمایا کہ اے فرید جس دن سے مجھے رضائے الٰہی نصیب ہوئی ہے۔ میرے اور حق تعالےٰ کے درمیان ستر ہزار پردے تھے حکم ہوا اندر آؤ جب پہلا

حجاب اٹھا تو مقربان درگاہ کو دیکھا کہ اپنی آنکھیں اوپر اٹھائے ہوئے زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ الٰہی ہم تیرے دیدار کے مشتاق ہیں۔ اسی طرح تمام حجابات طے گئے۔ ہر جگہ نئی شان اور نئے آثار تھے۔ جب حجاب خاص کے قریب پہنچا۔ تو آواز آئی "اے بندے اس کو وہی عبور کر سکتا ہے۔ جو علائق دنیوی سے قطع تعلق کر کے صرف ہم سے لو لگائے۔" میں نے عرض کی کہ میں دنیا کی ہر چیز سے بیگانہ ہو چکا ہوں اور صرف تو ہی میرا مطلوب و مقصود ہے۔ آواز آئی کہ اگر تو نے اور سب کو چھوڑ دیا تو بس ہمارا ہو گیا اس کے بعد میں نے چشم ہوش کھولی تو اپنے آپ کو اس صومعہ میں پایا۔ اے فرید تو بھی اگر وصل حبیب کا خواہاں ہے تو اس راستے میں اور سب سے بیگانہ ہو جا۔

اس کے بعد باباصاحبؒ نے فرمایا کہ اثنائے گفتگو میں شام کی نماز کا وقت ہو گیا۔ میں نے انہی بزرگ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہمارے سامنے غیب سے آش جو کے دو پیالے اور چار روٹیاں نمودار ہوئیں۔ بزرگ موصوفؒ نے مجھ سے کھانے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ جو لطف مجھے اس کھانے میں آیا۔ آج تک ویسا لطف کسی کھانے میں نہیں پایا۔ رات میں نے ان بزرگ کی خدمت میں ہی بسر کی۔ صبح اٹھا تو ان کا کچھ پتہ نہ تھا۔

(۱۲)

ایک مردِ کامل سے ملاقات | حضرت باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد پہنچا۔ تو میں نے وہاں کے لوگوں سے صاحب نعمت بزرگوں کی قیام گاہوں کا پتہ دریافت کرنا شروع کیا۔ تاکہ کسی اہل اللہ کی زیارت نصیب ہو۔ جوئندہ یابندہ۔ مجھے ایک بزرگ کا پتہ چلا جو دریائے دجلہ کے کنارے مقیم تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت وہ نماز میں مشغول تھے۔ ان کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔ اور اس سے عظمت و جلال کا اظہار ہوتا تھا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سلام کیا۔ جواب دے کر پوچھا "کہاں سے آئے ہو؟"

میں نے کہا "اپنے وطن سے آتا ہوں"

فرمایا "اگر بزرگوں سے کسب فیض کرنے کے لئے یہ سفر اختیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بزرگی عطا فرمائے گا۔"

میں نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔ اس کے بعد وہ بزرگ یوں گویا ہوئے۔

"اے فرید مجھے اس جگہ رہتے ہوئے کم و بیش پچاس برس گذر چکے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ کی اولاد سے ہوں۔ جڑی بوٹی میری خوراک ہے۔ کل ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ رات کو مجھ پر جو واردات گذری اگر کہو تو بیان کروں" میں نے عرض کی۔

"بسر و چشم"

فرمانے لگے "بیس سال سے میں رات کو کبھی نہیں سویا۔ لیکن کل رات اتفاق سے مصلے پر میری آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھا کہ ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترے اور میری روح کو عالم بالا میں لے گئے۔ جب پہلے آسمان پر پہنچا تو فرشتوں کی صفیں ایستادہ تھیں اور یہ تسبیح پڑھ رہی تھیں "سُبحَانَ ذِی المُلکِ وَالمَلکُوت"

میں نے پوچھا کب سے اسطرح کھڑے ہیں جواب ملا کہ جس دن سے ان کی تخلیق ہوئی اسی طرح ایستادہ ہو کر یہ تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ بعد ازاں میری روح دوسرے، تیسرے چوتھے عرش سارے افلاک سے گذاری گئی۔ ہر جگہ میں نے قدرت الٰہی کے ایسے عجیب کرشمے دیکھے کہ زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ جب عرش کے نیچے پہنچا تو حکم ہوا کہ بس یہاں رک جاؤ۔ وہاں میں نے اپنے دادا جنید بغدادیؒ کو دیکھا کہ سر جھکائے خاموش کھڑے ہیں۔ اس وقت میرا نام لے کر پکارا گیا میں نے جواب میں لبیک عرض کی۔ آواز آئی "تم عبادت کا حق خوب ادا کیا۔ تمہیں علیین میں جگہ دی جاتی ہے" میں فرط مسرت سے سجدہ میں گر پڑا۔ حکم ہوا "سر اٹھاؤ" میں نے سر اٹھایا اور عرض کیا "کچھ آگے بڑھ سکتا ہوں"۔

آواز آئی "بس اس سے آگے تیری گذر نہیں ہو سکتی۔ جب اپنا کام اس سے زیادہ کرو گے تو اعلیٰ درجہ کے مستحق ہو گے"۔

یہ سن کر میں واپس ہوا جب اپنے دادا خواجہ جنیدؒ کے پاس پہنچا تو انہیں متفکر اور سر فگندہ پایا۔ میں ان کے قدموں پر گر پڑا اور پوچھا کہ اے جدِ من یہ کیا ماجرا ہے انہوں نے فرمایا۔ جب تجھے یہاں لایا گیا تو میں اس فکر میں پڑ گیا کہ کہیں اس سے کوئی کام امرِ الٰہی کے خلاف تو سرزد نہیں ہوا جس کی پاداش میں مجھے شرمندہ کرنے کے لئے اسے یہاں لایا گیا ہے۔ کہ تمہارے پوتے نے تمہارے طریقے کے خلاف عمل کیا ہے"۔

یہ سن کر میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ پس اے فرید جو شخص حق تعالے کا طالب ہوتا ہے حق تعالے بھی اس کا طالب ہوتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ آدمی اپنے فرائض کی ادائگی میں بڑھ چڑھ کر لگا رہے اور مدارج اعلیٰ کے حصول کی کوشش کرتا رہے۔"

باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں کچھ دن ان جلیل القدر بزرگ کی خدمت میں رہا۔ وہ نماز عشاء کے بعد نماز معکوس پڑھتے تھے اور صبح تک نماز معکوس میں رہتے تھے۔

(۱۳)

زیارت حرمین شریف بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ دوران سیاحت حضرت باباصاحبؒ مکہ معظمہ بھی تشریف لے گئے۔ اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اسی طرح مدینہ منورہ روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باباصاحبؒ نے کچھ عرصہ بیت المقدس میں بھی قیام کیا اور وہاں کی جاروب کشی کی۔

"گلزار فریدی" کی ایک روایت کے مطابق باباصاحبؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں رسول اکرمؐ کیطرف سے اشارہ ہوا کہ بغداد جا کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزند سے کچھ تبرکات لے لو۔ چنانچہ باباصاحبؒ بغداد میں پیران پیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ) کے فرزند حضرت سید عبدالوہابؒ کے پاس پہنچے ان کے پاس حضرت شاہ جیلانیؒ کا چھوڑا ہوا ایک صندوق تھا جس میں کچھ تبرکات تھے۔ ان کو الہام ہوا کہ یہ تبرکات بابا فریدؒ کے سپرد کر دو

چنانچہ جب باباصاحبؒ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے بلا تامل یہ تبرکات ان کے حوالے کر دیئے۔ ان تبرکات کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ دو علم جو سرور کائنات نے بعض غزوات میں استعمال کئے تھے۔

۲۔ لکڑی کا ایک پیالہ جس میں نبی اکرمؐ نے کھانا کھایا تھا۔

۳۔ ایک مقراض۔

۴۔ ایک دستار جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ عبدالوہابؒ نے یہ دستار مبارک باباصاحبؒ کے سر پر رکھی اور ان کو قادریہ سلسلہ سے بیعت کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ حضرت باباصاحبؒ چشتیہ سلسلہ کے علاوہ قادریہ سلسلہ میں بھی بیعت لے لیتے تھے۔

چشمۂ شیخ فریدؒ: اگرچہ کسی تذکرہ میں بابا صاحبؒ کا دوران سیاحت بنگال (مشرقی پاکستان) تشریف لے جانے کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن چاٹگام کے قریب ایک چشمہ شیخ فریدؒ کے نام سے منسوب ہے۔ بیشمار لوگ چشمہ سے پانی لے جاتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں میں مشہور ہے کہ اس چشمہ کا پانی بہت سے امراض کے لئے شفا بخش ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جن شیخ فریدؒ سے یہ چشمہ منسوب ہے وہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ ہی تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ اپنی حیات مبارکہ کے کسی دور میں بنگال بھی تشریف لے گئے ہوں۔ بہرصورت کسی مستند روایت کی غیر موجودگی میں ان کی سیاحت بنگال کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا۔

پانچواں باب

خرقۂ ارادت

(۱)

سیاحت سے واپسی سالہا سال کی طویل سیاحت کے دوران جب حضرت بابا صاحبؒ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کر چکے ۔ تو واپس ہندوستان کے لئے چل پڑے ۔ واپسی کے سفر میں بھی کئی بزرگوں کی زیارت کی اور ان سے کسب فیض کیا ۔ آخر طویل اور کٹھن سفر کے بعد ملتان پہنچ گئے ۔ ملتان ان دنوں حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا سہروردیؒ کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ بابا صاحبؒ اور حضرت خواجہؒ میں رشتۂ اخلاص و مودّت تھا۔ دونوں بزرگوں میں ملاقات ہوئی تو حضرت خواجہ زکریاؒ نے پوچھا " فریدکار خود بکجا رسانیدی ؟ یعنی اے فرید تونے اپنا کام کہاں تک پہنچایا (یا بالفاظ دیگر تم نے راہ سلوک میں کتنا فاصلہ طے کر لیا) حضرت بابا صاحبؒ نے جواب دیا " جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں اگر اس سے کہوں تو ہوا میں پرواز کرنے لگے "۔

آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ حضرت خواجہؒ کی کرسی ہوا میں بلند ہونے لگی۔ انہوں نے فوراً اپنا ہاتھ کرسی پر مارا اور اس کی پرواز روک کر فرمایا " اے فرید کار خود بجائے نیکو رسانیدہ " یعنی اے فرید تم نے خوب محنت کی اور اچھی ترقی کر کے واپس آئے ۔ ملتان سے بابا صاحبؒ اپنے گاؤں کھوتوال پہنچے ۔ اور اپنی والدہ محترمہ کی قدمبوسی کی ۔ انہیں اپنے فرزند کو علوم و فضائل کا منتہی دیکھ کر بیحد مسرت ہوئی ۔ چند دن والدہ محترمہ کی خدمت میں گذار کر بابا صاحبؒ عازم دہلی ہو گئے ۔

بابا صاحبؒ آستانۂ بختیارؒ پر | دہلی پہنچ کر بابا صاحبؒ سیدھے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے پیچھے ذکر آچکا ہے کہ بعض روایات کے مطابق بابا صاحبؒ نے خواجہ بختیار کاکیؒ کی بیعت کئی سال پہلے ملتان میں کر لی تھی۔ انہی کے حکم کے مطابق سیاحت پر نکلے تھے۔ لیکن فوائد السالکین (ملفوظات خواجہ بختیار کاکیؒ) کی مجلس اوّل اور راحت القلوب (ملفوظات بابا صاحبؒ) کی مجلس دوم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیاحت کے بعد دہلی میں خواجہ بختیار کاکیؒ کی بیعت کی۔ راحت القلوب کی روایت میں بابا صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں "ملتان سے میں دہلی گیا اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جو عظمت اور نعمت میں نے ان میں دیکھی۔ آج تک کسی میں نہ دیکھی تھی۔ میں ان کا مرید ہوا۔ تیسرے روز آپ نے عطا و کرم کا دروازہ مجھ پر کھول دیا اور فرمایا

"اے فرید خوب ہوا تم اپنا کام پورا کر کے میرے پاس آئے" [۱]

"فوائد السالکین" میں بابا صاحبؒ نے اپنی بیعت کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے "جب اس بندۂ حقیر خادم درویشاں کو دولت قدمبوسی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی حاصل ہوئی تو آپ نے اسی وقت کلاہ چہار ترکی میرے سر پر رکھی۔ اس مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ مولانا علاؤ الدین کرمانیؒ۔ سید نور الدین مبارکؒ۔ شیخ نظام الدین ابو المؤید مولانا شمس الدین ترکؒ۔ شیخ محمود موئنہ دوز اور بہت سے دوسرے درویش موجود تھے۔ اس موقع پر حضرت خواجہ بختیار اوشیؒ نے فرمایا" اے فرید مرشد میں اتنی قوت باطنی ضرور ہونی چاہیئے کہ جو شخص اس سے بیعت کرنے کا طالب ہو اس کے سینے کی آلائش کو اپنے تصرف روحانی سے ایک ہی نگاہ میں دور کر دے اور اس کے بعد اس سے بیعت لے کر واصل الی اللہ کرے۔ اگر مرشد میں اتنی قوت نہیں ہے تو پیر اور مرید دونوں بادیۂ ضلالت میں ہیں (یعنی انہیں اپنی منزل مقصود کا پتہ نہیں ہے)

ہمارے خیال میں سیاحت سے پہلے اور سیاحت کے بعد بیعت کرنے کی روایات کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ بابا صاحبؒ کی سیاحت سے پہلے خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان سے

---

[۱] اصل الفاظ یہ ہیں "نعمتے کہ در وے دیدم آں نعمت در حد وصف در بیان نیاید۔ پس خود را در ربقۂ ایشاں بستم و بشرف بیعت مشرف شدم سوم روز مرتبت بمن ارزانی کرد و ایں سخن ہم فرمود کہ مولانا فرید کار خود تمام کردہ بودی اینگاہ بمن آمدی"

رسمی بیعت لی - اور جب وہ سیاحت کے بعد واپس آئے تو ان کے سر پر کلاہ چہار ترکی رکھی اور انہیں باقاعدہ اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے بابا صاحبؒ سے دوبارہ بیعت لی ہو۔

بابا صاحبؒ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کرنے کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ نے انہیں مزید مجاہدات و ریاضات کا حکم دیا۔ بابا صاحبؒ نے تعمیل ارشاد کی - ان کے مجاہدات و ریاضات کی تفصیل ایک علیحدہ باب میں درج ہے ۔حضرت بابا صاحبؒ ایک مدت تک اپنے مرشد گرامی کی والہانہ خدمت کرتے رہے ۔ مرشد گرامی نے وضو کرنے کی خدمت آپؒ کے سپرد کی تھی -اسے اس ذوق و شوق اور تندہی سے انجام دیا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی آنکھ کا تارا بن گئے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ سے استفادہ کلاہ چہار ترکی زیب سر کرنے کے بعد بابا صاحبؒ اپنے مرشد گرامی کے ارشاد کے مطابق مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنے عزیز مرید کے لئے غزنین دروازہ (دہلی) کے پاس ایک علیحدہ حجرہ مخصوص کر دیا تاکہ کوئی ان کی خلوت اور مجاہدہ میں مخل نہ ہو - بابا صاحبؒ نہایت ذوق شوق سے اس حجرہ میں مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے - کثرت ریاضت اور مجاہدہ سے بابا صاحبؒ کی یہ حالت ہو گئی - کہ ضعف کے باعث کھڑے بھی نہ ہو سکتے تھے

انہی ایام میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتیؒ کا اجمیر سے دہلی میں ورود ہوا حضرت خواجہ اجمیریؒ نے خواجہ بختیار کاکیؒ سے بابا صاحبؒ کی سعادتمندی کا حال سنا تو انہیں دیکھنے کے لئے خواجہ بختیار کاکیؒ کے ہمراہ بابا صاحبؒ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔

بابا صاحبؒ نے ان دو بزرگ ہستیوں کو دیکھا تو عجلت سے تعظیم کے لئے اُٹھے لیکن فرط ضعف سے لڑکھڑا کر گر پڑے ۔ خواجہ غریب نوازؒ نے انہیں دیکھتے ہی خواجہ بختیار کاکیؒ سے فرمایا

"بابا بختیار! شہباز عظیم بقید آوردہ
کہ جز بہ سدرۃ المنتہی آشیاں نگیرد - ایں فرید
شمعیست کہ خانوادۂ درویشاں منور سازد

اس کے بعد فرمایا "بابا بختیار کب تک اس نوجوان کو مجاہدہ کی آگ میں جلاؤ گے۔

اسے کچھ عنایت کرو۔"

خواجہ بختیارؒ نے عرض کیا "میں تو آپؒ کا مرید ہوں آپؒ کی موجودگی میں میری کیا مجال کہ اسے کچھ دوں۔"

یہ سن کر خواجہ غریب نوازؒ نے بابا صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے اور خواجہ بختیارؒ کے درمیان کھڑا کیا۔ اور دونوں بزرگوں نے اپنے فیض باطنی سے انہیں مالا مال کر دیا۔ پھر خواجہ غریب نوازؒ نے بارگاہِ الٰہی میں بابا صاحبؒ کے لئے دعا کی۔ غیب سے آواز آئی "فریدا برگزیدیم" چنانچہ خواجہ غریب نوازؒ نے بابا صاحبؒ کو خلعت عطا فرمایا۔ اور وہاں سے تشریف لے گئے [1]

حضرت بابا صاحبؒ کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے آپ کے متعلق جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے وہ حرف بحرف پورے ہوئے اور اس شمع ہدایت نے کفرستان ہند کو اپنی ضیاء باریوں سے نہ صرف دور دور تک منور کر دیا بلکہ سلسلۂ چشت کو بھی انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔

(۴)

باباصاحبؒ مسندِ خلافت پر بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ جس موقع پر حضرت خواجۂ اجمیریؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کو خلعت عطا فرمایا۔ اسی موقع پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بھی اپنی خلافت کی دستار بابا صاحبؒ کے سر پر باندھی۔ لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بابا صاحبؒ کو منصبِ خلافت سے سرفراز فرمایا اور سند خلافت لکھ کر ان کے حوالے کی۔

مسند خلافت پر بیٹھنے سے پہلے بابا صاحبؒ نے ایک عرصہ تک اپنے مرشدِ گرامیؒ کی والہانہ خدمت کی۔ اور ان کے زیرِ نگرانی راہِ سلوک کی منزلیں طے کیں جونہی وہ درجۂ کمال کو پہنچے مرشدِ گرامی نے سندِ خلافت عطا کر دی۔ اور حکم دیا کہ فی الحال ہانسی جاکر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرو۔ تم میری موت کے وقت تو میرے پاس نہ ہو گے۔ البتہ میری موت کے دو تین روز کے بعد میری فاتحہ خوانی کے لئے دہلی پہنچو گے۔

---

[1] میر سید محمد کرمانیؒ نے سیرالاولیاء میں کیا خوب لکھا ہے۔

بخشش کونین از شیخین شد در باب تو ۔ بادشاہی یافتی زیں بادشاہان جہان
مملکت دنیا و دیں گشتہ مسلّم مر ترا ۔ عالم کن گشت اقطاع توائے شاہ جہاں

ارشادِ مرشد کے مطابق بابا صاحبؒ ہانسی پہنچے اور ہمہ وقت اپنے آپ کو تبلیغ اسلام اور مخلوق خدا کی فیض رسانی کے لئے موقف کر دیا۔ آپ کو ہانسی پہنچے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال ہو گیا ہے۔ مرشدؒ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ حواس باختہ ہو گئے اور خواب سے بیدار ہو کر اسی وقت ہانسی سے دہلی کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

(۵)

خرقہ وسجادہ کا حصول حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے وصال سے پہلے اپنا خرقہ۔ عصا نعلین۔ مصلےٰ اور دیگر تبرکات اپنے جگری دوست حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے سپرد کئے اور وصیت کی کہ میرا جانشین فریدالدین مسعود ہوگا اور یہ سب تبرکات میرے بعد اسی کو دیئے جائیں۔ بابا صاحب مرشد کے وصال کے تیسرے دن ہانسی سے دہلی پہنچے اور اُن کے مزار پر جا کر فاتحہ خوانی کی۔

اس کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ کے سب خلفا اور ارباب صحبت جو دہلی میں موجود تھے ایک مجلس میں جمع ہوئے اور سب نے حضرت بابا صاحبؒ کو خواجہ بختیار کاکیؒ کا جانشین تسلیم کیا۔ اسی مجلس میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا خرقہ عصا مصلےٰ اور دوسرے تبرکات ان کی وصیت کے مطابق بابا صاحبؒ کے سپرد کئے۔ گویا اس دن سے ہندوستان میں سلسلہ چشت کی سیادت و رہنمائی کا بارِ عظیم حضرت بابا صاحبؒ کے دوش مبارک پر آپڑا۔ اکثر تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا سال وصال ۶۳۳ھ ہے اس حساب سے بابا صاحبؒ نے ۶۳۳ھ میں ہندوستان میں سلسلہ چشت کی قیادت سنبھالی۔

(۶)

شجرۂ طریقت حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا شجرۂ طریقت اس طرح ہے۔

۱۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ (۲) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

۳۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ

۴۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ (۵) حضرت خواجہ شریف زندانیؒ

۶۔ حضرت خواجہ محمد مودود چشتیؒ (۷) حضرت خواجہ ابویوسف ناصر الدین چشتیؒ

۸۔ حضرت خواجہ محمد چشتیؒ ۔(۹) خواجہ ابو احمد چشتی
۱ حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی حسنیؒ (بانی سلسلہ چشتیہ)
۱۱۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ (۱۲) حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؒ
۱۳۔ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ
۱۴۔ حضرت خواجہ ابراہیم ادہم بلخیؒ (۱۵) حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ
۱۶۔ حضرت شیخ ابو الفضل عبد الواحد بن زیدؒ (۱۷) حضرت خواجہ حسن بصریؒ
۱۷۔ امیر المومنین شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

(۷)

ہانسی میں قیام خرقہ و سجادہ کے حصول کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے دہلی میں اپنے مرشد گرامیؒ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ دن رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے اور صرف نماز جمعہ کے لئے اپنے حجرہ سے باہر تشریف لاتے۔ ایک جمعہ کو حجرہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویشؒ[1] باہر کھڑا ہے۔ اس نے بابا صاحب کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی "اے شیخ اہل ہانسی آپ کی جدائی میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں ازراہِ کرم ہانسی کو پھر اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایئے"۔

حضرت بابا صاحبؒ نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو ہانسی جانے کے لئے اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ لوگوں میں اضطراب برپا ہو گیا۔ اور انہوں نے آپؒ سے دہلی ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی۔ لیکن بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ دہلی کی نسبت ہانسی کو میری زیادہ ضرورت ہے۔ اس لئے میرا وہاں جانا ضروری ہے۔ لوگ خاموش ہو گئے اور بابا صاحبؒ ہانسی تشریف لے گئے۔ ہانسی میں آپ ایک مدت تک قیام پذیر رہے اور وہاں کے لوگوں نے اس بحرِ کرم سے خوب خوب فیض اٹھایا۔ وہاں شیخ جمال الدین ہانسویؒ عرصہ سے مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے۔ بابا صاحبؒ نے اپنی باطنی توجہ سے انہیں درجۂ کمال تک پہنچا دیا اور جب ہجوم خلائق حد درجہ بڑھا تو شیخ جمال الدین ہانسویؒ

---

[1] بعض تذکروں میں اس درویش کا نام "سرہنگا" لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہانسی میں ہر وقت حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں رہتا تھا۔

کو اپنی سند خلافت دے کر انہیں ہانسی میں ٹھہرنے کی ہدایت فرمائی اور خود اجودھن (پاک پٹن) کی طرف چل دیئے۔ کفر و طغیان میں ڈوبی ہوئی مجنگی اقوام کا مسکن یہ علاقہ مدت سے بارانِ رحمت کا منتظر تھا۔

چھٹا باب

مستقل اقامت گاہ

(۱)

اجودھن[1] میں ورود مسعود | ہانسی سے حضرت باباصاحبؒ اپنے آبائی گاؤں کھوتوال پہنچے اور کچھ دن اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں رہے۔ جب لوگوں میں آپ کے کمالات کی شہرت پھیلی تو مخلوق خدا ہر طرف سے آپؒ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑی چونکہ آپ طبعاً عزلت پسند تھے۔ ہجوم خلائق سے بیزار ہو گئے اور ایک دن کھوتوال سے کبھی چل دیئے پھرتے پھراتے ایک غیر معروف قصبہ اجودھن میں پہنچے۔ اجودھن ان دنوں جنگلوں سے گھرا ہوا تھا اور حشرات الارض کا دلپسند مسکن تھا اس قصبہ کے اطراف میں دور دور تک کفار اور مشرکین کی بستیاں تھیں۔ حضرت باباصاحبؒ نے اپنے قیام کے لئے اسی جگہ کو پسند فرمایا کیونکہ یہاں نہ صرف خلوت اور سکون میسر تھا بلکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے

---

[1] اجودھن کا موجودہ نام پاک پٹن یا پاک پتن ہے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی جائے سکونت اور ابدی آرام گاہ ہونے کی وجہ سے پاکستان و ہندوستان کا شاید ہی کوئی باشندہ ہو جو اس قصبے کا نام نہ جانتا ہو۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اجودھن کو پاک پٹن کا نام شہنشاہ جلال الدین اکبر نے دیا کیونکہ اسے حضرت باباصاحبؒ کے مزار سے بیحد عقیدت تھی۔

وقائع فسہیل الدینؒ میں ہے کہ جب حضرت باباصاحبؒ اجودھن میں قیام پذیر ہوئے
(باقی اگلے صفحے کے حاشیہ پر دیکھیں)

بھی یہ ایک موزوں مرکز تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن خواب (یا مراقبہ) کی حالت میں آپ کو اپنے مرشد گرامی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ملے اور انہوں نے ہدایت کی کہ اس قصبہ میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لو اور مخلوق خدا کو راہِ حق کی طرف بلاؤ کیونکہ اس علاقہ میں ہر طرف کفر و شرک کی بجلیاں کوندرہی ہیں) ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک روز آپ اجودھن میں عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ غیب سے آواز آئی "اے فرید تم گمراہوں کو راہ ہدایت دکھانے پر معمور کیئے گئے ہو۔ پریشان مت ہو اور اسی جگہ رہ کر تبلیغ حق کا فرض انجام دو۔ اللہ کے بندوں کو راہ حق میں ہر قسم کی مصیبتیں اور لوگوں کی جفا کاریاں خندہ پیشانی سے برداشت کرنی چاہئیں"

غرض اجودھن سے باہر مغرب کی سمت ایک کریر کے درخت کے نیچے باباصاحب نے ڈیرہ ڈال دیا اور یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

(۲)

لکھو حجام کی سعادتمندی

کہتے ہیں کہ جب حضرت باباصاحبؒ کا نزول اجلال اجودھن میں ہوا تو آپ کی عجیب حالت تھی۔ لباس اور سر و ریش مبارک کے بال گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ جس درخت کے نیچے آپ نے ڈیرہ لگایا۔ وہاں قریب ہی کنواں تھا۔ آپ وضو کے لئے اس کنویں پر پہنچے لیکن وہاں ڈول اور رسی نہ تھی۔

(پچھلے صفحہ کے حاشیہ سے) اور لوگوں میں آپ کے زہد و اتقا کی شہرت پھیلی تو دور و نزدیک سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے اجودھن آنے لگے۔ ہر زائر کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے "چلو پاک لوک کے پتن" اسی وجہ سے اجودھن کا نام پاک پتن مشہور ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اجودھن کے قریب ایک نالہ (یا دریا) بہتا تھا۔ حضرت باباصاحبؒ اکثر اس نالے کے کنارے ایک پاک جگہ پر بیٹھ یا غسل کیا کرتے تھے۔ اس لئے اجودھن کے سب لوگ اس جگہ کو پاک لوک کا پتن کہتے تھے اور اس جگہ کا ادب کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس شہر کا نام بھی پاک پتن مشہور ہو گیا۔

لہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ اجودھن ایک نہایت قدیم تاریخی قصبہ تھا۔ آج کل بھی اس کے کھنڈرات میں مختلف تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں۔

کنوئیں سے پانی نکالنے کی ترکیب سوچ ہی رہے تھے کہ اجودھن کا ایک حجام لکھو نامی ڈول اور رسی لے کر کنوئیں سے پانی لینے آیا۔ اس حجام کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم عطا فرمائی تھی۔ بابا صاحبؒ کو دیکھ کر آپ کی درویشانہ وضع قطع سے اس کی طبیعت بیحد متاثر ہوئی۔ اس نے بابا صاحبؒ کو نہایت ادب سے سلام کیا اور پھر نہایت محبت سے آپ کے بال تراشے۔ اور اس کے بعد آپ کو وضو کرایا۔ بابا صاحبؒ لکھو کی اس پرخلوص خدمت سے بیحد خوش ہوئے۔ اور ہمیشہ اس پر اپنی نظرِ عنایت رکھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لکھو کو ایک تحریر عطا کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ لکھو حجام اس فقیر کو بہت عزیز ہے جو شخص ہم سے رشتۂ اخلاص رکھتا ہے اس کو لازم ہے کہ حجامت ختنہ والیسی دیگر رسومات لکھو سے ادا کرائیں بلکہ اپنی اولاد کو بھی تاکید کریں کہ وہ ایسے معاملات میں لکھو کی اولاد کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دیں۔

(۳)

شیخ جلال الدین تبریزیؒ[1] سے ملاقات

حضرت بابا صاحبؒ کے قیامِ اجودھن کے ابتدائی دور میں ایک دن سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ شیخ جلال تبریزیؒ پھرتے پھراتے اجودھن تشریف لائے (ایک روایت میں ہے کہ بابا صاحبؒ ان دنوں کھوتوال میں مقیم تھے) شہر میں آکر انہوں نے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش بھی ہے۔ لوگوں نے بابا صاحبؒ کا پتہ دیا۔ شیخ صاحبؒ بابا صاحبؒ سے ملاقات کے لئے پہنچے آپ اس وقت عبادت میں مشغول تھے۔ شیخ صاحبؒ تشریف لائے تو نورِ باطن سے ان کا مرتبہ پہچان گئے اور ان کی بیحد عزت و توقیر کی۔

---

[1] شیخ جلال الدین تبریزیؒ۔ اولیائے سہروردیہ میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ آپ ایرانی النسل تھے اور بعض روایات کے مطابق شروع میں کسی علاقے کے فرمانروا تھے۔ عشقِ الٰہی کا غلبہ ہوا تو کاروبارِ حکومت اپنے فرزند کے سپرد کر کے درویشی کی زندگی اختیار کر لی۔ پہلے شیخ ابو سعید تبریزیؒ کے مرید ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ سالہا سال تک مرشد گرامی کی والہانہ خدمت کی۔ پہلے حکم ملا کہ چار سال تک درویشوں کے لئے وضو کا پانی اور استنجے کے ڈھیلے مہیا کیا کرو۔ آپ نے اس خدمت کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ مرشد کو ان کی استقامت اور سعادتمندی

(باقی اگلے صفحہ کے حاشیہ پر دیکھیں)

شیخ صاحبؒ کے ہاتھ میں ایک انار تھا۔ انہوں نے باباصاحبؒ کو پیش کیا۔ اتفاق سے آپ اس وقت روزہ سے تھے۔ انار کو تبرک سمجھ کر قبول کر لیا لیکن خود نہ کھایا۔ اور توڑ کر حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیا۔ پھر شیخ صاحبؒ سے راز و نیاز کی گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت باباصاحبؒ جو جامہ پہنے ہوئے تھے وہ اتنا بوسیدہ ہو گیا تھا کہ اس میں مزید پیوند لگانا بھی ممکن نہ تھا۔ دوران گفتگو شیخ جلال الدینؒ نے باباصاحبؒ کی تسلی کے لیئے ایک قصہ سنایا کہ بخارا میں ایک درویش تھا

(پچھلے صفحہ کے حاشیہ سے) سے بہت خوشی ہوئی۔ اور ان کو فیض باطنی سے مالا مال کر دیا۔ اس کے بعد شیخ جلال الدینؒ سفر و حضر میں مرشد کے ساتھ رہتے تھے اور ہر وقت ان کی خدمت کے لیے کمربستہ رہتے تھے۔ مرشد ضعیف العمری کی وجہ سے گرم کھانا کھا سکتے تھے۔ شیخ صاحب سفر میں ہر وقت سر پر انگیٹھی اور ہنڈیا اٹھائے پھرتے تھے مرشد جس وقت کھانا طلب کرتے تھے انہیں گرم گرم کھانا پیش کرتے تھے۔ اپنی والہانہ خدمت اور ذوق و شوق کی بدولت مرشد کے محبوب نظر بن گئے اور سات برس کے بعد ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مرشد کی خدمت میں ہی شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ سے ملاقات ہوئی۔ اور دونوں میں گہرا رشتۂ اخلاص قائم ہو گیا۔ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے ساتھ ہی آپ ہندوستان تشریف لائے کچھ دن ملتان ٹھہرے اور پھر دہلی تشریف لائے یہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے خوب صحبتیں رہیں۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمش کا دور حکومت تھا سلطان نے بھی آپ سے بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو آپ کی عزت افزائی ناگوار گذری اور وہ آپ کے مخالف ہو گئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آپ کو ایک ایسے مکان میں ٹھہرایا جو جنات کا مسکن تھا لیکن آپ کی برکت سے سب جنات اس مکان سے بھاگ گئے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے ایک مجلس میں آپ پر زنا کا الزام لگایا۔ لیکن یہ الزام جھوٹا ثابت ہوا اور سلطان نے نجم الدین صغریٰ کو معزول کر کے ان کی جگہ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا اس کے بعد شیخ جلال الدین تبریزیؒ بدایوں تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک وہاں قیام کر کے اصلاح خلق کے کام میں مصروف رہے بدایوں میں آپ نے مولانا علاؤالدین اصولیؒ۔ مولانا برہان الدینؒ اور شیخ علی بزرگؒ تین نہایت ذی مرتبہ خلفاء چھوڑے موخرالذکر کے متعلق خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے فوائدالفواد میں یہ عجیب واقعہ منقول ہے "ایک دن شیخ جلال الدین تبریزیؒ بدایوں میں اپنے مکان کی چوکھٹ پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص سر پہ مٹکا رکھے دہی بیچتا ہوا سامنے سے گذرا وہ شخص چوروں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ نے اس پہ ایک بھرپور نظر ڈالی اور فرمایا "سبحان اللہ دنیا میں ایسے بھی مرد ہوتے ہیں" ادھر آپ کی زبان سے

(باقی اگلے صفحہ کے حاشیہ پہ دیکھیں)

اس غریب کو سات برس تک اتنی استطاعت بھی نہ ہوئی کہ اپنے لئے ایک پاجامہ ہی بنوالے اسی عرصہ میں اپنے پیراہن سے ہی ستر ڈھانکتا رہا۔" حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ دراصل شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا اپنا ہی تھا۔ لیکن انہوں نے اس کا اظہار مناسب نہ سمجھا۔ جب شیخ صاحبؒ باباصاحبؒ سے رخصت ہوگئے تو باباصاحبؒ نے دیکھا

(پچھلے صفحہ کے حاشیہ سے) یہ الفاظ نکلے ادھر اس شخص کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اسی وقت آپ کے قدموں پر گر پڑا اور دولت اسلام سے مالامال ہوا۔ آپ نے اس کا اسلامی نام "علی" رکھا۔ شیخ کی خدمت میں رہ کر علی مرتبہ ولایت کو پہنچے اور شیخ علی ریزہ گ کے نام سے مشہور ہوئے۔ بدایوں سے شیخ تبریزیؒ اودھ اور بہار کے راستے بنگال پہنچے اور لکھنوتی کے قریب پنڈوہ کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کی اور وسیع لنگر خانہ جاری کیا۔ ہزارہا کفار آپ کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بے شمار فساق و فجار نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی حضرت خواجہ گیسو درازؒ سے روایت ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ پر جادو یا جن کا مطلق اثر نہ ہوتا تھا۔ جب وہ بدایوں سے پنڈوہ کے قریب ایک شہر دیو محل پہنچے تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہاں کے بت خانہ میں روزانہ ایک دیو آتا تھا۔ جس کی خوراک کے لئے ہر روز وہاں کا راجہ شہر کے ایک نوجوان کو بھیجتا تھا۔ شیخؒ کا قیام ایک بڑھیا مالن کے ہاں تھا۔ ایک دن قربانی کے لئے اس کے بیٹے کی باری آگئی اور وہ رونے پیٹنے لگی۔ شیخؒ نے اسے تسلی دی اور خود اس کے بیٹے کے ہمراہ مقررہ وقت پر بت خانہ میں پہنچے۔ جب حسب معمول دیو نمودار ہوا تو شیخؒ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اپنے عصا کی ایک ہی ضرب سے اسے ہلاک کر دیا۔ صبح کو راجہ اپنے ملازموں کے ساتھ بت خانہ میں آیا تو ایک سیاہ پوش کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ میں نے اللہ کے فضل سے تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے یہ سیاہ پوش شیخ جلال الدین تبریزیؒ تھے۔ چنانچہ راجہ اور وہاں کے دوسرے باشندوں نے اسی وقت آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

عام روایات کے مطابق شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ۶۴۲ھ میں وفات پائی۔ آخری عمر میں آپ عزلت گزین ہو گئے تھے۔ مزار مبارک گوہاٹی (آسام) سے چند میل دور ایک پہاڑی پر ہے۔ پنڈوہ (ضلع مالدہ مغربی بنگال) میں آپ کا چلہ خانہ زیارت گاہ خلائق ہے۔ یہاں پر ہر سال ۲۱-۲۲ رجب کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ بے شمار کرامات و خوارق عادات آپ سے منسوب ہیں یہاں ایک عجیب روایت کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ میں نے ۷۴۶ھ میں کامروپ کے پہاڑوں میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی زیارت کی۔ شیخؒ کی عمر ایک سو پچاس برس کے لگ بھگ ہے قد دراز ہے رخسار لگے ہوئے ہیں۔ اور چالیس برس سے دس دس دن کے طویل روزے رکھتے ہیں۔ صرف اپنی گائے کے دودھ پر گذر کرتے ہیں اور نذرو نیاز فقرا اور مساکین کو تقسیم (باقی اگلے صفحہ کے حاشیہ پر دیکھئے)

کہ فرش پر انار کا ایک دانہ گرا پڑا ہے۔ آپ نے اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور شام کو اسی سے روزہ افطار کیا۔ اس کے حلق سے اترتے ہی آپ کے مدارج روحانی میں ہزار گنا ترقی ہو گئی۔ دل میں خیال گذرا کہ کاش میں نے سارا انار کھا لیا ہوتا۔ رات کو مراقبہ میں مرشد گرامیؒ ملے اور فرمایا "اس انار میں وہی ایک دانہ برکاتِ ربانی سے لبریز تھا"۔ راحت القلوب میں حضرت باباصاحبؒ سے ایک بیان منسوب ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ایک روز ہم اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ ایک جگہ بیٹھے تھے۔ ذکر ہوا کہ علم کی مثال ایسی ہے جیسے شیشے کی قندیل میں ایک شمع فروزاں جس سے کل عالم ناسوت و ملکوت روشن ہوں۔

معلوم نہیں دونوں بزرگوں میں یہ گفتگو اس موقع پر ہوئی یا کسی اور موقع پر۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہے کہ حضرت باباصاحبؒ کو شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا فیض ضرور پہنچا۔

والدہ محترمہ کی شہادت اجودھن میں قیام کے بعد حضرت باباصاحبؒ کو ایک المناک سانحہ پیش آیا۔ یہ سانحہ عالم غربت میں حضرت باباصاحبؒ کی والدہ محترمہ کی شہادت تھی چونکہ باباصاحبؒ مستقل طور پر اجودھن میں قیام پذیر تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ والدہ محترمہ کو بھی کھتووال سے اجودھن اپنے پاس لے آئیں۔ چنانچہ اپنے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کو اجودھن سے کھتووال بھیجا کہ وہاں سے والدہ ماجدہ کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ شیخ نجیب الدین کھتووال پہنچے اور والدہ محترمہ کو اجودھن چلنے کے لئے رضامند کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے ضعیف العمر والدہ کو ایک گھوڑی پر بٹھایا اور خود ان کے ساتھ پاپیادہ اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔

کھتووال اور اجودھن کے رستے میں ایک مہیب جنگل تھا جس میں شیر چیتے اور دوسرے خونخوار جانور بکثرت تھے جب شیخ نجیب الدینؒ اس جنگل کو عبور کر رہے تھے۔ والدہ محترمہ کو سخت پیاس لگی۔ شیخؒ نے انہیں درخت کے نیچے بٹھایا۔ اور خود پانی کی تلاش میں نکلے۔ بہت دیر کے بعد پانی لے کر آئے تو اس درخت کے نیچے کچھ بھی نہ تھا۔

(پچھلے صفحہ کے حاشیہ سے) کو دیتے ہیں۔ اس علاقہ کے اکثر باشندوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے"۔ اگر ابن بطوطہ کا بیان صحیح ہے اور اس نے فی الواقع شیخ جلال الدین تبریزیؒ سے ملاقات کی تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ نے بڑی طویل عمر پائی۔ اس علاقہ میں ایک اور مشہور بزرگ شیخ جلال الدین سلہٹی گذرے ہیں لیکن وہ بھی ۶۴۲ھ میں وفات پا گئے تھے جبکہ ابن بطوطہ ۷۳۴ھ میں کامروپ کے علاقہ میں پہنچا۔

دیوانہ وار والدہ مخدومہ کو آوازیں دیں۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پریشان ہو کر ان کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگے۔ لیکن والدہ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر مایوس ہو کر تلاش ترک کر کے نہایت مغموم و محزون بابا صاحبؒ کی خدمت میں اجودھن پہنچے۔ اور سارا واقعہ آپ کے گوش گذار کیا۔ آپ نے چند آدمی شیخ نجیب الدینؒ کے ساتھ والدہ ماجدہ کی تلاش کے لئے جنگل میں بھیجے لیکن وہ بھی مایوس واپس آئے۔ بابا صاحبؒ رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے اور فرمایا۔ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور فقراء کو صدقہ دو۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے روایت ہے کہ اس سانحہ کے بعد شیخ نجیب الدین متوکلؒ پھر اس جنگل میں گئے تو آپ کو ایک جگہ کچھ انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملیں۔ یہ جگہ اس درخت کے نواح میں تھی جس کے نیچے وہ والدہ مخدومہ کو بٹھا گئے تھے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ کسی درندے نے والدہ محترمہ کو شہید کر ڈالا اور یہ ہڈیاں انہیں کی ہیں۔ چنانچہ یہ ہڈیاں جمع کر کے اپنے خریطہ میں ڈال لیں اور بابا صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ کر ان ہڈیوں کے ملنے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ہڈیاں میرے مصلے پر ڈال دو۔ شیخ نجیب الدین نے خریطہ کھولا تو اس میں سے کوئی ہڈی برآمد نہ ہوئی حالانکہ اس سارے عرصہ میں انھوں نے خریطے کو اپنے پاس بحفاظت تمام رکھا تھا۔ سب نے اس کو اللہ تعالیٰ کا بھید سمجھا اور شیوۂ صبر و تسلیم اختیار کیا۔

ایک صاحب استدراج جوگی کا قبول اسلام

"راحت القلوب" میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت بابا صاحبؒ اپنی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ کہ ایک ریاضت کش ہندو جوگی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بہت سی ساحرانہ قوتوں کا مالک تھا۔ اور بڑے دعوے باندھ کر آیا تھا۔ لیکن بابا صاحبؒ کا سامنا ہوتے ہی اتنا دہشت زدہ ہوا کہ سجدے میں گر گیا۔ اور اس کا سر پرغرور زمین سے پیوست ہو گیا۔ بابا صاحبؒ نے ہرچند فرمایا کہ اپنا سر زمین سے اٹھا لیکن نہ وہ اپنا سر زمین سے اٹھا سکتا تھا اور نہ منہ سے کچھ بولتا تھا۔ آخر بابا صاحبؒ نے زور دے کر فرمایا۔ اپنا سر زمین سے اٹھاؤ۔ اب اس نے اپنا سر اٹھایا اور نحیف سی آواز میں جواب دیا کہ آپ کی ہیبت مجھ پر اس قدر غالب ہو گئی ہے کہ میرے منہ سے بات نہیں نکلتی۔ حضرتؒ نے فرمایا یہ جوگی بڑے بڑے دعوے باندھ کر میرے پاس آیا تھا۔ لیکن خدا غرور کا

سر نیچا کرتا ہے میں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اس کا سر زمین سے مل جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا
جو تم نے دیکھ لیا ہے۔ اگر اپنے زعم و تکبر پر پشیمان نہ ہوتا تو قیامت تک اسی طرح پڑا رہتا۔
اس کے بعد آپ نے جوگی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”تمہاری استدراجی قوت کہاں
تک پہنچی ہے؟“ اس نے جواب دیا ”میں ہوا میں پرواز کر سکتا ہوں“۔ یہ کہہ کر اس نے
ایک جست بھری اور ہوا میں اڑنے لگا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی جوتیوں کو اشارہ کیا۔ وہ
بھی اسی وقت جوگی سے بھی بلند جا پہنچیں اور پھر مسلسل اس کے سر پر پڑنے لگیں۔ جوگی بحال
پریشان فوراً نیچے اترا اور بابا صاحبؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ حضرتؒ نے اسے مشرف
با سلام کیا اور اپنے فیض باطنی سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مرتبۂ ولایت پر فائز کر دیا

سیر الساکین اور بعض دوسرے تذکروں میں اس جوگی کا واقعہ مختلف طریقے سے بیان
کیا گیا ہے۔ ان تذکروں کی روایات کے مطابق یہ جوگی جس کا نام شمبھو ناتھ تھا۔ اجودھن
اور اس کے نواحی علاقوں میں بڑے اثر و اقتدار کا مالک تھا۔ ہزاروں لوگ اس کے معتقد
تھے اور سینکڑوں چیلے ہر وقت اس کی خدمت میں رہتے تھے اس جوگی کو شعبدہ بازی
اور جادوگری میں کمال حاصل تھا۔ جب بابا صاحبؒ نے اجودھن کو مرکز تبلیغ بنایا تو آہستہ
آہستہ اس جوگی کا حلقۂ باطل ٹوٹنے لگا۔ اس پر وہ بڑا غضبناک ہوا پہلے تو اس نے چند چیلے
بابا صاحبؒ کو مسخر کرنے کے لئے بھیجے۔ لیکن جب وہ سب بابا صاحبؒ کی قوتِ روحانی
سے مغلوب ہو گئے۔ تو جوگی خود حضرتؒ سے قوت آزمائی کے لئے روانہ ہوا۔ جب آستانۂ
فریدی کے قریب پہنچا۔ تو دل میں خیال گذرا کہ اگر یہ درویش کامل ہو گا تو اس کے سامنے
پہنچتے ہی میرے کانوں کے مندرے خود بخود زمین پر گر پڑیں گے۔ ادھر بابا صاحبؒ کو
کشفی طور پر جوگی کی دلی حالت کا علم ہو گیا۔ جونہی وہ آپ کے سامنے پہنچا اس کے کانوں
کے مندرے زمین پر آ رہے۔ پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان مندروں سے درخت اگ
آئیں تو بات ہے۔ خدا کی قدرت ان مندروں سے اسی وقت دو پودے اگ آئے۔
اب بھی یہ جوگی بابا صاحبؒ کا قائل نہ ہوا۔ اور کہنے لگا۔ میں یہاں سے غائب ہوتا ہوں
مجھے ڈھونڈ لیں تو آپ کے کمال کا معترف ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر ایک چادر اوڑھ کر زمین
پر بیٹھ گیا۔ اور اس کی روح خلا کی وسعتوں میں پرواز کرنے لگی۔ ایک خاص مقام پر
پہنچی۔ تو بابا صاحبؒ کی قوت روحانی نے اسے روک لیا۔ اور جوگی کی تمام ساحرانہ

قوتیں آگے بڑھنے میں ناکام ہوگئیں۔ آخر اس نے ہار مان لی۔ اور اپنی اصلی حالت میں لوٹ کر باباصاحبؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہوکر حضرتؒ کی خدمت میں رہنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سینکڑوں چیلے بھی مشرف باسلام ہوگئے اس واقعہ کا اجودھن اور اس کے نواحی علاقوں کی فضا پر بھی بڑا خوشگوار اثر پڑا اور ہزاروں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

(۶)

باباصاحبؒ کی مخالفت جب باباصاحبؒ کی شبانہ روز مساعی سے اجودھن کے در و دیوار قال اللہ وقال الرسولؐ کی صداؤں سے گونجنے لگے۔ اور ہر طرف مسلمانوں کی چہل پہل ہوگئی۔ تو بعض کوتہ اندیش محض حسد و بغض کی بنا پر باباصاحبؒ کی مخالفت کرنے لگے۔ ان میں پیش پیش اجودھن کی مرکزی مسجد کا پیش امام اور قاضی تھا۔ پہلے تو اس نے حکومت کے کارندوں کو باباصاحبؒ اور آپ کے فرزندوں کو ستانے پر اکسایا اور پھر باباصاحبؒ کے ذوق سماع پر طرح طرح کے اعتراض کرنے لگا۔ باباصاحبؒ کی وسیع القلبی کا یہ عالم تھا کہ وہ ان لوگوں کی حرکات کو مطلق خاطر میں نہ لاتے تھے اور نہ اپنا دل میلا کرتے تھے۔ آپ کی شان بے اعتنائی سے قاضی کا غصہ اور بھڑک اٹھا۔ اور اس نے سماع کے جواز اور عدم جواز کے مسئلہ کی آڑ لے کر آپ کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ چنانچہ اس نے ملتان کے علماء سے آپ کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اپنے ایک خط میں سربرآوردہ علمائے ملتان سے قاضی نے استفسار کیا۔ کہ ایک کہ ایک شخص جو اہل علم میں سے ہے۔ راگ سنتا ہے اور وجد و رقص کرتا ہے۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

علمائے ملتان نے قاضی کو تحریر کیا کہ اس شخص کا نام لکھو۔ قاضی نے باباصاحبؒ کا نام لکھ بھیجا۔ علمائے ملتان نے حضرتؒ کے خلاف فتویٰ جاری کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اور قاضی کو لکھا کہ تو نے ایک ایسے درویش کا نام لکھا ہے جو تمام علوم شریعت کا منتہی ہے۔ ہماری کیا مجال کہ اس کے قول و فعل پر اعتراض کریں۔ قاضی نہایت شرمندہ ہوا۔ لیکن اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک آوارہ گرد ملاجی قلندر کو آپ کے قتل پر مامور کیا۔ یہ شخص کپڑوں کے نیچے اپنی کمر میں ایک تیز چھری لگا کر آپ کے

آستانہ پر پہنچا - اس وقت آپ عبادت میں مشغول تھے - اور سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ صرف سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ آپؒ کے پاس موجود تھے۔ حالتِ سجدہ ہی میں بابا صاحبؒ نے فرمایا۔ "یہاں کوئی موجود ہے" سلطان المشائخ نے جواب دیا۔ "آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے۔"

بابا صاحبؒ نے فرمایا یہاں ایک قلندر بھی کھڑا ہے جو کانوں میں سفید رنگ کے مُندرے پہنے ہوئے ہے" سلطان المشائخ نے اثبات میں جواب دیا۔

اب بابا صاحبؒ نے تیز آواز میں فرمایا "اس شخص کی کمر میں چھری بندھی ہوئی ہے اور یہ میرے قتل کے ارادے سے آیا ہے اس سے کہہ دو کہ اپنی عاقبت خراب نہ کرے اور یہاں سے چلا جائے۔

اس سوال و جواب سے قلندر پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ دم دبا کر بھاگ اٹھا۔ اور قاضی سے جاکر کہا کہ بابا فریدؒ کو قتل کرنا میرے بس کی بات نہیں - اس کے بعد قاضی صاحبؒ کے ایماء پر ایک پٹواری نے بابا صاحبؒ کے فرزندوں کو ستانا شروع کر دیا - جب اس کی ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی - تو صاحب زادوں نے آپ کے پاس فریاد کی - اس دن اتفاق سے آپ حالت جلال میں تھے - فرزندوں کی داستان مظلومی سن کر اپنا عصائے مبارک اٹھا کر زور سے زمین پر پٹک دیا - اسی وقت ظالم پٹواری کے پیٹ میں شدید درد اٹھا - بابا صاحبؒ کے فرزندوں پر اپنی زیادتیاں یاد آگئیں - اور لوگوں سے کہا کہ مجھے بابا صاحبؒ کی خدمت میں لے چلو - اسے حضرتؒ کی خدمت میں لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں فرشتۂ اجل نے آ دبوچا - اور وہ ناکام و نامراد دنیا سے رخصت ہوا - غرض اس طرح اللہ تعالےٰ نے ایک ایک کرکے آپ کے خلاف قاضی کی تمام سازشیں ناکام بنا دیں - اور آپ کے تمام دشمن اور حاسد خائب و خاسر ہو کر بیٹھ گئے۔

دو گستاخ قلندر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ اپنے مرشد سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے روایت کرتے ہیں - کہ ایک دفعہ ایک گدڑی پوش قلندر بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا - آپ نے اسے کچھ روپے دلا کر رخصت کرنا چاہا لیکن وہ مصر ہوا کہ مجھے اپنی کنگھی بھی دیدو - بابا صاحبؒ کے پاس یہی ایک کنگھی تھی۔

اور مدت سے آپؒ کے استعمال میں تھی۔ آپؒ نے قلندر کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر وہ قلندر گستاخی پر اتر آیا اور نہایت کرخت لہجے میں کہنے لگا "اے شیخ یہ کنگھی مجھے دیدو تاکہ مجھے برکت حاصل ہو۔

حضرتؒ نے زچ ہو کر فرمایا "جا مجھے تنگ نہ کر۔ خدا تیری برکت غرق کرے" اب قلندر وہاں سے چل دیا۔ اجودھن کے باہر ان دنوں ایک نالہ بہتا تھا۔ اس کے کنارے پہنچا تو غسل کرنے کو جی چاہا۔ کپڑے اتار کر پانی میں گھسا اور غوطہ لگاتے ہی ایسا غرق ہوا کہ پھر کسی نے اس کا نشان نہ پایا۔

اسی طرح ایک دن حضرت باباصاحبؒ مصروف عبادت تھے کہ ایک قلندر آپؒ کی خانقاہ میں گھسا اور نہایت درشت اور گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا۔

"تم نے یہ کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ خود خدا بنے بیٹھے ہو۔ اور لوگوں سے اپنی پرستش کرا رہے ہو"

باباصاحبؒ نے بڑے پیار اور نرمی سے جواب دیا "بھائی میں نے ہرگز اپنے آپ کو خدا نہیں بنایا اور نہ لوگوں سے اپنی پرستش کراتا ہوں میں تو اس احکم الحاکمین کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔ وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے مقبول بنا دیتا ہے۔ عامۃ الخلائق میں مجھ عاجز کی مقبولیت سب اسی مولائے کریم کی دین ہے"

یہ قلندر حضرتؒ کے علم و انکسار اور شیریں بیانی سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔ آپؒ نے اسے خندہ پیشانی سے معاف کر دیا اور وہ دعائیں دیتا آپؒ سے رخصت ہوا۔

دشمنوں کی ناپاک حرکت اجودھن میں باباصاحبؒ کے خلاف دشمنوں اور حاسدوں کی تمام سازشیں ناکام ہو گئیں تو انھوں نے آخری حربہ کے طور پر آپؒ کے خلاف ایک ناپاک حرکت کی۔ شہر میں شہاب الدین نامی ایک شخص سحر و ساحری میں بڑا ماہر تھا۔ وہ خود تو مر گیا تھا۔ لیکن اس کا بیٹا اس معاملہ میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ باباصاحبؒ کے دشمنوں نے اسے آمادہ کیا کہ آپؒ پر کوئی ایسا جادو کرے کہ آپؒ گھل گھل کر فوت ہو جائیں۔ بدبخت ساحر نے ایسا ناپاک عمل کیا کہ حضرتؒ شدید علیل ہو گئے اور خواہش طعام بالکل جاتی رہی۔ آپؒ

کے صاحبزادوں اور عقیدت مندوں نے اطباء سے آپؒ کا بہتیرا علاج کرایا۔ لیکن مرض کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ آخر ایک دن آپؒ نے صاحبزادہ بدرالدین سلیمانؒ اور مرید صادق خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو بلا کر حکم دیا کہ سب طبیبوں کا علاج چھوڑ دو اور طبیب حقیقی کی طرف رجوع کرو۔ آج رات کو مشغول عبادت ہو کر صدق دل سے بارگاہِ الٰہی میں میری صحت کے لئے دعا مانگو۔

دونوں بزرگ آپؒ کے حسب ارشاد رات کو مشغول عبادت ہو گئے۔ شیخ بدرالدین سلیمانؒ نے حالتِ مراقبہ میں دیکھا کہ ایک بزرگ کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تیرے باپ پر شہاب الدین ساحر کے بیٹے نے سحر کیا ہے۔ یہ سحر اس طرح دفع ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص شہاب الدین ساحر کی قبر پر بیٹھ کر یہ کلمات پڑھے۔

"ایتھا المقبور المبتلا اعلم ابنك قد سحر فلانا فلانا فقل له یکف باسه والا یالحق به مالحق بنا

یعنی:۔ اے قبر میں پڑے ہوئے مصیبت میں مبتلا تجھے معلوم ہو کہ تیرے بیٹے نے فلاں شخص پر سحر کیا ہے پس اس سے کہدے کہ باز رکھے اپنے شر کو ورنہ اسے وہی تکلیف پہنچے گی جو ہمیں پہنچ رہی ہے۔

صبح کو شیخ بدرالدینؒ نے رات کا واقعہ پدر بزرگوارؒ کی خدمت میں بیان کیا۔ آپؒ نے فرمایا۔ "یہ اشارہ غیبی ہے اس کے مطابق عمل کرو"

چنانچہ شیخ بدرالدینؒ نے شہاب الدین ساحر کی قبر تلاش کی اور اس کے قریب بیٹھ کر مذکورہ بالا کلمات پڑھنے لگے۔ قبر پختہ تھی لیکن اچانک ان کی نظر ایک ایسی جگہ پر پڑی جہاں سے قبر کی پختہ سطح کچھ اکھڑی ہوئی تھی اور وہاں ابھری ہوئی مٹی نظر آ رہی تھی۔ شیخ بدرالدینؒ نے اس جگہ کو کھودا تو وہاں سے آٹے کا ایک پتلا برآمد ہوا۔ جس کے جسم پر جا بجا سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ اور ران پر گھوڑے کی دُم کے بال لپٹے ہوئے تھے۔ شیخ بدرالدینؒ یہ پتلا بابا صاحبؒ کی خدمت میں لائے۔ اور آپؒ کے حکم سے اس کے جسم سے سوئیاں نکالنے اور بال کھولنے میں مصروف ہو گئے جوں جوں سوئیاں پتلے کے جسم سے نکلتی تھیں اور بال کھلتے تھے۔ بابا صاحبؒ کو راحت

اور صحت معلوم ہوتی تھی۔ جب یہ کام مکمل ہوا تو حضرتؒ کی صحت کامل طور پر عود کر آئی
آپؒ کے حکم کے مطابق اس پتلے کو توڑ کر بہتے ہوئے پانی میں پھینک دیا گیا
جب حاکم اجودھن کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے ساحر کی گرفتاری کا حکم دیا اور
آپؒ کو پیغام بھیجا کہ اجازت ہو تو اس شخص کو اپنی ناپاک حرکت کی پاداش میں قتل کیا جائے
حضرتؒ خلق عظیم کے پیکر تھے۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ جس قادر مطلق نے مجھے شفا عطا فرمائی
ہے وہی اس کا گناہ معاف کرے گا۔ میرے دل میں اس کے خلاف کوئی رنج نہیں ہے۔ تم
بھی اس کی خطا معاف کر دو۔

(۹)

ایک بے صبر مرید کو نصیحت

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ایک دن بابا صاحبؒ دوپہر کے وقت اپنی خانقاہ سے برآمد ہوئے۔
سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، مولانا بدرالدین اسحاقؒ اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ
آپؒ کے ساتھ تھے۔ اس وقت آپؒ کے قدیمی مریدوں میں سے ایک شخص ملا یوسف آگے بڑھے۔
اور عرض پیرا ہوئے کہ میں مدت سے آپؒ کی خدمت کر رہا ہوں لیکن ابھی تک فیض باطنی سے
محروم ہوں۔ حالانکہ جو لوگ میرے بعد آئے وہ خرقۂ خلافت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ بابا
صاحبؒ نے متبسم ہو کر فرمایا "بھائی میں تو سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔ ہاں ہر شخص کا اپنا
اپنا ظرف ہے وہ اسی کے مطابق فیض حاصل کرتا ہے" اسی اثنا میں چار سال کی عمر کا ایک بچہ
وہاں آ گیا۔ قریب ہی پختہ اینٹوں کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ بابا صاحبؒ نے اس بچے سے
مخاطب ہو کر فرمایا "بیٹے میرے بیٹھنے کے لئے اس ڈھیر سے ایک اینٹ اٹھا لا"
بچہ دوڑ کر گیا اور ایک سالم اینٹ اٹھا لایا۔ حضرت بابا صاحبؒ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر
فرمایا کہ جا ایک اینٹ اور اٹھا لا۔ اسی طرح ایک ایک اینٹ حضرتؒ نے شیخ جمال الدین
ہانسویؒ اور شیخ بدرالدین اسحاقؒ کے لئے منگائی۔ جب ملا یوسف کی باری آئی تو وہ
بچہ اس ڈھیر میں سے نصف سے بھی کم ایک اینٹ اٹھا لایا اور ملا یوسف کے سامنے رکھ دی
سب لوگ یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اب بابا صاحبؒ نے ملا یوسف کو مخاطب کر کے
فرمایا "مولانا بتاؤ اس میں میری کیا خطا ہے۔ یہ تمہارا بخت نارسا ہے یا ظرف کہ ابھی تک
دوسروں کے برابر نعمت باطنی حاصل نہیں کر سکے۔

ملا یوسف بہت شرمندہ ہوئے اور عفو تقصیر چاہی۔

(۱۰)

ایک مجذوب سے ملاقات خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ) میں ایک مجذوب کے جلال اور حضرت باباصاحبؒ کے حلم و تحمل کا ایک دلچسپ واقعہ درج ہے۔ حضرت چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت باباصاحبؒ اپنے حجرہ میں مصروف عبادت تھے کہ ایک مجذوب باہر آکر آپؒ کی گلیم پر بیٹھ گیا۔ مولانا بدرالدین اسحاقؒ نے کچھ طعام اس کی خدمت میں پیش کیا۔ مجذوب نے کھانا تناول کرکے کہا "میں شیخؒ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

مولانا اسحاقؒ نے فرمایا "حضرتؒ جب یادِ الٰہی میں مشغول ہوں کسی سے ملاقات نہیں فرماتے۔"

مجذوب نے یہ سن کر اپنی جھولی سے سبز رنگ کی ایک بوٹی (گیاہ سبز) نکالی اور کونڈی میں ڈال کر گھوٹنے لگا۔ اس میں سے کچھ حضرتؒ کے کمبل پر گری۔ مولانا اسحٰقؒ کے خیال میں یہ بوٹی بھنگ تھی۔ ان کو بڑی کراہت محسوس ہوئی اور فرمایا۔

"اے درویش تم سخت بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہو کہ حضرتؒ کے پاک کمبل کو اس ناپاک چیز سے آلودہ کر رہے ہو۔ یہاں سے اُٹھ کر علیحدہ بیٹھو۔" یہ سن کر مجذوب جلال میں آگیا اور چاہتا تھا کہ کونڈی اٹھاکر مولانا اسحاقؒ کو دے مارے کہ یکایک حضرت باباصاحبؒ حجرے سے باہر تشریف لے آئے اور مجذوب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے حالت جلال میں کہا "میرا ہاتھ چھوڑ دیجیے۔ فقیروں کا شیوہ کسی پر ہاتھ اٹھانا نہیں ہے لیکن جب یہ اُٹھ جائے تو مارے بغیر یہ نیچا نہیں ہوتا۔"

حضرتؒ نے فرمایا "تو دیوار پر مار لیجیے۔"

مجذوب نے کونڈی اس زور سے سامنے کی دیوار پر ماری کہ دیوار گر پڑی۔

اب مجذوب کی جمالی حالت عود کر آئی اور اس نے باباصاحبؒ کے سامنے اپنا سرِ نیاز جھکایا اور سلام عرض کرکے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد باباصاحبؒ نے مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے فرمایا "یاد رکھو اللہ کے بعض خاص بندے عام لباس میں ہوتے ہیں جس بوٹی کو تم نے بھنگ سمجھا ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور پاکیزہ چیز

ہو۔ اور اس نے اسے محض امتحان کے لئے گھوڑا ہو۔ حسن اخلاق کو اپنا شعار بناؤ اور اللہ کے تمام بندوں سے پیار کرو۔

(۱۱)

ایک طالب علم کا شوقِ گیسو درازی

خیر المجالس میں روایت ہے کہ نصیر الدین نامی ایک طالب علم دہلی سے اجودھن آئے اور تحصیل علم کے لئے حضرت بابا صاحبؒ کے پاس مقیم ہو گئے۔ لیکن ان کے خیالات ادھر ادھر بھٹکتے رہتے تھے۔ انہیں تجارت کرنے اور اپنے سر کے بال دراز کرنے اور سنوارنے کا بہت شوق تھا۔ حالانکہ اس دور کے مشائخ حدیث

"تحت کل شعرۃ جنابتہ" (ہر بال کے نیچے ناپاکی ہوتی ہے) کے پیش نظر سر کے بال منڈواتے تھے۔ ایک دن ایک جوگی جس کے سر پر لمبی لمبی جٹائیں تھیں حضرتؒ کی خانقاہ میں آیا۔ نصیر الدین نے موقع پاکر اس سے دریافت کیا کہ بالوں کو لمبا کرنے کی کیا ترکیب ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قریب ہی بیٹھے تھے ان کو جوگی سے نصیر الدینؒ کا سوال ناگوار گذرا۔ کہ یہ اپنے مرشد کے طریقے کے خلاف گیسو درازی کے شوق میں مبتلا ہے۔ لیکن اس وقت کسی مصلحت سے خاموش رہے اور نصیر الدین کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

(۱۲)

خواجہ وجیہ الدینؒ آستانہ فریدیؒ پر

کچھ مدت بعد حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے نواسے خواجہ وجیہ الدینؒ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں اجودھن تشریف لائے اور آپ سے استدعا کی کہ مجھے بیعت کر کے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیجئے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا "صاحبزادے میں تو آپ کے خانوادۂ مقدس کا ایک ادنےٰ ریزہ چین ہوں۔ مجھے جو کچھ ملا ہے آپ کے جلیل القدر نانا کی نظرِ کرم کے طفیل ملا ہے۔ سوئے ادبی ہوگی کہ آپ سے بیعت لوں"

خواجہ وجیہ الدینؒ نے عرض کی "اس زمانے میں آپ سے بڑھ کر کوئی مقرب الٰہی ہستی مجھے نظر نہیں آتی۔ جب تک عاجز کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل نہ فرمائیں گے آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا۔"

ان کا شوق ارادت اور اصرار دیکھ کر بابا صاحبؒ نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ خواجہ وجیہ الدینؒ نے کمال مسرت سے آپ کی بیعت کی۔ آپؒ نے ان کو اپنا خرقہ ارادت عطا کیا اور پھر پیران عظام کی سنت کے مطابق ان کے بال ترشوائے۔ اس موقع پر نصیر الدین طالب علم بھی موجود تھے۔ وہ اس واقعہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت اپنے سر کے بال منڈوا دیئے اور تجارت کے لئے جو مال جمع کر رکھا تھا۔ مساکین و فقراء میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد نہایت اخلاص سے بابا صاحبؒ کی خدمت کرنے لگے۔ اور آپ کی توجہ سے درجہ کمال پر پہنچے۔

(۱۳)

اجودھن کی زمین رشک آسمان بن گئی | جن دنوں سرزمین اجودھن کو حضرت بابا صاحبؒ کے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ایک غیر معروف قصبہ تھا۔ جو مہیب جنگلوں اور بیابانوں سے گھرا ہوا تھا۔ حشرات الارض کی بہتات تھی۔ ذرائع آمد و رفت مفقود تھے۔ آپ کے جو ارادتمند دشوار گذار راستے طے کر کے اجودھن پہنچتا نہیں اکثر سانپوں اور بچھوؤں سے ڈسے جانے کے حادثات سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ حضرت کی والدہ محترمہ کی المناک شہادت کے واقعہ سے اس جگہ کے پرخطر ماحول کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں کے باشندے بقول صاحب سیر الاولیاء «کج طبع و درشت مزاج و بداعتقاد» تھے۔ ان ساری مشکلات کے باوجود بابا صاحبؒ نے اجودھن کو اپنا مستقر بنایا اور نہایت استقامت اور استقلال کے ساتھ تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ باختلاف روایت آپ اٹھارہ یا چوبیس سال اجودھن میں رہے۔ آپ کی انتھک جدوجہد اور محاسن اخلاق کی بدولت اجودھن کی زمین رشک آسمان بن گئی۔ ہر طرف قال اللہ و قال الرسولؐ کی صدائیں آنے لگیں۔ اجودھن ایک مرکزی قصبہ بن گیا۔ آبادی میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اور نئے نئے محلے آباد ہو گئے۔ آپ کے وسیع لنگر خانہ سے ہزاروں لوگ فیض اٹھاتے تھے۔ اور آپ کی ذات گرامی سے فیض اٹھانے کے لئے دور دراز سے ہزاروں لوگ اجودھن پہنچتے تھے۔ اجودھن کے راستوں پر میلہ سا لگا رہتا تھا۔ آپؒ کی بے پناہ مقبولیت کو دیکھ دیکھ کر حاسدان تیرہ باطن انگاروں پر لوٹتے تھے۔ اور آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے تھے۔ لیکن ہر بار اپنے ارادوں میں ناکام ہوتے تھے۔ اور بالآخر آپ کے قدموں پر آ گرتے تھے

اجودھن میں آپ کی خانقاہ ایک روحانی یونیورسٹی بن گئی تھی جس سے ہزاروں خوش نصیب علوم ظاہری و باطنی کے منتہی ہو کر نکلے۔ غرض اس مردِ حق آگاہ کی بدولت اجودھن کو وہ عظمت نصیب ہوئی۔ جس کا سکہ قیامت تک لوگوں کے دلوں پر جما رہے گا۔

صاحب مرأۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ

"آں مقام بہ وجودِ مبارک وے قبلہ ہندوستان و خراساں گشتہ و تا روز قیامت خواہد ۔۔"

بہ زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو رسد
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

ساتواں باب

ریاضات ومجاہدات

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا — سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

(۱)

مدارج سلوک

تانسوزی بر نیاید بوئے عود!
پختہ داند ایں سخن با خام نیست

سلوک کے لغوی معنی راستہ چلنے کے ہیں اور اسے "انتقال مکانی" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن صوفیائے کرام کی اصطلاح میں سلوک سے مراد "انتقال معنوی" یا . . تبدیل صفات ہے دوسرے لفظوں میں اسے "تزکیہ نفس" کہا جاتا ہے۔ نفس کے لغوی معنی ذات کے ہیں اور نفسِ شئے ذات شئے کو کہتے ہیں۔ فلاسفہ کے نزدیک اس لفظ کا اطلاق ارواح پر ہوتا ہے خواہ وہ مادی ہوں یا مجرد۔ اور اصطلاح اخلاق میں نفس سے مراد انانیت و پندار خودی ہے "تزکیہ نفس" کا مطلب اس نفس کا "تزکیہ" کرنا ہے جو صفات سبعیہ و بہیمیہ کا مظہر ہے اور جس کا نام نفس امّارہ ہے۔ نفسِ امّارہ بالطبع برائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اللہ کے بندے ہر وقت اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ ؏ حذر اے نفسِ امّارہ کہ معتوبِ الٰہی ہے
جب نفسِ امارہ کا تزکیہ ہو جاتا ہے یعنی وہ حیوانی مذموم اوصاف سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو خود بخود برائیوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اسے "نفسِ لوّامہ" کہا جاتا ہے۔ جب اس نفس کا بھی تزکیہ ہو جاتا ہے تو وہ نیکی کا تابع اور سراپا خیر بن جاتا ہے۔ اس حالت میں اسے "نفس مطمئنہ"

سے تعبیر کیا جاتا ہے نفسِ مطمئنہ کو قرآنِ کریم میں اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:-

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (سورہ فجر ۲۷-۳۰)

(اے نفسِ مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (برگزیدہ بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا)

گویا اللہ کے برگزیدہ بندوں کا انتہائے مقصود نفسِ مطمئنہ کا حصول ہوتا ہے۔ اس وقت ان کا اٹھنا بیٹھنا اوڑھنا بچھونا غرض ہر فعل حق تعالیٰ کے احکام اور رضا کے تابع ہوتا ہے۔ اور سب سے مبغوض شے ان کے نزدیک احکامِ الٰہی یا اوامر و نواہی سے روگردانی ہوتی ہے۔ دراصل اس وقت وہ مقامِ عشق پر فائز ہوتے ہیں جہاد فی سبیل اللہ کا وقت آتا ہے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ سر بکف ہو کر میدانِ جہاد میں پہنچ جاتے ہیں۔ آگ میں کود پڑنے کا حکم ملتا ہے تو بلا تامل بھڑکتے ہوئے مہیب شعلوں میں کود جاتے ہیں۔ کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے خونخوار وحشیوں میں تبلیغ حق کا حکم ملتا ہے تو بلا تامل نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر ان کے درمیان پہنچ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو پیغامِ حق سنانے کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ المختصر یہ کہ مدارجِ سلوک کا طے کرنا "تزکیۂ نفس" ہی کا دوسرا نام ہے۔

(۲)

مجاہدہ و ریاضت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ "تزکیۂ نفس" کس طرح ممکن ہے۔ تو صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کا تزکیہ بغیر مجاہدہ اور ریاضت کے ممکن نہیں۔

ع رنج نابردہ کسے گنج نیابد ہیہات

مجاہدہ و ریاضت کا دوسرا نام نفس سرکش سے پنجہ آزمائی کرنا ہے۔ اور اس کا مقصد نفس سرکش کو مغلوب کرنا ہوتا ہے اگرچہ بعض علمائے ظاہر مجاہدہ و ریاضت کے قائل نہیں اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرتے ہیں لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک مجاہدہ کا جواز قرآن حکیم کی اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (عنکبوت)

(جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھا دیتے ہیں)

اور پھر آقائے دوجہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی مجاہدہ کا جواز ثابت ہے۔ حضورؐ ایک عرصہ تک غار حرا کی تنہائیوں میں عبادت کرتے رہے اور حضورؐ کے قائم اللّیل اور دائم الصوم ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے۔ بعض اوقات حضورؐ نماز میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ پائے اقدس پر ورم آجاتا تھا۔ اتباع رسولؐ میں صحابۂ کرامؓ تابعین و تبع تابعینؒ کے عبادات میں استغراق اور خشوع و خضوع کے ذکر سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے"

اور پھر یہ حکم ہے "اپنے نفسوں کو مجاہدے اور مخالفت کی تلواروں سے قتل کرو"

مشائخ کرام کے مجاہدات و ریاضات کو ان ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی غایت بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔ بعض لوگ غلط فہمی سے مجاہدہ و ریاضت کو "رہبانیت" یا "ترک دنیا" سمجھ بیٹھے ہیں ——

یہ صحیح نہیں۔ بیشک مجاہدہ میں بعض اوقات علائق دنیوی سے یکسر قطع تعلق کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت عارضی ہوتی ہے۔ مشائخ کرام نے مجاہدے بھی کئے شادیاں بھی کیں۔ بیوی بچوں دوستوں اور پڑوسیوں کے حقوق بھی عطا کئے۔ ہاں اس دنیا سے کبھی دل نہیں لگایا اور دنیا میں رہ کر اپنے آپ کو یکسر اطاعتِ الٰہی اور اتباع رسولؐ کے لئے وقف کر دیا۔ مجاہدہ و ریاضت کا مقصد ہی یہ ہے کہ راہ حق میں —— اپنی جان، مال اولاد سب ہیچ معلوم ہوں۔ اسی لئے تو نفس سے جہاد کو جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔

مشائخ کرام نے تزکیۂ نفس کیلئے ایسے ایسے سخت مجاہدات و ریاضات کئے کہ ایک ظاہر بین دنیا دار کا قلب ان کے تصور سے بھی لرز اٹھتا ہے لیکن مشائخ کرام کے ان مجاہدات و ریاضات کا مقصد اظہار عجز، تذلل اور نفس کشی تھا اور ان میں مستغرق و محو ہو کر انہیں تن بدن کا ہوش ہی نہ رہتا تھا۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس حالت

ہیں بھی اللہ کے یہ پاک نفس بندے احکام شریعت کی بجا آوری سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوتے تھے تو لے اختیار ان کی عظمت و جلالت کے سامنے سر خم ہو جاتا ہے۔
حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجشکرؒ اسی قدسی الاصل طبقۂ مشائخ کے گوہر نایاب تھے۔ آپ نے بھی اپنی حیات اقدس میں مسندِ خلافت پر بیٹھنے سے پہلے اور بعد عظیم ریاضات و مجاہدات کیئے۔ ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ البتہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق اس ضمن میں کچھ روایتیں اجمالی طور پر نیچے درج کی جاتی ہیں:

(۲۳)

بیس سال عالم تفکر میں

راحت القلوب (مرتبہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) میں حضرت بابا صاحبؒ کا یہ بیان منقول ہے کہ میں بیس سال عالم تفکر میں رہا ہوں۔ اس مدت میں میں ہمیشہ کھڑا رہا۔ چنانچہ میرے پاؤں سوج گئے تھے اور ان سے خون رستا رہتا تھا۔ اس زمانے میں، میں نے عہد کر لیا تھا کہ کبھی ٹھنڈا پانی یا لقمۂ طعام نفس کو نہ دوں گا۔

بابا صاحبؒ کا چلۂ معکوس

ایک دفعہ حضرت بابا صاحبؒ کے مرشد گرامی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کو حکم دیا کہ اے فرید جاؤ چلۂ معکوس کرو۔ اس چلّے کے لئے کوئی مسجد تلاش کرو جس میں ایک کنواں ہو اور اس کے قریب ایک درخت ہو۔ اس مسجد کا مؤذن کوئی باخدا اور اہل دل شخص ہو۔ رات کو یہ شخص ایک مضبوط رسی کا ایک سرا درخت سے باندھ دیا کرے، اور دوسرا سرا تمہارے پاؤں سے۔ رات کو تم کنوئیں میں لٹک کر عبادت کیا کرنا۔ علی الصبح یہ شخص تمہیں کنوئیں سے نکال لیا کرے اور کسی سے تمہارے اس مجاہدے کا حال بیان نہ کرے۔"

ارشادِ مرشد کی تعمیل میں بابا صاحبؒ ایسی مسجد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تلاش بسیار کے بعد انہیں مرشد گرامی کی بتائی ہوئی صفات کی حامل ایک مسجد قصبہ "اچہ" میں مل گئی۔ اس کا نام "مسجد حاجی" تھا اور اس کے مؤذن ایک باخدا بزرگ مولانا رشید الدین مینائی ہانسویؒ تھے۔ بابا صاحبؒ چند دن اس مسجد میں مصروفِ عبادت رہے جب انہوں نے مولانا رشید الدین مینائیؒ کو اپنے اعتماد کا اہل پایا تو انہیں اپنا رازدار بنا لیا۔ اور چلۂ معکوس شروع کر دیا۔ رات کو جب نمازی نماز عشاء سے فارغ ہو کر گھروں کو چلے جاتے تو مولانا مینائیؒ رسی کا ایک سرا درخت سے

باندھ دیتے اور دوسرا سرا باباصاحبؒ کے پاؤں سے۔ رات بھر کنوئیں میں الٹے لٹک کر باباصاحبؒ خالقِ حقیقی کی عبادت میں مستغرق رہتے۔ علی الصبح نمازیوں کے آنے سے پہلے مولانا مینائیؒ آپ کو کنوئیں سے نکال لیتے۔ اس طرح جب یہ زہرہ گداز چلۂ معکوس پورا ہوگیا۔ تو باباصاحبؒ راہِ سلوک کی کئی منزلیں طے کر چکے تھے۔ سلہ مرشد گرامی نے ان کے اس عظیم مجاہدے کا حال سنا تو اظہار خوشنودی فرمایا۔

(۵)

مجاہدات سیاحت آج سے آٹھ سو سال پہلے جبکہ موجودہ دور کے ذرائع آمدورفت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک نوجوان کا گھر سے پاپیادہ نکل کھڑا ہونا اور دشوار گذار راستے طے کر کے دور دراز ممالک کی سیاحت کرنا بجائے خود ایک عظیم مجاہدہ تھا۔ دورانِ سیاحت آپ کو کئی کئی دن تک ہولناک بیابانوں اور جنگلوں سے گذرنا پڑتا تھا۔ جہاں میلوں تک آب و دانہ کا نام ونشان تک نہ ہوتا تھا۔ چلتے چلتے آپ کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے تھے۔ اور زخموں سے خون بہتا تھا۔ کئی کئی ہفتے آپ کو بھوکے پیاسے گذارنے پڑتے تھے۔ اگر اس مدت میں بتقاضائے بشری کوئی چیز شکم مبارک میں ڈال لیتے۔ تو وہ درختوں اور جڑی بوٹیوں کے پتوں کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی لیکن لگن اور تڑپ آپ کے قلبِ مطہر میں شعلہ زن تھی اس کے سامنے یہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اپنے اس پُر صعوبت سفر میں آپ کو بیشمار اولیائے کرامؒ اور مشائخ کبارؒ کا فیض صحبت نصیب ہوا۔ اللہ کے یہ برگزیدہ بندے راہ سلوک کے کامیاب مسافر تھے۔ اور قرب الٰہی کی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ حضرت باباصاحبؒ نے ان بزرگانِ عظام کی نگرانی اور رہنمائی میں زبردست مجاہدے کئے۔ اور ان میں سرخرو ہوئے۔ ان بزرگوں کی دعائیں ہر حال میں حضرت باباصاحبؒ کے شامل حال رہیں اور اللہ تعالےٰ نے ان کو وہ عظیم رتبہ عطا کیا کہ قدسی بھی اس کو ترستے ہیں۔ یوں تو دوران سیاحت ہی آپ کو نعمت باطنی حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن حضرت خواجۂ خواجگان سرکار غریب نواز

سلہ خواجہ نظامی ~ دارد دو سرایں رشتہ یکے عجز، دگر ناز ✤ زیں سو ہمہ عجز آمد وزاں سو ہمہ ناز

امیر حسن دہلوی ~ ہر دل کہ در و مہر تو آویختہ شد ✤ آویختہ شد عاقبت از کنگرۂ عشق

سے براہِ راست استفاضہ اور قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی کی ارادتمندی کی بدولت آپ کو وہ مقامِ رفیع حاصل ہوا کہ آج تک آپ کے فیوض و برکات سے ایک دنیا متمتع ہو رہی ہے۔

(۶)

دورانِ مجاہدہ ایک عارفہ سے ملاقات

(وقائع فرید الدین گلزار فریدی ایں)

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا صاحب ایک جنگل میں مجاہدہ کر رہے تھے۔ جس درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ عبادت کر رہے تھے، اس پر بہت سی چڑیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ناگاہ انہوں نے بے تحاشا شور مچانا شروع کر دیا۔ بابا صاحب کی محویت اور استغراق میں خلل پڑا۔ اس وقت آپ کو جلال آگیا اور بے اختیار آپ کی زبان سے نکلا "مر جاؤ اے چڑیو جو اس طرح شور مچا کر یادِ الٰہی سے میرا خیال ہٹا رہی ہو۔"

ابھی یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر ہی تھے کہ چڑیاں مر کر زمین پر گر پڑیں۔ بابا صاحب طبعاً رحم و شفقت کا پیکر جمیل تھے۔ چڑیوں کا یہ حال دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ مولائے کریم اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے ان چڑیوں کو زندہ کر دے۔ خالقِ اکبر نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور چڑیاں زندہ ہو کر اڑ گئیں۔ [1]

اس واقعہ کے چند روز بعد بابا صاحب مجاہدہ میں مشغول تھے۔ کہ آپ پر پیاس غالب

---

[1] بعض لوگ اس قسم کے واقعات ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن کئی مستند کتابوں میں اس قسم کی روایات ملتی ہیں کہ اولیاء اللہ نے حکم الٰہی سے مُردوں کو زندہ کیا ہے۔ شام کے مشہور محقق اور مورخ علامہ یوسف نبہانی اپنی کتاب "جامع کرامات الاولیاء" میں نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ ان کے کھانے کے لئے کوئی سامان نہ تھا۔ سامنے سے دو ہرن گذرے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے انہیں بلایا وہ فوراً حاضر ہو گئے۔ انہیں ذبح کر کے مہمانوں کی ضیافت کی گئی۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو حضرت سلمان فارسیؓ نے ہڈیوں کو جمع کر کے فرمایا۔ قوما باذن اللہ۔ اسی وقت دونوں ہرن زندہ ہو کر جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ اسی طرح حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کا بھنے ہوئے مرغ کو زندہ کرنے کا واقعہ اکثر مستند کتابوں میں درج ہے۔

تاریخ خطیب بغدادی اور جامع کرامات الاولیاء میں اس قسم کی بہت سی روایتیں مستند حوالوں سے مذکور ہیں۔

ہوئی۔ پانی کی تلاش کرتے ہوئے ایک کنوئیں پر پہنچے۔ وہاں ایک عورت چمڑے کی ڈول کے ساتھ پانی نکال کر اپنے برتن میں بھر رہی تھی۔ بابا صاحبؒ نے شدت پیاس میں اس سے فوراً پانی پلانے کے لئے کہا۔ اس عورت نے کہا "ذرا صبر کرو۔ اتنی جلدی پانی پینا ٹھیک نہیں"

لیکن حضرت بابا صاحبؒ نے اس کی بات کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور پانی کا شدت سے مطالبہ کیا۔ معاً اس عورت نے تیز نظروں سے بابا صاحبؒ کی طرف دیکھا اور کہا "مجھ پر سختی کرکے تم فوراً پانی حاصل نہیں کر سکتے۔

"یہاں چڑیوں والا معاملہ نہ سمجھنا"

بابا صاحبؒ اس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حیران رہ گئے کیونکہ چڑیوں کے زندہ ہونے کا واقعہ ایک ایسے جنگل میں پیش آیا تھا جہاں بابا صاحبؒ کے سوا میلوں تک کسی انسان کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ پانی پینے کے بعد آپ نے اس عارفہ سے پوچھا کہ تجھے نعمت کشف کیسے حاصل ہوئی۔ اس نے جواب دیا کہ میرے والدین نے میری شادی ایک کم عمر لڑکے کے ساتھ کر دی تھی حقوق زوجیت ادا کرنے کی بجائے وہ شفقت اور خدمت کا محتاج تھا۔ ایک رات کو اس نے پانی مانگا۔ میں جلدی سے پانی لائی۔ لیکن میرے آتے آتے وہ بھر گہری نیند میں سو گیا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کم عمری کی نیند سے اسے جگاؤں تو بے چین ہو گا۔ اور اگر خود سو جاؤں تو ممکن ہے وہ بیدار ہو کر پھر پانی مانگے۔ چنانچہ میں نے ساری رات پانی کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے گزار دی۔ صبح بیدار ہو کر میرے شوہر نے پانی پیا۔ اللہ تعالےٰ نے میری اس خدمت کو شرف قبولیت بخشا۔ اور اس کے عوض مجھے نعمت باطنی عطا فرمائی کہ دور دور کے حالات کشفی طور پر مجھے معلوم ہو جاتے ہیں۔ حضرت بابا صاحبؒ نے اسے آفریں کہی۔ چونکہ آپ راہ طریقت میں بہت ارفع اور اعلےٰ مقام پر فائز تھے۔ وہ عارفہ اور اس کا شوہر بعد میں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جس رسی سے اپنا پاؤں باندھ کر حضرت بابا صاحبؒ نے چلۂ معکوس کیا تھا۔ وہ اس سوت کی بنی ہوئی تھی جو اس عارفہ نے اپنے ہاتھ سے کاتا تھا۔ اور اس واقعہ کے بعد بابا صاحبؒ کی نذر کیا تھا۔

(۷)

خواجہ غریب نوازؒ کے مزار مبارک پر چلہ کشی

بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے وصال کے بعد حضرت بابا صاحبؒ کبھی کبھی اجمیر شریف تشریف لے جاتے تھے اور وہاں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مزار مبارک کے قریب ایک حجرہ میں چلہ کشی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آستانۂ خواجہ غریب نوازؒ میں سلطان محمود خلجی کی مسجد کے پیچھے آج بھی وہ حجرہ محفوظ ہے اور "چلہ بابا فریدؒ" کے نام سے موسوم ہے اس چلہ میں دور دور تک تہ خانے بنے ہوئے ہیں۔ اور ہمیشہ مقفل رہتا ہے ہر سال صرف ۵ محرم الحرام کو چند گھنٹوں کے لئے کھلتا ہے۔

راحت القلوب میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت بابا صاحبؒ نے ماہ ذی الحجہ کے اعمال و فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص عرفہ ذی الحجہ کی رات کو دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی سو سو بار تلاوت کرے تو ہزار حجوں کا ثواب اسے ملے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ میں ماہ ذالحجہ میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روضہ مبارک میں معتکف ہوا۔ اس سعادت کو پایا۔ عرفے کی رات کو میں نے اسی طرح نماز پڑھی اور پھر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار کے قریب بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہوگیا۔ تہائی رات تک میں نے پندرہ سیپارے پڑھ لئے۔ شاید سورہ کہف یا مریم پڑھ رہا تھا کہ اس میں سے سہواً ایک حرف ترک ہوگیا۔ اسی وقت روضۂ مخدومؒ سے آواز آئی کہ اس حرف کو پھر پڑھو۔ میں نے دوبارہ پڑھا۔ آواز آئی "خوب پڑھتے ہو۔ فرزند سعادتمند کو تمہاری طرح ہی ہونا چاہیے۔ جب میں ختم قرآن پاک سے فارغ ہوا تو روضۂ مبارک کے پائیں بیٹھ کر رونے لگا اور مناجات کی کہ الٰہی مجھے معلوم نہیں کہ میں کس گروہ سے ہوں۔ اسی وقت روضہ متبرکہ سے آواز آئی کہ مولانا فرید یہ نماز جو تم نے آج پڑھی اس کی بدولت تو یقیناً جنتی ہے میں مزار خواجہؒ پر تصدق ہو ہو کر گیا اور میرا دل اطمینان و ابتہاج سے معمور ہوگیا۔

(۸)

زہد و ورع کی انتہا

حضرت بابا صاحبؒ کی حیات طیبہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ زہد و اتقا کا ایک مثالی پیکر تھے اور عام طور پر مجاہدہ و ریاضت میں مستغرق رہتے

تھے روزے نہایت کثرت سے رکھتے تھے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت بیماری کی حالت میں بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح نہایت اہتمام سے ادا فرماتے تھے۔ ہر رات نماز تراویح میں دو بار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ بلکہ کبھی کبھی دس پارے زیادہ پڑھ جاتے تھے اور رات کا زیادہ حصّہ نماز تراویح میں گذار دیتے تھے۔ ایک بار کثرت ریاضت کی وجہ سے اتنے کمزور ہو گئے کہ اٹھ کر دو قدم بھی نہ چل سکتے تھے۔ کسی ضرورت کی وجہ سے عصا کا سہارا لے کر اٹھے لیکن چند ہی قدم چل کر عصا ہاتھ سے چھوٹ گیا اور پریشان حال ہو کر بیٹھ گئے۔ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ساتھ تھے۔ انہوں نے پریشانی کا سبب پوچھا تو فرمایا "عصا کا سہارا لیا تھا تنبیہ ہوئی کہ غیراللہ کا سہارا لیتے ہو۔ اسی لئے ہاتھ سے عصا چھوٹ گیا۔ شرمسار ہوں اسی طرح جب غزنین دروازہ کے پاس حجرہ میں چلّہ کشی کر رہے تھے تو ضعف کا یہ عالم تھا کہ خواجہ خواجگانؒ کی تشریف آوری پر ان کی تعظیم کے لئے بھی اٹھنے سے عاجز تھے۔ ان واقعات سے حضرت بابا صاحبؒ کے مجاہدات و ریاضات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

○

آٹھواں باب

شمیمِ اخلاق کی عطر بیزیاں

(۱)

اخلاقِ حسنہ حیاتِ انسانی میں سب سے اہم چیز جو ایک شخص کو دوسروں سے ممیز کرتی ہے اور اسے دنیا والوں کی نظروں میں محبوب بناتی ہے۔ وہ اس کے اخلاقِ حسنہ ہیں۔ انسان خواہ کتنا ہی صاحبِ جمال، قوی الجثہ، شجاع، مالدار اور ذی علم ہو کبھی حقیقی عزت واحترام کا مستحق نہیں ہوتا جب تک وہ اخلاقِ حسنہ کا حامل نہ ہو۔ ایک مسلمان کے لئے اخلاقِ حسنہ کا کامل ترین نمونہ سرورِ کونین، سالارِ انبیاء جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ اسی لئے حضورؐ کے اتباع کو "اسوۂ حسنہ" سے تعبیر کیا گیا ہے صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور سلف صالحینؒ نے ہر حال میں حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کو اپنی زندگی کا شعار بنایا۔ حضرت باباصاحبؒ بھی سلف صالحین کی مقدس سلک نورانی کا ایک درِ شہوار تھے۔ آپ نے کسی حالت میں بھی اپنے آقا و مولا "رحمۃ للعلمینؐ" کے اسوۂ پاک کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کے مکارمِ اخلاق کی شمیم افروزیوں سے ایک عالم مہک گیا۔ قلم کو یارا نہیں کہ حضرت باباصاحبؒ کے اخلاق ومحامد کو ضبطِ تحریر میں لا سکے۔ سطورِ ذیل میں قارئین اخلاقِ فریدی کی صرف چند جھلکیاں دیکھ سکیں گے۔

---

(۲)

ظاہر و باطن کی یکسانی

ظاہر و باطن کا یکساں ہونا ایک عظیم صفت ہے جو مسلمان اس کا حامل ہو وہ فضل و کمال کی ثریا بوس عظمتوں کو چھو لیتا ہے حضرت بابا صاحبؒ کے اہل صحبت کا بیان ہے۔ کہ آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا جس بات کو حق سمجھتے خلوت و جلوت میں اسی کی تعلیم دیتے۔ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاقؒ جو حضرت بابا صاحبؒ کے داماد۔ محرم راز اور خادم تھے۔ فرماتے ہیں "میں شیخ العالم حضرت بابا صاحبؒ کا خادم تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خلوت و جلوت میں ایک ہی بات کہتے۔ کوئی ایسا کام آپ نے مخفی طور پر نہیں کیا جو ظاہر نہ فرما دیا ہو یعنی آپ جو کرتے تھے وہ کہہ دیتے تھے اور جو کہتے تھے وہی کرتے بھی تھے۔

(۳)

شیریں بیانی

تمام مسلم اور غیر مسلم تذکرہ نگار اور مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ انتہا درجہ کے شیریں زبان تھے۔ آپ کی باتوں میں قند و شہد کی حلاوت ہوتی تھی۔ اور حقیقی معنوں میں ع "اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو" کا مصداق تھے۔ بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ دنیا آپ کی بے مثال شیریں زبانی کی وجہ سے ہی آپ کو "شکر گنج" کہتی تھی۔ آپ کے شیریں ارشادات جو حقائق و معارف سے لبریز ہوتے تھے۔ دوست دشمن کے دل موہ لیتے تھے۔ جو شخص آپ کی صحبت میں حاضر ہوتا۔ آپ کی خوش کلامی سے مسحور ہو جاتا تھا۔ ہر کہ و مہ سے آپ نہایت محبت اور خوش خلقی سے پیش آتے تھے۔ اور لوگ آپ کی باتیں سنتے سنتے پہروں نہیں تھکتے تھے۔ فی الواقعہ آپ اپنے مرشدِ گرامی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی اس پیشگوئی اور دعا کا مظہر و مصداق تھے کہ تو ہمیشہ شکر کی طرح شیریں رہے گا اور گنج شکر بنے گا۔

آپ کے لقب "گنج شکر" کو آپ کی حیاتِ اقدس ہی میں عالمگیر شہرت حاصل ہو گئی تھی اپنے ایک شعر میں آپ نے خود اپنے آپ کو "گنج شکر" کے لقب سے پکارا ہے فرماتے ہیں۔

ا۵ پند شکر گنج بدل جاں شنو ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

خشیتِ الٰہی حضرت بابا صاحبؒ کو اللہ تعالےٰ نے نہایت گداز قلب عطا فرمایا تھا۔ جس میں ہر وقت خشیتِ الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔ کسی سے عبرت کی بات سنتے یا تلقین و ارشاد کے وقت اپنے بیان میں کوئی عبرت کی بات آجاتی تو بے اختیار رو دیتے بعض اوقات خشیتِ الٰہی کے غلبہ سے بار بار بیہوش ہو جاتے ۔ راحت القلوب میں ہے کہ انہی بعض مجالس میں حضرت بابا صاحبؒ بار بار اس شعر کو پڑھا کرتے تھے اور ہائے ہائے کر کے روتے تھے ۔

شعر

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

محرم الحرام کا ذکر ہوتا یا ماہ صفر کی سختی کا ۔ کسی بزرگ کے وصال کا ذکر ہوتا یا نفس امّارہ کی فتنہ انگیزیوں کا ۔ بابا صاحبؒ پر رقت طاری ہو جاتی اور اکثر وہ اس درد سے روتے کہ اہل مجلس بھی آپ کے ساتھ گریہ کناں ہو جاتے ۔ خشیت الٰہی کی یہ کیفیت اوائل عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک قائم رہی ۔

(۵)

حُبِّ رسولؐ حضرت بابا صاحبؒ سرورِ کونین خاتم الانبیاء حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق زار تھے اور حضورؐ کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا۔ کسی مجلس میں آقائے دو جہاںؐ کا ذکر مبارک آجاتا ۔ تو بے اختیار ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ۔ حضورؐ کے اتباع کا اتنا خیال تھا کہ کبھی غیر مؤکدہ سنن اور نوافل بھی ترک نہ فرماتے ۔ ہر بات میں حضورؐ کا اسوۂ حسنہ آپ کے پیشِ نظر ہوتا ۔ اپنی چال ڈھال گفتار، کردار اور عبادت میں ہمیشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک کو اپنے لئے دلیل راہ سمجھتے اور اسی کی پیروی کو اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی نجات کا باعث سمجھتے ۔ ایک مجلس میں نہایت رقت انگیز لہجہ میں حضورؐ کے وصال کا ذکر فرمایا ۔ بیان ختم ہوا تو ایک آہ سرد کھینچی اور بیہوش ہو گئے ۔ جب ہوش آیا ۔ تو فرمایا کہ جن کے واسطے تمام عالم کو پیدا کیا جب انہیں کو اس عالم فانی میں نہ رکھا تو پھر ہم اور تم کون ہیں جو زندگی کا دم بھریں ۔ پس ہم کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو چلنے والوں میں شمار کریں اور غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھا دیں ہر وقت زادِ راہ

کی تدبیر میں لگے رہیں تاکہ فردا ئے قیامت کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

(۶)

انکسار و فروتنی حضرت بابا صاحبؒ انتہائی منکسر المزاج تھے۔ عام گفتگو میں اپنے لئے فقیر، درویش اور عاجز کے الفاظ استعمال فرماتے۔ ان الفاظ کا استعمال محض گفتگو تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ کی عملی زندگی میں بھی کارفرما تھا۔ آپ کے حلقہ اثر میں نہ صرف کثیر التعداد عوام بلکہ بادشاہان وقت تک شامل تھے۔ لیکن آپ کے انکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک ادنیٰ آدمی بھی مجلس میں آجاتا تو اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ اور اس کی خاطر تواضع میں مشغول ہو جاتے۔ اس شخص کو اس بات کا احساس تک نہ ہونے دیتے کہ وہ کتنی جلیل القدر ہستی کے سامنے حاضر ہے۔ ایک دفعہ شاہی فوج اجودھن کے قریب سے گذری۔ تمام لشکر حضرت بابا صاحبؒ کی قدمبوسی کے لئے شہر میں داخل ہو گیا۔ اور حضرتؒ کے گرد اتنا بے پناہ ہجوم ہوا کہ آپ اپنی خانقاہ کی چھت پر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنا پیراہن مبارک دیوار کے ساتھ لٹکا دیا لوگ آتے تھے اور اسے چھو کر یا بوسہ دے کر نکل جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں پیراہن مبارک پارہ پارہ ہو گیا اور آپ مسجد میں تشریف لے آئے۔ لشکریوں کا ہجوم تھا کہ کم ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ آخر خلفاء و مریدین نے آپ کے گرد حلقہ باندھ لیا اور لوگوں سے کہا کہ دور سے زیارت کر کے آگے نکلتے جاؤ۔ زائرین میں سے ایک بوڑھا حلقہ توڑ کر حضرتؒ کے پاس پہنچ گیا۔ اور آپ کی قدمبوسی کر کے عرض پیرا ہوا کہ اے شیخ اللہ نے آپ کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے کہ بادشاہان وقت کو بھی نصیب نہیں۔ آپ یہ حلقہ بنا کر یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔ مخلوق کو کیوں روک رکھا ہے۔ یہ اللہ کے بندے ہیں آپ کو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے آپ کو ایسا مقبول خلائق بنایا ہے۔

بابا صاحبؒ بوڑھے کی زبان سے یہ کلمات سن کر بے اختیار رونے لگے اور اسے گلے لگا کر فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ پھر مریدوں کو حلقہ توڑ دینے کا حکم دیا۔ اپنی مجالس میں عام لوگوں کے ساتھ چٹائی پر بیٹھتے تھے۔ کوئی کرسی یا مسند آپ کے نیچے نہ ہوتی تھی ایک بار پاؤں میں کچھ تکلیف تھی۔ زمین پر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ مجبوراً مجلس میں ایک چارپائی پر تشریف فرما ہوئے۔ لیکن طبیعت میں انقباض محسوس فرماتے تھے۔ اور

حاضرین مجلس سے بار بار معذرت فرماتے تھے کہ مجبوری کی وجہ سے تم لوگوں سے بلند جگہ پر بیٹھا ہُوا ہوں ۔ حاضرین نے چشم پُرآب ہو کر عرض کی "اللہ تعالےٰ آپ کو صحت عطا فرمائے ۔ ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے"۔

مرید صادق حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا ؎

جانِ جہانیاں توئی دشمن جاں بود کسے

اے ہمہ دشمنان تو دشمن جانِ خویشتن

ایک بار ایک صاحب نعمت درویش باباصاحبؒ کی خانقاہ میں آئے ۔ اس وقت باباصاحبؒ کے گھر میں تھوڑی سی جوار کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی ۔ چونکہ آپ مسافروں اور درویشوں کی خدمت کو بہت بڑا ثواب سمجھتے تھے خود ہی یہ جوار پیسی اور روٹی پکا کر درویش کے پاس لے گئے ۔ درویش نے آپ کو دعا دی اور کہا کہ تو نے میری خدمت کے لئے اتنی تکلیف اٹھائی ۔ میرے پاس جو باطنی نعمت ہے میں بھی تجھے یہ دیتا ہوں ۔

(۷)

فقر و فاقہ حضرت باباصاحبؒ کے حلقۂ اثر میں عام لوگوں سے لے کر امراء و وزراء اور بادشاہ تک شامل تھے ۔ اور ایک اشارہ چشم پر زر و جواہر کے انبار آپ کے قدموں پر لگ سکتے تھے ۔ لیکن آپ نے ساری زندگی ایک کچے مکان اور کچی خانقاہ میں فقر و فاقہ سے گذار دی ۔ آپ پر اور آپ کے اہل خانہ پر اکثر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے کئی سال تک آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا گذارہ کریر یا پیلو کے پتوں پر رہا اور وہ بھی پیٹ بھر کر نصیب نہ ہوتے تھے ۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ خانقاہ کے درویش بھی فقر و فاقہ میں باباصاحبؒ کے شریک حال تھے سب درویشوں کے ذمہ کوئی کام ہوتا تھا ۔ کوئی جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتا تھا ۔ کوئی پیلو اور کریر کے پتے اور پھول وغیرہ لاتا ۔ کوئی کپڑے دھوتا ۔ کوئی پانی بھرتا اور کوئی کھانا پکاتا تھا ۔ ہم سب کوشش کرتے تھے کہ سب لوگ سیر ہو کر کھانا کھالیں ۔ لیکن یہ کوشش کم کامیاب ہوتی تھی ۔ جس دن سب کو پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا ۔ وہ دن ہمارے لئے یوم عید ہوتا ۔

حضرت بابا صاحبؒ قرض لینے سے منع فرماتے تھے ۔ آپ کا ارشاد تھا کہ بھوکے رہو مگر قرض مت لو اگر مقروض ہونے کی حالت میں اچانک موت آجائے ۔ تو قیامت کے دن گردن قرض کے بوجھ سے جھکی رہیگی ۔ قرض اور فقر و توکل میں مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے ۔ درویش کے لئے قرض لینے کی بجائے فاقہ سے مرجانا بہتر ہے ۔ ایک دفعہ گھر میں نمک نہ تھا حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے مرشد کی خاطر اپنی پگڑی گرد رکھ کر ایک بقال سے نمک قرض لے لیا ۔ اور کھانا (کریر کے پتّے یا دیلہ) پکا کر بابا صاحبؒ کی خدمت میں لے گئے ۔ حضرتؒ نے کھانے کے پیالے میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی ۔ ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا ۔

"ازیں بوئے اسراف می آید"

حضرت محبوب الٰہیؒ مرشد کی ناراضگی کے خوف سے کانپنے لگے اور عرض کی کہ اور تو سب چیزیں ہم لوگ جنگل سے لائے ہیں ۔ نمک گھر میں موجود نہ تھا ۔ قرض لے کر کھانے میں ڈالا گیا ہے ۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا " اس کھانے کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کھا سکتا ۔ قرض لے کر کھانا پکانا درویشوں کے مسلک کے خلاف ہے " حضرت بابا صاحبؒ اور آپ کے متعلقین ہمیشہ زمین پر سوتے تھے ۔ آپؒ کا لباس بالکل سادہ ہوتا تھا ۔ اور اس میں پیوند لگے ہوتے تھے ۔ ایک بار کرتہ بالکل پھٹ گیا ۔ اور اس میں پیوند لگانا بھی مشکل ہوگیا ۔ ایک عقیدتمند نے نیا کرتہ نذر کیا ۔ پہن کر فرمایا " جو لذت اس پرانے کرتے کے پہننے میں ملتی تھی اس نئے کرتے میں حاصل نہیں ہوتی " حضرتؒ اکثر صائم النہار رہتے تھے ۔ افطار کے وقت شربت کا ایک پیالہ جس میں کچھ منقے ہوتے آپ کی خدمت میں لایا جاتا ۔ حضرتؒ اس میں سے دو تہائی حصہ حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی سے روزہ افطار فرماتے بعض اوقات اس میں سے بھی کچھ حاضرین مجلس کو دے دیتے ۔ سحری کے وقت آپ کی خدمت میں دو روٹیاں لائی جاتیں ۔ ان میں سے کچھ کھا کر باقی خدام کو تقسیم فرما دیتے تھے ۔ بعض اوقات لنگر خانہ کی طرف سے مہمانوں کے لئے عمدہ کھانے پکائے جاتے لیکن آپ نہ کھاتے اگر کبھی مہمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتے تو ایک آدھ لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیتے تھے ۔ زیادہ تر نمکین خشک روٹی پسند فرماتے تھے ۔ غرض حضرت بابا صاحبؒ کی حیات اقدس زہد و قناعت کا ایک عجیب نمونہ تھی ۔ فتوح کی ساری آمدنی راہ خدا میں خرچ

کر دیتے تھے۔

(۸)

شانِ استغنا حضرت بابا صاحبؒ کی شانِ استغنا اور توکل کی عجیب کیفیت تھی۔ اگرچہ کثیر العیال تھے اور لنگر خانہ کی وجہ سے اخراجات بہت زیادہ تھے۔ لیکن مال و متاعِ دنیوی سے یکسر بے نیاز تھے۔ ارادت مندوں میں بادشاہانِ وقت تک شامل تھے۔ لیکن آپ نے ساری زندگی عسرت و تنگدستی میں گزارنا پسند فرمایا اور کسی صاحب جاہ و مال کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کیا آپ کا مسلک یہ تھا کہ توکل کے ساتھ جینا چاہیئے اور رزق حق سے طلب کرنا چاہیئے۔

این تپ و لرزہ و خوفِ جوع چیست
در توکل سیرمی تابیند زیست (مولانا روم)

ایک بار سلطان ناصر الدین محمودؒ نے اپنے وزیر الغ خان کو (جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا) ایک کثیر رقم اور چار گاؤں کا فرمان دے کر آپ کی خدمت بھیجا کہ گاؤں کی جاگیر خاص آپ کے لئے اور نقد رقم آپ کے درویشوں کے اخراجات کے لئے نذر ہے۔ حضرت نے شان بے نیازی کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہمارے خواجگان نے جاگیریں قبول کیں۔ اور نہ میں کروں گا۔ اسے ان کو دو جو اس کے خواہشمند ہیں الغ خان نے بہت اصرار کیا لیکن حضرتؒ نے رقم اور فرمان کو ہاتھ نہ لگایا۔ اسی طرح ایک دفعہ اجودھن کے حاکم نے دو گاؤں اور ایک نذر کثیر آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا لیکن آپ نے ان کے قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ ہدیہ میں لے لوں تو درویش نہ رہوں گا۔ اور نہ درویشوں کو منہ دکھا سکوں گا۔ پھر تو میں دنیا داروں کی صف میں شامل ہو جاؤں گا۔ یہ سب لے جاؤ اور کسی دوسرے کو عطا کر دو۔

آپ کی یہ شان بے نیازی مال تک ہی محدود نہ تھی۔ اولاد کے معاملے میں بھی آپ کی یہی شان تھی۔ نہ مال سے رغبت تھی اور نہ کبھی اولاد سے دل لگایا۔ ایک دفعہ گھر سے اطلاع ملی کہ ایک بچے نے رحلت کی۔ آپ نے مطلق غم و اندوہ کا

کا اظہار نہ کیا اور "اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ رٰجِعون" پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ شاید اطلاع لانے والے کا خیال تھا کہ آپ یہ خبر سن کر فرطِ غم سے بیتاب ہو جائیں گے۔ اور گھر کی طرف اٹھ دوڑیں گے لیکن جب اس نے حضرت میں کسی بیتابی کے آثار نہ دیکھے۔ تو اطلاع کے الفاظ پھر دہرائے۔ اس پر فرمایا "تو پھر یہ فقیر کیا کرے۔ اگر تقدیر حق ہے تو ہر ایک نے ایک دن اس دنیا سے سفر آخرت اختیار کرنا ہے۔"

۹

دریا دلی اور فیاضی حضرت بابا صاحب نہایت دریا دل اور فیاض تھے۔ آپ کا دریائے سخاوت ہر وقت جوش پر رہتا تھا۔ جو ہاتھ میں آتا اسی وقت راہِ خدا میں لٹا دیتے۔ فرماتے تھے کہ جو شخص رزق جمع کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے غریبوں یتیموں اور بیواؤں کے آپ ملجا و ماویٰ تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ کوئی سائل آپ کے در پر آئے اور خالی ہاتھ لوٹ جائے۔ اس معاملے میں آپ غوث الاعظم سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس قول پر عمل کرتے تھے کہ اگر مجھے ساری دنیا بھی حاصل ہو جائے تو شام تک ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھوں۔ سب بھوکوں کو کھانا کھلانے اور حاجتمندوں کی حاجتیں پوری کرنے میں صرف کر دوں۔ آپ نے ایک وسیع لنگر جاری رکھا تھا جس سے ایک مخلوق فیض اٹھاتی تھی۔ فتوح کی ساری آمدنی ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں یا لنگر خانے میں صرف کر دیتے تھے۔ لنگر خانے میں مہمانوں کے لئے عمدہ کھانے بھی پکوائے تھے۔ اور ان کی خدمت و تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ اگر گھر یا لنگر خانہ میں اور کچھ نہ ہوتا تو جو روکھی سوکھی خود کھاتے تھے وہی مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ سائل کو اپنا لباس تک اتار کر دینے سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ زندگی میں لاکھوں ہاتھ میں آئے اور لاکھوں ہی اللہ کے نام پر لٹا دیئے اپنے یا اپنی اولاد کے لئے ایک حبہ تک باقی نہ رکھا۔

آپ کا ارشاد تھا کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی صرف کیا جائے اسراف نہیں ہے اور جو غیر اللہ کے لئے خرچ کیا جائے۔ اسراف ہے۔ بعض دفعہ مجلس میں تشریف فرما ہوتے کہ یکایک دریائے سخاوت جوش میں آجاتا اور مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر مختلف قیمت کے سکے نکالتے اور حاضرین میں تقسیم کر دیتے۔ کئی دفعہ نذر میں اس قدر مٹھائیاں آتیں

کر ان کا انبار لگ جاتا آپ یہ مٹھائیاں اجودھن کے بچوں اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ اگر کچھ مٹھائی بچ جاتی تو لنگر خانہ میں مہمانوں کے لئے بھیج دی جاتی۔

(۱۰)

جذبۂ عفو و ترحم | حضرت بابا صاحبؒ کا سینہ انوار الہٰی کا گنجینہ تھا۔ اس میں کینہ یا بغض کا نام و نشان تک تھا۔ ہر کوئی سے محبت کرتے تھے اور دشمن کو بھی معاف کر دیتے تھے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے اور اس کی تکلیف دور کرنے کے لئے ہر ممکن سعی کرتے تھے۔ اجودھن کے ایک سرکاری ملازم پر وہاں کا حاکم بہت سختی کرتا تھا۔ وہ بابا صاحبؒ کے پاس فریادی ہوا۔ آپ کا قلب گداز اس کی مصیبت کا حال سن کر بے چین ہو گیا۔ آپ نے حاکم کے پاس پیغام بھیجا کہ فرید پر احسان کرو اور اس غریب کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حاکم پر آپ کی سفارش کا الٹا اثر ہوا۔ اور وہ اس ملازم پر پہلے سے بھی زیادہ سختی کرنے لگا۔ بابا صاحبؒ کو علم ہوا تو آپ نے حاکم کو بددعا دینے یا اس کے خلاف بادشاہ کے پاس شکایت کرنے کی بجائے اس ملازم کو بلا کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی کبھی کسی مظلوم کی فریاد نہ سنی ہوگی۔ اس نے کہا بیشک میں بھی بہت سخت دل رہا ہوں اب توبہ کرتا ہوں کہ کسی پر ظلم نہیں کروں گا بابا صاحبؒ نے اسے دعا دی۔ چند دن کے بعد حاکم اس سے خوش ہو گیا۔ اور اسے انعام و اکرام سے نوازا پھر اس نے بھی بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو تقصیر چاہی اور آئندہ کسی پر ظلم نہ کرنے کا عہد کیا۔

ایک بار بابا صاحبؒ کی خدمت میں چار درویش آئے اور نہایت گستاخانہ لہجہ میں گفتگو کرنے لگے۔ حضرتؒ نے بالکل برا نہ مانا اور ان سے نہایت عجز و انکسار سے گفتگو فرماتے رہے۔ مقدور بھر ان کی خدمت و تواضع بھی کی۔ جب وہ جانے لگے تو حضرتؒ نے انہیں روکا کہ فقیر کو خدمت کا کچھ اور موقع دیں لیکن وہ نہ مانے آخر حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر آپ ضرور ہی جانا چاہتے ہیں تو بیابان والا راستہ اختیار نہ کریں بلکہ فلاں راستہ سے جائیں۔ لیکن وہ درویش بابا صاحبؒ کے خیر خواہانہ مشورہ کو خاطر میں نہ لائے اور من مانی کر کے بیابان والے راستے پر ہو لئے۔ ان کے جانے کے بعد بابا صاحبؒ زار زار رونے لگے جوش گریہ سے آپ کی گھگھی بندھ گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم کا ہولناک جھکڑ چلا جس میں وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے اور آپ کا رونا جذبۂ ترحم کے سبب سے تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے قتل کے ارادہ سے خانقاہ میں آیا اور خرافات بکنے لگا۔ آپ اس سے نہایت محبت سے پیش آئے اور اس کی گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیا پھر نہایت نرمی سے فرمایا۔

"بھائی میں نے تیرا کچھ نہیں بگاڑا جو تو یہ چھری بغل میں چھپائے ہوئے میرے قتل کے لئے آیا ہے۔ ایک مسلمان کو قتل کر کے کیوں اپنی عاقبت خراب کرتا ہے"۔

یہ سنتے ہی وہ شخص آپ کے قدموں پر گر پڑا آپ نے اسے گلے لگالیا اور اس کی خطا معاف کر دی۔

(۱۱)

ارباب ثروت سے کنارہ کشی حضرت بابا صاحبؒ تمام عمر ارباب ثروت اور ارکان حکومت سے اجتناب فرماتے رہے اور اپنے خلفاء و مریدین کو بھی اہل دول سے کنارہ کشی کی تلقین فرماتے رہے۔ عہد خلجی کے مشہور درویش سیدی مولہؒ کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں رہے۔ جب رخصت ہونے لگے۔ تو انہیں ہدایت کی کہ متوسلین حکومت سے ہمیشہ دور رہنا۔ افسوس کہ سیدی مولہؒ کے ذہن سے آپ کی ہدایت نکل گئی اور اس کا نتیجہ ان کی شہادت کی صورت میں نکلا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس کتاب میں ایک اور جگہ دی گئی ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے پیر بھائی شیخ بدرالدین غزنویؒ کو بھی (جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مشہور خلفا میں سے ایک تھے) ایسا ہی مشورہ دیا لیکن شیخ بدرالدین غزنوی کو آپ کا مشورہ یاد نہ رہا۔ اور انہوں نے متوسلین حکومت سے کنارہ کشی کرنے میں حضرت بابا صاحبؒ کی روش اختیار نہ کی۔ دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لئے ایک خانقاہ بنوا دی۔ اور وہ اس میں فروکش ہو گئے۔ ملک نظام الدین، شیخ بدرالدین غزنویؒ کا بہت عقیدتمند تھا۔ اور ان کے لئے اس خانقاہ میں سامان آسائش بہم پہنچاتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد حکومت نے ملک نظام الدین سے حساب طلب کیا۔ وہ شاہی حکام کو مطمئن نہ کر سکا اور غبن کے الزام میں حکومت کا معتوب ہوا۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ اپنے مرید کو مصیبت میں دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ اور انہوں نے حضرتؒ کو اس مضمون کا خط لکھا ؎

"فرید الدین و ملت یار زیرک ۔۔۔ کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم گر جمع داری ۔۔۔ بہ رحش کردمے گوہر فشانی

شاہی عمال میں میرا ایک معتقد ہے وہ نہ صرف اپنے مال و منال سے درویشوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ بلکہ اس نے اس فقیر کے لئے ایک خانقاہ بھی بنوا دی تھی۔ مگر اب وہ غبن کے الزام میں ماخوذ ہو کر حکومت کے زیرِ عتاب ہے۔ اور بہت پریشان ہے۔ یہ فقیر بھی اس کے لئے بہت فکر مند ہے اور سکونِ خاطر سے محروم ہو گیا ہے۔

آپ سے مؤدبانہ التجا ہے کہ اس کے لئے دعا فرمائیں تاکہ اس مصیبت سے نجات پائے اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے۔"

حضرت باباصاحبؒ نے یہ خط پڑھا تو سر مبارک کو جنبش دی اور جواب میں لکھا۔

"عزیز الوجود کا رقعہ ملا۔ اس کے مطالعہ سے مسرت ہوئی اور اس کے مندرجات سے آگاہی ہوئی۔ جو شخص بھی اپنے بزرگوں کی روش ترک کرے گا ضرور ہے کہ اسے اس قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس سے وہ رنج و الم میں مبتلا ہوگا۔ ہمارے پیرانِ عظام میں سے کون تھا جس نے اپنے لیے خانقاہ بنوائی ہو اور اس میں جلوس فرمایا ہو ہمارے پیر روشن ضمیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور اُن کے پیر بے نظیر حضرت خواجہ معین الدین حسنؒ کی روش تو یہ نہ تھی کہ خانقاہیں بنوا کر دنیا داروں کی طرح دکانیں آراستہ کریں۔ ان کا شیوہ تو گمنامی اور بے نشانی کا تھا۔ لہٰذا تمہیں بھی لازم ہے کہ آئندہ شان و شوکت اور نمود و نمائش سے پرہیز کرو۔ اللہ تعالےٰ سب پر اپنا فضل و کرم کرے۔"

غرض حضرت باباصاحبؒ نہ صرف اپنے دوستوں اور مریدوں کو ارباب ثروت سے دور رہنے کا مشورہ دیتے بلکہ خود بھی ساری زندگی اسی روش پر کاربند رہے۔

(۱۴)

مسلک | حضرت باباصاحبؒ حنفی مسلک کے پابند تھے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو تمام ائمہ سے افضل سمجھتے تھے۔ اور انہیں حقیقی معنوں میں "امام اعظم" جانتے تھے۔ راحت القلوب میں ہے کہ آپ امام اعظمؒ کا اسم گرامی ان کی عظمت و بزرگی کے سبب نہیں لیتے تھے۔ اور جب ان کا ذکر آتا تو چشم پُر آب ہو جاتے۔ لیکن دوسرے مذاہب (شافعی۔ مالکی اور حنبلی) کا بھی غایت درجہ احترام فرماتے تھے اور لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ ان مذاہب کی سچائی میں بھی کسی قسم کا شک نہ کریں۔ آپ کا عمومی مسلک ہر ایک سے محبت کرنا تھا۔ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ کی ہر کہ دمہ

سے اسی محبت اور شفقت کی بدولت ہزاروں کفّار اور فسّاق وفجّار نے ہدایت پائی۔

(۱۴۳)

حسنِ صورت حسنِ سیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا صاحبؒ کو کمال درجہ کے حسنِ صورت سے بھی متصف فرمایا تھا۔ نہایت صاحب جمال اور متناسب الاعضا تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ رخسارے گوشت سے بھرے ہوئے۔ سینہ فراخ پیشانی کشادہ اور رنگ میدہ وشہاب تھا۔ ریش مبارک اطراف میں ہلکی اور ٹھوڑی پر گنجان تھی۔ چہرہ مبارک پر نور برستا تھا۔ اور اس سے ہیبت اور وقار نمایاں تھا۔ آپ کی زیارت کر کے سخت سے سخت دل بھی موم ہو جاتا تھا۔

نواں باب

علم و فضل

(۱)

علم کا بحرِ بیکراں حضرت بابا صاحبؒ کی حیاتِ طیبہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم کا ایک بحرِ بیکراں تھے جس سے ہزاروں تشنگان علم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ آپ نے اپنی زندگی کے بیشمار لیل و نہار علوم باطنی کے علاوہ علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل میں صرف کئے اور پھر وہ وقت آیا کہ علم و فضل میں وحید عصر مانے گئے۔

راحت القلوب (مرتبہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) اور اسرار الاولیاء (مرتبہ خواجہ بدر الدین اسحٰقؒ) میں حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات طیبات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ علم و فضل کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھے۔ اور نہ صرف علم طریقت بلکہ علم شریعت میں بھی درجۂ تبحر رکھتے تھے۔ ملفوظات کے ان مجموعوں میں جگہ جگہ مختلف علمی اور دینی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتؒ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ اور علم کی انتہائی قدر و منزلت آپ کے دل میں تھی۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔ "علم خدا کے نزدیک تمام عبادتوں سے افضل ہے اگر لوگوں کو علم کا درجہ معلوم ہوتا تو سب کام چھوڑ کر تحصیلِ علم میں مصروف ہو جاتے۔ علم ایک ابر ہے جو رحمت کے سوا کچھ نہیں برساتا۔ جو اس ابر سے فیض یاب ہوتا ہے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک روز ہم اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ ایک جگہ بیٹھے تھے۔ ذکر ہوا کہ علم

کی مثال شیشے کی قندیل میں ایک روشن چراغ کی ہے۔ جس سے کل عالم ناسوت و ملکوت روشن ہیں جو اس کے پرتو سے استفاضہ کرے اسے تاریکی کا اندیشہ نہیں۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں علم اور علماء کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ حدیث میں آیا ہے۔

من احب العلم و العلماء لم یکتب خطیئۃ

"یعنی جس نے علم اور علماء کو دوست رکھا اس کے گناہ نہیں لکھے جاتے"

علم سے اپنے اسی شغف اور محبت کی بدولت آپ ہر قسم کے علوم کا ایک بحر زخّار بن گئے تھے۔ لوگ بڑی دور دور سے آتے اور آپ سے مشکل مسائل حل کر لیتے۔ آپ کا قول تھا کہ انسان کو علم اس لئے حاصل کرنا چاہیئے کہ مخلوق خدا کو اس سے فائدہ پہنچائے اگر تحصیل علم کا مقصد یہ ہو کہ اپنی فضیلت جتائے اور بے وجہ بحث و مباحثہ کر کے لوگوں کو فتنہ و فساد میں مبتلا کرے تو ایسے علم کو حاصل نہ کرنا ہی اچھا ہے۔

(۲)

علمی مسائل کا حل ایک دن حضرت باباصاحبؒ اپنی مجلس میں فرما رہے تھے کہ صبر کرنے والا فقیر اس غنی سے بہتر ہے جو شکر کرتا ہے کیونکہ حق تعالٰے کا ارشاد ہے

لئن شکرتم لازیدنکم

(اگر تم شکر کروگے تو میں نعمت زیادہ کروں گا) لیکن صبر کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے۔ "ان اللہ مع الصابرین" (بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) ان دونوں مرتبوں میں بڑا فرق ہے۔

حاضرین مجلس میں قاضی محی الدین کاشانی بھی تھے۔ انہوں نے پوچھا "یا شیخ! وھو معکم اینما کنتم (جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے) اور ان اللہ مع الصابرین) دونوں جگہ معیت خداوندی پائی جاتی ہے پھر صابرین کے لئے معیت کے الگ بیان کرنے میں کیا حکمت ہے۔

حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا کہ جو معیت عام ہے وہ یَعْلَمُ وَیَرٰی (اللہ تعالٰے سب کو جانتا ہے) کے مصداق ہے اور جو معیت خاص ہے وہ معیت مع عنایت ہے۔ یعنی یُحِبُّ وَیَرْضٰی (اللہ صابرین سے محبّت رکھتا ہے اور راضی ہے) کے مصداق ہے۔

ایک دفعہ مولانا بدرالدینؒ نے پوچھا کہ حضور کتاب الشرع میں زَیِّنْ کَ ہے یا سَتِّرْ کَ
فرمایا "زَیِّنْ کَ" اور پھر نظیر دے کر فرمایا اَسْتِرْ سِرَّکَ مِنْ ذَنْبِکَ
(اپنے گریبان میں چھپالے یعنی اپنے راز کی پوری پوری حفاظت کر)

شمائل الاتقیا میں روایت ہے کہ ایک دن سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ خلافت سے پہلے ایک مسجد میں بیٹھ کر کسی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے۔ وہاں ایک صاحبِ نعمت درویش بھی بیٹھے تھے۔ معاً وہ سلطان المشائخؒ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ "مولانا نظام الدین علم ایک بڑا حجاب ہے"۔ حضرت سلطان المشائخؒ ان کے ارشادات کی تہ تک نہ پہنچے اور حیران ہوئے کہ علم کو حجاب تو کہا جاسکتا ہے لیکن اسے بڑا حجاب کیسے کہا جاسکتا ہے۔ درویش نے فرمایا جب اس منزل پر پہونچ گئے۔ تو اس راز سے آگاہ ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد سلطان المشائخؒ حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس اشکال کا حل دریافت کیا۔ باباصاحبؒ نے فرمایا "حجاب کی دو قسمیں ہیں ایک ظلمانی اور دوسری نورانی۔ اخلاق ذمیمہ ظلمانی حجاب ہیں جو شخص توبہ کر لیتا ہے اور برے کام ترک کر دیتا ہے۔ وہ حق تعالےٰ کی بخشش کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ لیکن علم ایک نورانی حجاب ہے۔ جس کو عبور کرنا یا اس کے کنارے سے اٹھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے جب تک شرعی علوم میں بھی دستگاہ نہیں ہوگی۔ خدا کی معرفت قربت اور محبت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے علم کو ایک بڑا حجاب کہنا صحیح ہے"
غرض مشکل سے مشکل مسائل حضرت باباصاحبؒ چشم زدن میں حل کر دیتے تھے۔ منقولات اور معقولات میں درجہ کمال رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے ذہن رسا عطا فرمایا تھا۔ کسی مسئلہ کی تہ تک پہنچنے میں قطعاً کوئی مشکل محسوس نہ فرماتے تھے۔

(۱۳)

درس و تدریس اوپر حضرت باباصاحبؒ کے اس ارشاد مبارک کا ذکر آچکا ہے کہ انسان کو علم اس لئے حاصل کرنا چاہئیے کہ مخلوق خدا کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ اپنی عملی زندگی میں باباصاحبؒ اسی قول پر کاربند تھے۔ آپ کی خانقاہ دنیادار پیروں کی خانقاہ نہیں تھی بلکہ وہ ایک عظیم درسگاہ تھی۔ جس میں لوگوں کو علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کا ذکر ہوتا تھا۔ اس درسگاہ کے دروازے

ہر کہ و مہ پر کھلے تھے۔ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اس منبع علم سے فیضیاب ہوتا تھا۔ ایک طرف تو حضرت باباصاحبؒ اپنی مجالس حسنہ میں ارادتمندوں کے حلقہ میں حقائق و معارف اور لطائف و نکات کے دریا بہاتے تھے۔ دوسری طرف طلباء کو روزانہ قرآن و حدیث تفسیر و فقہ اور طریقت و شریعت کا درس دیتے تھے۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے آپ سے عوارف المعارف کے پانچ باب۔ تمہید ابوشکور سلمی اور کئی دوسری کتابیں پڑھیں۔ عوارف المعارف سے آپ کو بہت شغف تھا اور اس کا درس ایسے موثر انداز میں دیا کرتے تھے کہ سننے والوں کے دل پانی ہوجاتے تھے۔ عوارف المعارف حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی ایک بلند پایہ تصنیف ہے اسے صوفیہ کے ہر طبقہ کے نزدیک مستند سمجھا جاتا ہے بلکہ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی[1] متاخرین کے سلوک کے علمی حصہ کا بڑا ماخذ یہی کتاب ہے اس میں باسٹھ باب ہیں۔ جن میں تصوّف سلوک۔ عبادات۔ آداب و لباس وغیرہ عنوانات پر حقائق و معارف کے موتی بکھیرے گئے ہیں۔ حضرت باباصاحبؒ کا اس عظیم کتاب سے شغف آپ کے تبحر علمی پر دال ہے۔

ایک علمی سفارش نامہ حضرت باباصاحبؒ دنیاداری اور بادشاہت کو ہیچ سمجھتے تھے اور عام طور پر بادشاہ وقت اور متوسلین حکومت سے الگ رہتے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے روزمرّہ کی زندگی سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا تھا۔ حکام وقت سے کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی صورت میں سابقہ پڑنا لازم تھا۔ لیکن اس میں آپ کا طرز عمل ایسا ہوتا تھا کہ بادشاہ اور حکام اپنی حیثیت اور رموز حکومت کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ چنانچہ آپ ضرورتمندوں کی بادشاہ یا مقامی حکام سے سفارش بھی کر دیا کرتے تھے۔ حاکم اجودھن سے ایک ضرورتمند کی سفارش کرنے کا واقعہ ایک دوسری جگہ بیان کیا جاچکا ہے ایک دفعہ کسی شخص نے سلطان غیاث الدین بلبن کے نام (جو آپ کا عقیدتمند اور خسر تھا) آپ سے سفارش لکھوائی۔ آپ نے یہ سفارش نامہ عربی زبان میں اس طرح لکھا:

رَفَعْتُ قِصَّتَهٗ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ اِلَيْكَ فَاِنْ اَعْطَيْتَهٗ شَيْئًا فَالْمُعْطِي هُوَ اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَشْكُوْرُ۔ وَاِنْ لَمْ تُعْطِهٖ شَيْئًا فَالْمَانِعُ هُوَ اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ!

---

[1] تصوف اسلام

" یعنی میں نے اس شخص کا مقصد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا۔ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ نے اسے کچھ عطا کر دیا تو دین تو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ہو گی۔ اور آپ صرف شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ اور اگر آپ اسے کچھ نہ دیں گے تو در حقیقت روک اللہ کی طرف سے ہو گی اور آپ معذور رہیں گے۔"

اس علمی سفارش نامہ میں اہلِ بصیرت کے لئے ایک درسِ ہدایت مضمر ہے

انکسارِ علمیت اگرچہ حضرت بابا صاحبؒ جملہ علوم ظاہری و باطنی کے منتہی تھے۔ لیکن آپ کے انکسارِ علمی کا یہ عالم تھا کہ کبھی دوسروں پر اپنی فضیلت جتانے کے لئے اپنے علم کا اظہار نہیں فرمایا۔ ایسی خوش گفتاری اور حسن و خوبی کے ساتھ علمی مسائل بیان کرتے تھے کہ نہ صرف دوسروں کے علم میں اضافہ ہوتا تھا بلکہ ان کی اصلاحِ نفس بھی ہو جاتی تھی۔ اپنے انکسارِ علمی کی وجہ سے بحث و مناظرہ سے ہمیشہ اجتناب فرماتے تھے۔ سلطان ناصر الدین کے عہدِ حکومت میں مولانا فصیح الدین ایک جیّد عالم تھے۔ منقولات اور معقولات میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ بعض علمی مسائل میں انہوں نے دہلی کے بڑے بڑے نامور علماء کو بحث و مناظرہ میں لاجواب کر دیا۔ اس سے ان کے دل میں زعم پیدا ہو گیا کہ علم کے میدان میں کوئی شخص ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ کسی نے انہیں بتایا کہ اجودھن میں ایک متبحر عالم شیخ فریدالدین گنجشکرؒ ہیں کوئی علمی مسئلہ ایسا نہیں جسے وہ حل نہ کر سکیں۔ مولانا فصیح الدین اجودھن پہنچے اور مناظرانہ رنگ میں حضرت بابا صاحبؒ سے چند دقیق مسائل دریافت کئے۔ حضرتؒ کسی کی دلآزاری اور مناظرہ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ آپ نے مولانا فصیح الدین کے کسی سوال کا جواب نہ دیا اس موقع پر آپ کے شاگرد اور مرید خاص سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بھی موجود تھے۔ وہ نہ رہ سکے اور اسی وقت مولانا فصیح الدین کے سوالات کا جواب ایسے مدلل طریقہ سے دیا۔ کہ وہ خاموش ہو گئے۔ اور کچھ مایوس سے ہو کر اجودھن سے رخصت ہو گئے ان کے جانے کے بعد حضرت بابا صاحبؒ سلطان المشائخ پر ناراض ہوئے کہ تم نے ناحق فصیح الدین کی دلآزاری کی ہے۔ اگر وہ طالب علم کی حیثیت سے آتے تو میں بھی ان کے سوالات کا جواب دے دیتا۔ لیکن وہ پندارِ علمی میں مبتلا تھے اس لئے میں خاموش ہو گیا کہ اپنے پندارِ علمی کے ٹوٹنے سے ان کا دل نہ دکھے۔ اب جاؤ اور جا کر مولانا فصیح الدین کی تالیف قلب کرو۔ سلطان المشائخؒ

مرشد گرامیؒ کے ارشاد کے مطابق مولانا فصیح الدین کے پاس پہنچے۔ اور ان سے بار بار معذرت کرنے لگے۔ انہوں نے کہا "مولانا آپ معذرت کس بات کی کرتے ہیں آپ کے جوابات تو بالکل درست تھے" سلطان المشائخؒ نے اب سارا واقعہ بیان کیا کہ میرے مرشد گرامی آپ کی خوشی کو سوالات کے جواب پر مقدم سمجھتے تھے اسی لئے وہ میرے جواب دینے پر ناراض ہوئے ہیں اور مجھے آپ کے پاس معذرت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

یہ سن کر مولانا فصیح الدین حضرت باباصاحبؒ کے انکسار علمی سے اتنے متاثر ہوئے کہ حضرت سلطان المشائخؒ کے ساتھ واپس جاکر باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بصد ادب ملتجی ہوئے کہ مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرمالیجئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ پہلے اپنے علم کے زعم سے توبہ کریں۔ اس کے بعد ہی میں آپ سے بیعت لوں گا۔ مولانا فصیح الدین اسی وقت اپنے زعم سے تائب ہوگئے۔ اور حضرت باباصاحبؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

(۶)

شیخ بدرالدین اسحٰقؒ کا واقعہ ارادت حضرت باباصاحبؒ کے داماد اور مرید خاص حضرت خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ ایک متبحر عالم تھے اور حضرتؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے سے پہلے ان کو اپنے علم وفضل پر بڑا ناز تھا۔ ایک دفعہ ان کو ایک پیچیدہ علمی مسئلہ میں مشکل پیش آئی۔ دہلی کے بڑے بڑے جید علماء نے اس مسئلہ کے حل کرنے میں اپنے عجز کا اظہار کیا۔ غزنی بخارا اور بغداد ان دنوں علم کے مرکز تھے۔ خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ وہاں کا عزم کرکے دہلی سے چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں ان کا قیام اجودھن میں ہوا۔ کسی شخص نے ان کے سامنے حضرت باباصاحبؒ کے تبحر علمی کی تعریف کی۔ خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ پیدل ہی باباصاحبؒ سے ملاقات کے لئے پہنچے آپ اس وقت اپنی مجلس میں کسی موضوع پر گفتگو فرمارہے تھے۔ نووارد کو دیکھ کر فرمایا "مولانا آپ کی اجازت ہو تو میں اپنی گفتگو پوری کرلوں پھر آپ سے باتیں ہوں گی" خواجہ اسحٰقؒ نے کہا "آپ شوق سے اپنی گفتگو جاری رکھیں" حضرت باباصاحبؒ پھر درس و ارشاد میں مشغول ہوگئے اور باتوں باتوں میں وہ پیچیدہ علمی مسئلہ بھی حل کردیا جس کی خاطر خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ نے عزم سفر کیا تھا۔ خواجہ صاحبؒ دنگ رہ گئے اور علم وفضل کا سارا گھمنڈ ان کے دل سے دور ہوگیا۔

اسی وقت حضرت بابا صاحبؒ کے پاؤں پکڑ لئے اور روتے ہوئے آپ سے التجا کی کہ مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیجئے۔ بابا صاحبؒ نے انہیں مرید کر لیا۔ اور اپنی خاص توجہ سے انہیں درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ خواجہ بدر الدین اسحقؒ نے سالہا سال تک حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت والہانہ محبت اور عقیدت سے کی۔ اور آپ کی نظر میں اتنے محبوب ہو گئے کہ آپ نے اپنی چھوٹی بیٹی سیدہ فاطمہؓ کی شادی خواجہ صاحبؒ سے کر دی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے روایت ہے کہ خواجہ بدر الدین اسحقؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کی اکیلے اتنی خدمت کی کہ دس خادم بھی نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت بابا صاحبؒ نے خواجہ بدر الدین اسحقؒ کو اپنی خلافت بھی عطا کی۔

(۷)

ذوقِ شعر و ادب حضرت بابا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے شعر و سخن کا نہایت پاکیزہ ذوق عطا کیا تھا۔ آپ کو نہ صرف عربی اور فارسی ادب سے گہرا شغف تھا بلکہ اس دور کی اردو اور پنجابی میں بھی آپ پاکیزہ ذوقِ سخن رکھتے تھے۔ فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ابوبکر قوال نے حضرت بابا صاحبؒ کے سامنے عربی کے دو شعر پڑھے جو اس نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کو سنائے تھے اور کہا کہ اس سلسلے کے باقی اشعار یاد نہیں رہے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے فوراً باقی کے اشعار پڑھ دیئے۔ ابوبکر قوال نے تسلیم کیا کہ فی الواقعہ یہی اشعار میں بھول گیا تھا۔

حضرت بابا صاحبؒ کبھی کبھار فارسی میں شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ اور آپ کا کلام نہایت بلند پایہ اور عارفانہ ہوتا تھا۔

تاریخ فرشتہ میں آپ سے یہ رباعی منسوب ہے۔

گیرم کہ بہ شب نماز بسیار کنی
در روز دوائے شخص بسیار کنی
تا دل نہ کنی ز غصہ و کینہ خالی!
صد خرمن گل بر سر یک خار کنی!

یہ شعر بھی آپ سے منسوب ہے ؎ ہیچو مرغ بسمل بر ندت ... در میان خاک و خون رقصی زنم

مختلف تذکروں میں حضرت بابا صاحبؒ کی حیاتِ طیبہ کے بعض واقعات سے معلوم

ہوتا ہے کہ آپ اردو بھی بول لیتے تھے۔ "پنجاب میں اردو" میں حافظ محمود شیرانی مرحوم سیر الاولیاء (سید محمد مبارک امیر خورد دہلویؒ) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت باباصاحبؒ کے خلیفہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ کا وصال ہو گیا تو ان کی بیوی "مادر مومنان" مرحوم شوہر کی وصیت کے مطابق اپنے خورد سال بچے برہان الدین صوفی کو ساتھ لے کر حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرتؒ نے ننھے برہان الدین کی بہت توقیر کی اور انہیں فوراً اپنی بیعت میں لے لیا۔ اس موقع پر مادر مومنان نے عرض کیا۔

"خوجا برہان الدین بالا ہے"

یعنی اے خواجہ برہان الدین ابھی بچہ ہے۔

حضرتؒ نے ان الفاظ میں جواب دیا

"مادر مومنان! پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے"

یعنی اے مادر مومنان آغاز ماہ کا چاند بھی چھوٹا ہوتا ہے

حافظ صاحب مرحوم نے اسی طرح کا ایک اور واقعہ "جواہر فریدی" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت باباصاحبؒ کی آنکھ آئی ہوئی تھی اور آپ نے آنکھ پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ اسی حالت میں اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ[1] کو وضو کرانے لگے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ آنکھ پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے۔ باباصاحبؒ نے جواب دیا۔

"آنکھ آئی ہے"

---

[1] بعض تذکروں میں یہ روایت اس طرح درج ہے کہ جن دنوں حضرت باباصاحبؒ مرشد گرامی حضرت قطب الاقطابؒ کے پاس دہلی میں مجاہدات کر رہے تھے۔ تو منجملہ دوسرے امور کے آپ نے پیر و مرشدؒ کو وضو کرانے کی خدمت بھی اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ ایک دفعہ سخت سردی پڑ رہی تھی۔ آپ کو حضرت پیر و مرشدؒ کے لئے گرم پانی درکار تھا۔ آگ کی تلاش میں دیوانہ وار گلیوں میں پھرنے لگے۔ ناگاہ ایک عورت کے مکان میں آگ جلتی نظر آئی۔ آپ نے دروازہ پر دستک دی تو وہ عورت باہر آئی۔ آپ نے مرشدؒ کے وضو کا پانی گرم کرنے کیلئے آگ طلب کی۔ اس عورت نے بپھر کر جواب دیا کہ اگر مرشدؒ سے ایسا ہی عشق ہے تو اپنی ایک آنکھ نکال کر دیدو اور آگ لے جاؤ۔ آپ نے بلا تامل اپنی آنکھ نکال کر اس عورت کو پیش کر دی اور آگ لے کر قیام گاہ پر پہنچے۔ یہاں ایندھن ختم تھا چارپائی توڑ کر آگ جلائی اور پانی گرم کر کے حضرت

خواجہ بختیار کاکیؒ نے فرمایا "اگر آئی ہے ایں را چرا بستہ آید"

"پنجاب میں اردو" میں حضرت بابا صاحبؒ کی ایک فارسی آمیز اردو نظم بھی درج ہے۔ اس نظم کے ماخذ کا حال بیان کرتے ہوئے حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں۔

"ذیل کی نظم بھی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی طرف منسوب ہے۔ جس کے لئے میں سید نجیب اشرف صاحب ندوی اور سید عبدالحکیم صاحب ناظم کتب خانہ الاصلاح دسنہ ضلع پٹنہ کا منت پذیر ہوں۔ یہ نظم سید اشرف صاحب نے دسنہ لائبریری کے بعض بوسیدہ اوراق قدیم سے حاصل کی ہے۔ جن پر حضرت بابا صاحبؒ کے اقوال فارسی بھی درج تھے۔ اور ناظم صاحبؒ نے ایک نقل نہایت مہربانی کر کے میرے پاس بھیج دی ہے۔ وہوا ہذا۔

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے!

خیز دراں وقت کہ برکات ہے

نفس مبادا کہ بگوید ترا!

خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

بادم خود ہمدم ہشیار باش

(بقایا حاشیہ صفحہ ۱۰۲) پیر و مرشد کی خدمت میں لے گئے۔ آنکھ پر آپ نے اپنی پگڑی کا پلیٹ دے رکھا تھا حضرت خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کی نظر پڑی، پوچھا "فرید آنکھ پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے" آپ نے جواب دیا "آنکھ آئی ہے" حضرت پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا "عمامہ آنکھ سے ہٹاؤ" بابا صاحبؒ نے تعمیل ارشاد کی تو آنکھ صحیح سالم ہو گئی۔ بلکہ دوسری آنکھ سے قدرے بڑی نظر آتی، چنانچہ حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد امجاد میں جو بھی سجادہ نشین ہوتے ہیں ان کی ایک آنکھ چھوٹی اور ایک بڑی نظر آتی ہے کہتے ہیں جب اس عورت کو حضرت قطب الاقطابؒ کی اس کرامت کا پتہ چلا تو وہ اپنے اہل وعیال سمیت حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سچے دل سے توبہ کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئی۔

(محمد امین شرقپوری)

صحبت اغیار بوری (الکذا۔ بری) بات ہے

باتن تنہا چہ روی زین زمیں
نیک عمل کن کہ وہی سات ہے (ساتھ)
پند شکر گنج بدل جان شنو
ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

کہا جاتا ہے کہ فارسی اور اردو کے علاوہ حضرت بابا صاحبؒ پنجابی زبان کے بھی قادر الکلام شاعر تھے۔ چنانچہ سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحبؒ میں ۱۱۲ اشلوک اور چار شبد حضرت بابا صاحبؒ سے منسوب ہیں۔ بعض دوسرے تذکروں میں بھی بابا صاحبؒ کا پنجابی کلام درج ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ نے پنجابی ادب کو پرانی روایات اور سنسکرت نما ادب کی دلدلوں سے نکال کر نئی اور صحت مند روشوں پر ڈالا۔ آپ کے پنجابی کلام کی پختگی۔ زبان کی خوبی اور محاورہ بندی اس زمانے کے ادب میں ایک لاثانی درجہ رکھتی ہے۔ لیکن موجودہ دور کے بعض محققین کا خیال ہے کہ جو پنجابی کلام حضرت بابا صاحب فریدالدین گنج شکرؒ سے منسوب کیا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ درحقیقت حضرت شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کا ہے جو حضرت بابا صاحبؒ کی گیارھویں پشت سے تھے۔ اور آپ کی گدی کے بارھویں سجادہ نشین تھے۔ حضرت شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کے سوانح حیات اس کتاب میں کسی جگہ الگ درج کئے گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ اور شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ دونوں پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اور دونوں کے پنجابی کلام میں کمال درجہ کی مماثلت ہے۔ دونوں کے کلام کو الگ کرنا بڑی تحقیق اور عرق ریزی کا کام ہے۔ اس لئے تذکروں میں دونوں بزرگوں کا کلام ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گیا ہے حتےٰ کہ سکھوں میں بھی اس بارے میں اختلاف ہے کہ گرنتھ صاحب کے مذکورہ بالا اشلوک اور شبد حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے ہیں یا ابراہیم فرید ثانیؒ کے۔ بہرصورت جو پنجابی کلام حضرت بابا صاحبؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے کچھ نمونے نیچے درج کئے جاتے ہیں (ہو سکتا ہے کہ اس میں سے کچھ کلام حضرت ابراہیم فرید ثانیؒ کا ہو)

دوہے بابا فریدؒ سے

کاگا سب تن کھائیو چُن چُن کھائیو ماس
دو نین مول نہ کھائیو پیا ملن کی آس

فریدا رتی رَت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے
جو تن رَتے رب سیوں تِن تن رت نہ ہوئے

فریدا خالق خلق میں۔ خلق وسے رب مائے
مندا کسے نہ لکھیئے۔ جاں تس بن کوئی نائے

فریدا خاکو نہ نندیئے، خاکو جیڈ نہ کوئے
جیوندیاں پیراں تلے تے مویاں اُپر ہوئے

فریدا ایسا ہو رہو جیسا ککھ مسیت
پیراں ہیٹھ لتاڑیئے اوہ کدی نہ چھُٹیے پریت

فریدا کالے مینڈے کپڑے کالا مینڈا ویس
گنہی بھریا میں پھراں لوک کہن درویش

فریدا میں بھلاوا پگ دا مت میلی ہو جائے
گہلا روح نہ جانیئے، سر بھی مٹی کھائے

فریدا جو تینے مارن مکیاں تنہاں نہ ماریں گھم
اپنڑے گھر جایئے پیر تنہاں دے چُم

آپ جاواں یا قاصد گھلاں دلبر یار دے وَتے   دے ہُن دیدا و دلبرا! اساں دکھ لکھاں ہر چھلے
ہجر ترے وچ صبر نہ ملیا لکھ لکھ کیتے تلے   یار فرید، اوہ ملن سجن نوں صبر جنہاں دے پلے

ہٹیا دلبر وَل سجدے کردی، لوک جاون وَل مکے
لوک تاں تکدے عید دے چن نوں چن ماہی نوں تکے

یار مرے دے دور ٹھکانے پہنچ نہ کوئی سکے
یار فرید اوہی پہنچے صدق جنہاں دے پلے[1]

○

---

[1] و [2] انتخاب ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم اے پی ایچ ڈی (رسالہ پیل ونہار لاہور ۲۱ جولائی ۱۹۶۱ء)
بظاہر یہ کلام شیخ فرید (چاچڑاں شریف) کا معلوم ہوتا ہے۔

دسواں باب

ذوقِ سماع

(۱)

سماع سے متعلق باباصاحبؒ کے ارشادات

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے اشغال میں سماع کو ہمیشہ خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ حضرت باباصاحبؒ بھی اسی سلسلہ کے ایک گوہرِ تابدار تھے۔ آپ کے پیرانِ عظام حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو سماع سے جو شغف تھا تذکرہ نگاروں نے اس کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ حضرت باباصاحبؒ اپنے پیرانِ عظامؒ کے طریقہ پر چلنا عین سعادت سمجھتے تھے اسی لئے آپ کو بھی سماع سے گہرا شغف تھا۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں سماع پر بحث چھڑ گئی اس مجلس میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ۔ شیخ بدرالدینؒ۔ شمس دبیر اور کچھ دوسرے درویش موجود تھے۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے فرمایا "سماع دلوں کی راحت کا باعث ہے اس سے اہل محبت کو جو بحرِ عشق کے شناور ہوتے ہیں جنبش و حرکت ہوتی ہے" حضرت باباصاحبؒ نے جواب دیا "بیشک رسمِ عشاق یہی ہے کہ جب محبوب کا ذکر ہوتا ہے تو لذت محسوس کرتے ہیں"

شیخ بدرالدین غزنویؒ نے پوچھا "حضرت سماع والوں پر بیہوشی کیوں طاری ہو جاتی ہے۔" حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا "جس دن سے وہ ندائے اَلَستُ بِرَبِّکُم سن کر بیہوش ہوئے ہیں بیہوشی ان کے خمیر میں ڈال دی گئی ہے۔ اس لئے آج بھی جب ان کے

کان میں کوئی اچھی آواز آتی ہے وہ بیخود ہو جاتے ہیں۔ شمس دبیرؒ نے عرض کی "یا حضرت
ندائے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے وقت تمام ارواح ایک جگہ تھیں یا علیحدہ علیحدہ"

حضرت بابا صاحبؒ نے جواب دیا "اس موقع پر سب روحیں ایک جگہ تھیں۔ امام
غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ اس وقت سب روحیں برابر تھیں لیکن اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سن کر ان
کے چار گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے سب سے آگے بڑھ کر دل و جان سے "بلیٰ" کہا اور
سجدے میں گر پڑا۔ یہ انبیاء۔ صدیقین۔ اولیاء اور صالحین کا گروہ تھا۔ دوسرے گروہ نے
دل سے تسلیم کیا لیکن زبان سے "بلیٰ" نہ کہہ سکا۔ البتہ سجدے میں وہ بھی گر پڑا۔ یہ وہ لوگ
ہیں جو غیر مسلموں کے گھرانے میں پیدا ہوئے مگر ان کا خاتمہ حالت اسلام میں ایمان پر
ہوا۔ تیسرے گروہ نے زبان سے "بلیٰ" کہہ دیا لیکن دل سے اقرار نہ کیا۔ سجدہ انہوں
نے بھی کیا لیکن بعد میں اپنی سجدہ ریزی پر پشیمان ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مسلمانوں کے
گھر پیدا ہوئے لیکن کافر ہو کر مرے۔

چوتھے گروہ نے نہ زبان سے اقرار کیا نہ دل سے اور سجدہ کرنے سے بھی انکار
کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو پیدائش سے مرگ تک کفر و طغیان میں ڈوبے رہے۔ یہاں تک
بیان کر کے حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ سماع سے جن لوگوں پر بے ہوشی طاری ہو جاتی
ہے یہ وہی ہیں جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سن کر بیخود ہو گئے تھے۔ وہی بیخودی ان میں اب
تک موجود ہے۔ جب اپنے ربّ کا ذکر سنتے ہیں تو مست ہو جاتے ہیں۔ حق یہ ہے
کہ جب تک کسی کو معرفت الٰہی حاصل نہ ہو جائے وہ خواہ ہزار سال عبادت کرتا رہے
لطف نہیں آئے گا۔ طاعت و عبادت کی لذت صرف حق تعالےٰ کو پہچان لینے
سے ہے۔ ندائے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سے مراد یہی شناخت دوست ہے

اس میں — ہ کے لیے جائز ہے۔ جن پر حالت استغراق میں اگر
سے حاصل ہوتی ہے — ائیں تو انہیں خبر تک نہ ہو۔ کیونکہ جب کوئی شخص
اور سماع صرف ان لوگوں — ہوش نہیں ہوتا۔ کوئی آئے کوئی جائے
ایک لاکھ تلواریں بھی چلائی جا — و حرمت پر گفتگو چھڑ گئی۔ حضرت
خیال یار میں مستغرق ہو اسے دنیا و مافیہا کا — راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی
اسے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ سماع کی حلت
بابا صاحبؒ نے فرمایا "سبحان اللہ کوئی جل کر
حلت و حرمت کے اختلاف میں ہوں"

(۲)

سماع کی قیود و شرائط حضرت بابا صاحبؒ اور دوسرے بزرگانِ چشت جس سماع سے شغف رکھتے تھے اسے آج کل قوالی کی محفلوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے "سماعِ چشتیہ" کے مقررہ آداب تھے اور وہی لوگ سماع کے اہل سمجھے جاتے تھے جو مقررہ قیود و شرائط کی پابندی کر سکیں۔ محبوب الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بزرگانِ چشت میں جو مرتبہ ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ وہ حضرت بابا صاحبؒ کے خلیفۂ خاص تھے اور مدتوں آپ کا فیضِ صحبت اٹھایا تھا۔ بابا صاحبؒ نے ان کی تربیت پر خاص توجہ دی تھی اور اشارۂ غیبی پاکر انہیں ولایتِ ہندوستان عطا کی تھی، حضرت محبوب الٰہی کی جلالتِ شان یہ تھی کہ انھیں دیکھتے ہی حضرت بابا صاحبؒ کی زبانِ مبارک پر یہ شعر آگیا تھا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یہی حضرت سلطان المشائخ سماع کو کیا سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک سماع سننے کے لئے کیسی کڑی شرائط و قیود کی پابندی ضروری تھی۔ یہ انہی کے الفاظ میں سنئے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے ارشادات اپنے مرشدِ گرامی حضرت بابا صاحبؒ کے خیالات کا عکس لیے ہوئے تھے۔ سماع کی تعریف ان کے نزدیک یہ تھی۔

"سماع صوتے ست موزوں چرا حرام باشد
دیگر تحریکِ قلب ست، اگر آں تحریک بیادِ حق
باشد مستحب ست و اگر میل بہ فساد باشد
حرام بود" (فوائد الفواد)

ترجمہ:۔ سماع تو محض آواز (موزوں) کا نام ہے۔ اس لئے اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور یہ قلب کی تحریک کا باعث بھی تو ہے اگر یہ تحریک اللہ کی یاد میں ہو تو مستحب ہے اور اگر اس میں خرابی کا جذبہ ہو تو حرام ہے"

اب ذرا آپ سے سماع کے آداب اور قیود و شرائط سنئے

"گفت ہر گاہ کہ چند چیز جمع شود۔ سماع آنگاہ شنود و آں چند چیز چیست؟ مسمع و مسموع و مستمع و آلہ سماع آنگاہ ایں تقسیم را فائدہ فرمود گفت کہ مسمع

گوینده ست آدمی باید کہ مرد باشد مرد تمام بود، کودک نہ باشد و عورت نہ باشد، مسموع آنچہ می گویند باید کہ ہزل وفحش نہ باشد مستمع آں کہ می شنود او ہم باید کہ بحق بہ شنود وعلو از یاد حق باشد، آلت سماع چوں چنگ و رباب و امثال آں باید کہ درمیان نہ باشد۔ ایں چنیں حلال است (فوائد الفواد)

ترجمہ:۔ فرمایا کہ سماع اس وقت سنے جب یہ چند چیزیں یکجا ہوں اور وہ چند چیزیں کیا ہیں؟ (ایک) مسمع (دوسرے) مسموع (تیسرے) مستمع اور (چوتھے) آلۂ سماع پھر اس تقسیم کی تفصیل اس طرح بیان کی، مسمع سے مراد گانے والا ہے اسے بالغ مرد ہونا چاہیئے امرد اور عورت نہ ہو۔ مسموع سے مراد کلام ہے جس میں ہزل وفحش نہ ہو۔ مستمع سے مراد سننے والا ہے اسے چاہیئے کہ اللہ کے لئے سنے اس کا دل یاد الٰہی سے لبریز ہو۔ اور آلۂ سماع مثل چنگ و رباب وغیرہ کے کچھ نہ ہو[1] پس انہی شرائط کے ساتھ سماع جائز ہے۔

فوائد الفوائد میں کئی ایسے واقعات درج ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ مزامیر کے ساتھ سماع کو سرے سے جائز ہی نہ سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے آستانہ کے کچھ درویش ایک ایسی محفل میں چلے گئے جہاں چنگ و رباب اور مزامیر کے ساتھ گانا ہو رہا تھا۔ حضرت سلطان المشائخؒ کو کسی نے آکر خبر دی۔ آپ نے فرمایا "نیکو نہ کردہ اند ۔ آنچہ نامشروع است ناپسندیدہ است"

یعنی اچھا نہیں کیا جو چیز شریعت میں روا نہیں وہ بری ہے جب درویش واپس آئے تو آپ نے ان سے بازپرس کی کہ تم نے مزامیر کے ساتھ سماع کیوں سنا۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق اور متحیر ہو گئے کہ ہمیں مزامیر کی موجودگی کا پتہ ہی نہ چلا۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا "تمہارا جواب لغو ہے۔ وہ کام گناہ ہی شمار ہوگا"

ایک اور موقع پر باجے کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"نماز با جماعت میں اگر عورتیں بھی شامل ہوں۔ اور امام کو سہو ہو جائے تو مرد سبحان اللہ کہہ کر امام کو لقمہ دے سکتے ہیں۔ لیکن عورت صرف ہاتھ پر ہاتھ

---

[1] یعنی آلۂ سماع زبان منہ اور گلے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مار کر امام کو متوجہ کر سکتی ہے (کیونکہ عورت کی آواز نامحرموں کے کان میں نہیں جانی چاہیئے) اور اس میں بھی یہ احتیاط لازم ہے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی مار کر تالی کی صورت پیدا نہ کرے۔ بلکہ ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کی پشت پر مارے۔ تو جب لہو کے درجہ کی چیزوں میں یہاں تک احتیاط ہے کہ (طویل) دستک تک کی اجازت نہیں تو (سماع میں) باجہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے" (فوائد الفواد)

حضرت باباصاحبؒ کا ذوق سماع

حضرت باباصاحبؒ کے ذوق سماع کا عجیب عالم تھا۔ وقتاً فوقتاً آپ پورے اہتمام سے سماع کی محفلیں منعقد فرماتے اور کیف وعرفان سے لبریز اشعار پر پہروں سر دھنتے رہتے۔ اگر کبھی اتفاقیہ بھی کوئی پرسوز شعر سن لیتے تو آپ پر حالت وجد طاری ہو جاتی۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ اوحد کرمانیؒ کے سامنے گانے والا ایک قوال محمد شاہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آپ کی مجلس میں آگیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کچھ سناؤ۔ قوالوں نے یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

ملامت کردن اندر عاشقی است ملامت کے کند آں کس کہ بیناست

نہ ہر تردامنے را عشق زیبد نشان عاشقی از دور پیداست

نظامی ناتوانی پارسا باش کہ نور پارسائی شمع ولہاست

باباصاحبؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ کبھی رقص کرتے تھے اور کبھی عالم تحیر میں کھو جاتے تھے۔ ایک دن رات آپ کی یہی کیفیت رہی۔ نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور نماز پڑھ لیتے اس کے بعد پھر حالت وجد میں آجاتے۔

ایک دن حضرت باباصاحبؒ پر ذوق سماع کا غلبہ ہوا۔ فرمایا اگر اس وقت قوال ہوں تو کچھ سنیں۔ اتفاقاً کوئی قوال موجود نہ تھا۔ خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ اس وقت آپ کے خریطے سے مکتوبات اور رقعات نکال کر دیکھ رہے تھے۔ ایک خط انہوں نے باباصاحبؒ کے ملاحظہ کیلئے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا "تم ہی پڑھ کر سناؤ"۔

خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ نے پڑھنا شروع کیا "فقیر حقیر ضعیف، نحیف، محمد عطا کہ بندہ درویشاں است واز سر و دیدہ خاک قدم ایشاں" یہاں تک پہنچے تھے کہ حضرت باباصاحبؒ وجد میں آگئے بے اختیار سر دھنتے تھے اور تڑپتے تھے اور زبان مبارک سے بار بار یہ رباعی پڑھتے تھے۔

آں عقل کجا کہ از کمالِ تو رسد ۔۔۔ واں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال ۔۔۔ آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد

اسی حالت میں آپ پر ایک رات دن گزر گیا۔

ایک دفعہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے آپ کے سامنے یہ بیت پڑھی ؎

زانگاہ کہ بندۂ تو دانند مرا ۔۔۔ بر مردمکِ دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایت فرمودہ است ۔۔۔ ورنہ کیم از کجا چہ دانند مرا

حضرت بابا صاحبؒ پر رقت طاری ہو گئی اور پھر حالت وجد میں تڑپنے لگے۔ چاشت سے دوپہر تک اسی وجد و کیف میں مشغول رہے جب ہوش آیا تو حضرت محبوب الٰہی سے مخاطب ہو کر روتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

دیدار دوستانِ موافق غنیمت است ۔۔۔ چوں یا فتیم حیف بود گر رہا کنیم!

کبھی کبھی یہ شعر پڑھتے تھے۔ اور بہت روتے تھے۔

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند ؎
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہر گز!

ایک دفعہ یہ شعر پڑھے اور عالم تحیر میں کھو گئے۔

تو راہ نرفتہ از آں ننمو دند ۔۔۔ ورنہ کہ زد ایں در کہ بروں نکشو دند
جاں در رہ دلہاست اگر میخواہی ۔۔۔ تو نیز چناں بشو کہ ایشاں بودند

پھر دن آپ پر یہی کیفیت طاری رہی۔ صرف نماز کے وقت ہوش میں آتے تھے اور نماز پڑھ کر پھر عالم سکر میں پہنچ جاتے تھے۔

○

گیارھواں باب

تبلیغ وہدایت

(۱)

مشائخ چشت کی تبلیغی مساعی برِ کوچک ہند و پاک پر مسلمانوں کے جاہ وجلال کا علم صدیوں تک لہراتا رہا۔ لیکن انہوں نے اپنے اقتدار اور سطوت کو کبھی اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لیئے استعمال نہیں کیا۔ ہندوستان اور پاکستان میں آج جو کروڑوں مسلمان نظر آتے ہیں ان کا وجود مسلمانوں کے طویل دورِ حکومت کی بجائے ان صوفیائے کرام کی تبلیغی مساعی کا مرہونِ منت ہے۔ جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے اس فرمانِ ابدی کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا تھا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔

یعنی لوگوں کو راہِ حق کی طرف حکمت اور موعظت سے بلاؤ (دعوت دو) علمائے اسلام عام طور پر قرآن وحدیث اور شریعت وفقہ کی تعلیم وترویج سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا حلقۂ اثر صرف مسلمانوں تک محدود تھا۔ دوسری طرف صوفیائے کرام علوم ظاہری و باطنی کے منتہی ہوتے تھے۔ وہ یکسر اسلامی اخلاق اور اعمال کا پیکر تھے۔ ان کے نزدیک ساری مخلوق خدا کا کنبہ تھی۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ کسی کو برا مت کہو اور ہر ایک سے پیار کرو۔ ان کے دروازے ہر کس وناکس پر کھلے ہوتے تھے۔ خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ برہمن ہو یا اچھوت۔ امیر ہو یا غریب۔ ان کا سلوک ہر ایک سے یکساں تھا۔ ان کی تبلیغ وہدایت میں جبر واکراہ کو کوئی دخل نہ تھا۔ ان کے پاکیزہ اعمال واخلاق ہی غیر مسلموں کے لیئے اسلام

کی کشش ثابت ہوتے۔ ان نفوس قدسیہ کی تبلیغ و ہدایت کے دو پہلو تھے۔ ایک طرف تو وہ گمراہ (فاسق و فاجر) مسلمانوں کو گناہوں کی دلدل سے نکلنے اور سچے مسلمان بننے کی تلقین کرتے دوسری طرف غیر مسلموں کو پیار محبت اور اخلاق صالح کی کشش سے کفر و شرک کے قعر مذلت سے نکالنے کی سعی فرماتے۔ مفتی غلام سرور لاہوریؒ "خزینتہ الاصفیا" میں اسی طبقے کے ایک بزرگ خواجہ ابواسحٰق گازرونیؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نقل است کہ بست و چہار ہزار کس بر دستِ شیخ مسلمان شدند۔ و قریب صد ہزار اہلِ اسلام پیش شیخ تائب گشتہ در حلقۂ ارادت شیخ آمدہ بودند"

ان الفاظ سے صوفیائے کرام کی تبلیغ و ہدایت کے دونوں پہلوؤں کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ نفوس قدسیہ انبیائے کرامؑ کے جانشین ہوتے تھے۔ ان کی زندگی سراپا ایثار ہوتی تھی۔ دعوتِ حق کے کام میں ان کی کوئی ذاتی غرض پنہاں نہ ہوتی تھی۔ ہر وقت صوم و صلوٰۃ اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ درختوں کے پتے ابال کر ان سے گذر کر لیتے تھے۔ قالینوں کی بجائے ٹاٹ اور بوریا پر بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ پھٹے پرانے اور پیوند لگے کپڑے ان کا محبوب لباس تھا۔ ہر وقت مصیبت زدوں اور غریبوں کی امداد پر کمر بستہ رہتے تھے۔ اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ان کے وسیع لنگر خانوں کے دروازے بھی ہر کس و ناکس پر کھلے رہتے تھے۔ فتوح کی آمدنی روزانہ حاجتمندوں پر صرف کر دیتے تھے۔ ایک پیسہ بھی اپنے پاس بچا کر نہ رکھتے تھے بادشاہوں اور متوسّلین حکومت سے صرف اتنا تعلق رکھتے تھے کہ مظلوموں کی فریاد ان تک پہنچا دیں اور خدا کا خوف دلا کر ان کو ظلم اور زیادتی سے باز رکھیں۔ غرض ان کے اخلاق اطوار یکسر اسلامی رنگ میں رنگے ہوتے تھے۔ اس لئے ان کے اندر خود بخود ایک ایسی کشش پیدا ہو جاتی تھی جو غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کھینچتی تھی اور بدکار مسلمانوں میں گناہ آلود زندگی سے تائب ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ مس راما کرشنا (مسز جے اپن مدن) اپنی مشہور کتاب "پنجابی صوفی شعراء" میں لکھتی ہیں۔

"مسلمانوں نے جب شمالی ہند کو فتح کیا تو صوفی لوگ بھی اس ملک میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ اسلام کا یہی طبقہ روادار۔ امن پسند اور صلح کل تھا۔

بزورِ شمشیر اور پرجوش علماء اور غازیوں کے ذریعے اسلام کا پھیلایا جانا ہندوؤں کو متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ جو اس سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن اسلام جس کی نمائندگی صوفیائے کرام کرتے تھے۔ ہندوؤں کے لئے کشش کا باعث تھا۔ جو لوگ برضا و رغبت حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے ان کی تبدیلیٔ مذہب بلاشبہ صوفیوں کی تعلیم (تبلیغی مساعی) کا نتیجہ تھی۔"

صوفیائے کرام کے متعدد سلسلے ہیں ان میں سے پانچ سلسلوں نے اسلامی دنیا میں بڑا فروغ پایا۔ یعنی قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ نقشبندیہ اور شاذلیہ۔ ہندوستان اور پاکستان میں چشتیہ۔ سہروردیہ اور قادریہ سلسلوں نے بڑی وسعت اور شہرت حاصل کی۔ بالخصوص چشتی اور سہروردی صوفیائے کرام نے ان ملکوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے زبردست کام کیا۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ تبلیغی کاموں میں کس سلسلہ کے بزرگوں کا پلہ بھاری ہے۔ دونوں سلسلوں کے بزرگوں نے اپنے اپنے رنگ میں خوب کام کیا۔ اور تبلیغ اسلام کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کفر و شرک کے اس گڑھ میں سب سے پہلے جس بزرگ نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا ــــــــــــــــــــــــــ

ــــ وہ سلسلۂ چشتیہ ہی کے چشم و چراغ تھے۔ ہماری مراد خواجۂ خواجگان حضرت غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ سے ہے۔ چشتی بزرگوں کی غیر معمولی رواداری۔ حسن اخلاق شعر و ادب سے انس۔ ارباب حکومت سے اجتناب۔ ذوقِ سماع۔ درویشانہ زندگی اور بعض دوسری خصوصیات نے انہیں مرجعِ خلائق بنا دیا اور ان کی بے پناہ مقبولیت نے اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد دی۔

"گلزارِ صابری" میں ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ کے اجمیر پہنچنے سے پہلے ہی آپ کے دستِ حق پرست پر تقریباً پندرہ ہزار ہندو اسلام قبول کر چکے تھے اور رجب ۶۳۳ھ میں آپ کا وصال ہوا تو جو لوگ آپ کی تبلیغی مساعی کی بدولت حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچی تھی۔ آپ نے اپنی حیاتِ اقدس میں ایک وسیع تبلیغی نظام قائم کر دیا تھا ــــ آپ کے تربیت یافتہ خلفا دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تھے اور وہاں نہایت جوش و خروش سے مخلوقِ خدا کو دعوتِ حق دینے میں مشغول ہو گئے تھے۔ دہلی میں آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے زبردست تبلیغی

کام کیا۔ نہ صرف ہزارہا غیر مسلموں نے ان کے ذریعہ ہدایت پائی بلکہ سلطان شمس الدین التمش؟ اور متوسلین حکومت بھی ان کے حلقۂ اثر میں آگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا۔ اور مسلمانوں میں معاصی سے اجتناب کرنے اور تقویٰ و طہارت کی زندگی بسر کرنے کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنے مرشد گرامی خواجۂ خواجگان حضرت غریب نوازؒ کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور سرزمین ہندوستان و پاکستان میں سلسلہ چشت کی رہنمائی اور سیادت کا بارِ عظیم شیخ کبیر حضرت بابا فریدالدین گنجشکرؒ کے کندھوں پر آپڑا۔

(۲)

حضرت باباصاحبؒ کے تبلیغی کارنامے حضرت باباصاحبؒ نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دست پاک پر بیعت کی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ باباصاحبؒ نے خواجہ غریب نوازؒ سے بھی براہ راست استفاضہ کیا تھا اور ان سے خلعت روحانی حاصل کیا تھا۔

حضرت خواجہ خواجگانؒ اور خواجہ بختیار کاکیؒ نے تقریباً ایک ہی زمانہ پایا۔ ان کے وصال کے بعد اسلام کا جو مقدس پودا اس سرزمین میں ان بزرگوں نے لگایا تھا۔ اس کی آبیاری کی ذمہ داری حضرت باباصاحبؒ نے سنبھال لی۔ فی الحقیقت آپ خواجہ غریب نوازؒ اور خواجہ بختیار کاکیؒ دونوں بزرگوں کے جانشین اور تربیت یافتہ تھے۔ سرزمین ہند و پاکستان میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ سلسلہ چشتیہ کے موسسِ اوّل تھے تو باباصاحبؒ بلاشبہ اس سلسلہ عالیہ کے موسسِ ثانی تھے۔ "آب کوثر" میں شیخ محمد اکرام صاحب حضرت باباصاحبؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مغربی پنجاب میں کامیاب اشاعت اسلام کرنے کے علاوہ آپ نے بڑے بڑے صاحبِ سطوت بزرگوں کی تربیت کی چشتیہ سلسلے کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی میں رونق دی تھی۔ لیکن خطہ ہند و پاکستان میں اس سلسلہ کو اصلی وسعت و استحکام بابا فریدؒ کی ذات بابرکات سے نصیب ہوا اور فی الحقیقت انہیں اس سرزمین میں سلسلہ چشتیہ کا موسسِ ثانی کہا جاسکتا ہے۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے باباصاحبؒ کی نسبت فرمایا تھا۔

کہ فرید ایک شمع ہے جس کی بدولت خانوادۂ درویشاں منور ہو جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ چشتیہ سلسلے کی دو بڑی شاخیں صابریہ اور نظامیہ ہیں ان دونوں کے موسسین حضرت باباصاحبؒ کے مرید، مخدوم علاؤ الدین صابرؒ اور حضرت سلطان المشائخؒ تھے۔"

جن دنوں حضرت باباصاحبؒ اجودھن تشریف لائے۔ اس شہر اور اس کے نواحی علاقوں میں بکثرت غیر مسلم جنگلی اقوام آباد تھیں۔ یہ لوگ سخت وحشی اجڈ اور جنگجو تھے۔ اور جاہلانہ ضعیف الاعتقادی چھوت چھات، اونچ، نیچ کے امتیازات۔ اوہام پرستی اور کفر و شرک میں مبتلا تھے ــــ ان کا ذہنی جمود انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ کفر و طغیان کے اس مرکز میں حضرت باباصاحبؒ کا ورودِ مسعود حقیقی معنوں میں شرف انسانیت کے آفتاب کا طلوع تھا۔ جس کی ضیا باریوں سے اس طوفان گاہ کفر سے کفر و شرک اور راوہام باطلہ کی تاریک گھٹائیں چھٹ گئیں۔ اور یہ خطہ ارضی خدا کے نور سے جگمگا اٹھا۔ ہیبتناک ابلیسی قوتیں سرنگوں ہو گئیں اور گھنٹوں اور ناقوسوں کی بجائے چار سو اللہ اکبر اور قال اللہ و قال الرسولؐ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ باباصاحبؒ کا خلق عظیم اور پاکیزہ زندگی اپنے اندر ایسی کشش رکھتی تھی۔ کہ سنگ دل آہن بھی موم ہو جاتے تھے اور وحشی سے وحشی دشمن بھی رام ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے یا فسق و فجور سے تائب ہو جاتے تھے۔ آپ نے ہر قسم کی مخالفتوں کے علی الرغم اپنے آپ کو یکسر دینِ حق کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔ اور کسی قسم کی ترغیب و تخویف آپ کو کبھی اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہ رکھ سکی۔ اشاعت اسلام کے لیے آپ کی والہانہ جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال کے اندر اندر مغربی پنجاب کے وسیع علاقوں کے بڑے بڑے قبیلے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ پیر محمد حسین چشتی "گلزار صابری" میں کتاب "جواہر گنج" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت باباصاحبؒ نے پنجاب کی مشہور اقوام سیال۔ ڈوگر۔ وڑائچ۔ چیمہ۔ درہیاہ۔ ٹوانہ۔ گوندل۔ جھبب۔ رانجھا۔ گھیبہ۔ کھرڑہ اور سہراج وغیرہ کے بزرگوں کو مسلمان کر کے مرید کیا۔ اور خرقہ خلافت عطا کیا۔ سیئو کی اولاد سیال۔ کھیئو کی اولاد کھرڑہ۔ تیئو کی اولاد تواز۔ گھیئو کی اولاد گھیبہ اور سیئو کی اولاد سہراج کہلاتی ہے۔

شیخ محمد اکرام "آب کوثر" میں حضرت باباصاحبؒ کی تبلیغی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتے ہیں " اشاعتِ اسلام میں جتنی کامیابی آپ (حضرت بابا صاحبؒ) کو ہوئی ہے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو شاید ہی ہوئی ہو۔ مغربی پنجاب کے کئی بڑے بڑے قبیلے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے مثلاً سیال راجپوت، دٹو وغیرہ" یہی مصنف مذکورہ کتاب میں مغربی پنجاب میں اشاعتِ اسلام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سر ایڈورڈ میکلیگن نے مختلف قبیلوں کا ذکر کرتے ہوئے بعض مشہور قبائل کے قبول اسلام کی تاریخ بھی لکھی ہے مثلاً راجپوتوں میں سیال ایک مشہور قبیلہ ہے۔ جو اضلاع ملتان، منٹگمری۔ جھنگ۔ (سیالان) میں کثرت سے آباد ہے۔ یہ قبیلہ بابا فرید گنج شکرؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ اسی طرح دٹو قبیلہ کو جو ستلج کے دونوں بازوؤں پر ساٹھ میل تک اور علاقہ گوگیرہ میں آباد تھے۔ بابا فریدؒ نے مسلمان کیا"

مندرجہ بالا اقتباسات سے حضرت بابا صاحبؒ کے عظیم الشان تبلیغی کارناموں کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ نے اپنی تبلیغی مساعی کو صرف مغربی پنجاب کے علاقوں تک محدود رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ جو ہمہ گیر نظام تبلیغ قائم کر گئے تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے اسے نہ صرف مستحکم کیا بلکہ مزید وسعت دی۔ اور تبلیغ کے لئے اپنے تربیت یافتہ خلفاء ہندوستان و پاکستان کے طول و عرض میں پھیلا دیئے جواہر فریدی میں صرف آپ کے خلفاء کی تعداد پچاس ہزار لکھی ہے اگر اس تعداد کو عقیدتمندانہ مبالغہ سمجھا جائے تو بھی اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ آپ کے خلفاء کی تعداد بہت کثیر تھی۔ اللہ کے یہ نیک بندے دور دراز علاقوں میں پھیل کر بڑے جوش و خروش سے اصلاح و تبلیغ میں سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ مرکز حکومت دہلی میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے سالہا سال تک جو عظیم کام کیا۔ ارباب علم پر بخوبی روشن ہے۔ اسی طرح ہانسی میں شیخ جمال الدینؒ کلیر میں مخدوم علاؤ الدین صابرؒ اور دکن میں شیخ منتخب الدین چشتیؒ نے بے پناہ تبلیغی کام کیا۔ حضرت بابا صاحبؒ کے خلفائے عظام محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ مخدوم صابر کلیریؒ اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے تین عظیم چشتی سلسلوں یعنی نظامیہ۔ صابریہ اور جمالیہ کی بنیاد رکھی۔ سلسلہ جمالیہ بعد میں سلسلۂ نظامیہ میں مدغم ہو گیا۔ ہندوستان اور پاکستان کا شاید ہی کوئی قابلِ ذکر شہر ایسا ہو جہاں سلسلہ نظامیہ یا صابریہ کے نام لیوا اور

عقیدتمند موجود نہ ہوں۔ غرض جو چشمۂ فیض اجمیر میں پھوٹا تھا حضرت بابا صاحبؒ کی انتھک جدوجہد نے اسے ایک زخّار دریا بنا دیا۔ اور اس نے شاخ در شاخ ہو کر نہ صرف ہندوستان اور پاکستان کو سیراب کیا۔ بلکہ اس کی لہریں چین۔ ملایا۔ انڈونیشیا برما اور افغانستان تک جا پہنچیں۔

(۱۴۳)

ساتویں صدی ہجری کا بابرکت زمانہ تاریخ اسلام پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا۔ کہ ساتویں صدی ہجری میں بیشمار مشائخ عظامؒ نے عالم اسلام کو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ برِ کوچک ہند و پاکستان سے باہر اگر شیخ فریدالدین عطارؒ۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ، حضرت شمس تبریزیؒ۔ مولانا جلال الدین رومیؒ اور شیخ سعدی شیرازیؒ جیسے بزرگان عظامؒ نے فیوض و برکات کے چشمے بہا رکھے تھے۔ تو ہندوستان اور پاکستان کی سرزمین خواجہ خواجگان حضرت معین الدین غریب نواز اجمیریؒ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ شیخ کبیر حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ۔ غوث العالم خواجہ بہاؤ الدین زکریاؒ۔ حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ۔ محبوب الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ۔ حضرت حمید الدین ناگوریؒ۔ شیخ جلال تبریزیؒ۔ مخدوم علاؤ الدین صابر کلیریؒ سیدی مولہؒ۔ شیخ فخر الدین عراقیؒ۔ شیخ امیر حسینیؒ۔ شیخ بو علی قلندر پانی پتیؒ۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ اور زری زربخش شیخ منتخب الدینؒ جیسے سرآمد روزگار بزرگوں کے انوار سے جگمگا رہی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس صدی میں ہم سلطان شمس الدین التمشؒ۔ سلطان ناصر الدین محمودؒ اور سلطان غیاث الدین بلبنؒ جیسے نیک سیرت بادشاہوں کے نام بھی دیکھتے ہیں۔ انہی خصوصیات کی بدولت مورخوں نے اس زمانہ کو "خیر الاعصار" کا نام دیا ہے۔ اللہ اللہ کیسا مقدس زمانہ تھا۔ کہ ایک طرف تو اجمیر۔ دہلی۔ پاک پٹن۔ ہانسی۔ کلیر اور دیوگیر (دولت آباد۔ دکن) میں چشتی بزرگ کفر و شرک کی ظلمتوں میں شمع اسلام روشن کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف ملتان۔ سندھ۔ بدایوں۔ بنگال اور روہیلکھنڈ میں سہروردی خانوادے پوری تندہی اور خلوص کے ساتھ فروغ اسلام کے لئے کوشاں تھے۔ فی الواقعہ دونوں سلسلوں کے بزرگ ایک ہی شمع کے پروانے

تھے۔ اور سب کا مطمح نظر ایک ہی تھا۔ یعنی کفر و شرک اور معاصی کا استیصال۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اپنے مقصد میں بے مثال کامیابی عطا فرمائی۔ اور دین حق کی ہمہ گیری سے اس خزاں رسیدہ چمن میں بہار تازہ آگئی۔ صدیوں کا ذہنی جمود پاش پاش ہو گیا اور ہند و پاکستان کا چپہ چپہ توحید کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

بارھواں باب

کرامات و خوارقِ عادات

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ ۔۔۔ تیرِ جستہ باز گردانند ز راہ

(۱)

اظہار کشف و کرامات اولیاء اللہ کی کرامات کا برحق ہونا اہل سنت کا مسلم عقیدہ ہے لیکن مشائخ کرام نے بلا ضرورت کشف و کرامات کے اظہار کو کبھی پسند نہیں کیا۔ ان کے نزدیک ایسا کرنا تکبر نفس کا باعث بنتا ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ بھی اسی مسلک کے پابند تھے آپ کے نزدیک کشف و کرامات کا اظہار اسی وقت جائز ہے جب صوفی راہ سلوک کے تمام مقامات کو طے کر لے۔ تذکروں میں حضرت بابا صاحبؒ کے کشف و کرامات کے بیشمار واقعات درج ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ راہِ سلوک کی تمام منازل طے کر کے "نفس مطمئنہ" کے درجے تک پہنچے ہوئے تھے۔ کشف و کرامات کا ظہور کبھی تو آپ کی ذات گرامی سے ضرورتاً اور مجبوری کی حالت میں ہوتا تھا اور کبھی عالم بیخودی اور استغراق میں۔ آپ کے عظیم سہروردی ہمعصر حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کو ایک دفعہ معلوم ہوا کہ بابا صاحبؒ اپنے تصرفات روحانی کا نہایت کثرت اور تواتر سے مظاہرہ کر رہے ہیں تو انہوں نے بابا صاحبؒ کو لکھا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں اہل اسرار کا شیوہ تو یہ نہیں ہے کہ اسرار الٰہی کو اس طرح ظاہر کرتے پھریں۔ حضرت بابا صاحبؒ نے جواب میں لکھا۔

"برادرِ مکرم - فقیر اسرارِ الٰہی کو ظاہر کرنے سے حتی الوسع اجتناب کرتا ہے۔ لیکن بسا اوقات وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے کہ اس میں اسرارِ الٰہی کے پوشیدہ رکھنے اور ظاہر کرنے کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔ دل اسرارِ الٰہی سے معمور ہو جاتا ہے اور تجلیاتِ قلب کشف کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔"

شیخ محمد اکرام صاحب "آبِ کوثر" میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اگر فوائد الفواد اور سلطان المشائخ کے مرشد شیخ کبیر کے منسوبہ ملفوظات بعور پڑھیں تو ان میں ایک لطیف فرق نظر آتا ہے خواجہ صاحب اصلاحِ خیالات کے لئے مردِ صالح کی صحبت کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور بابا صاحبؒ نے اشاعتِ مذہب اور تبدیلِ عقائد کی جو مثالیں یادگار چھوڑی ہیں ان میں اظہارِ کرامت کو بڑا دخل ہے۔ شاید اس اختلاف کی وجہ ان بزرگوں کے ماحول کا اختلاف ہے حضرت بابا صاحبؒ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا وہ سادہ اور ضعیف الاعتقاد تھے۔ ان پر کرامات کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ بابا صاحبؒ اپنے تصرفات کی بنا پر ان میں شاندار نتائج پیدا کر سکے۔"

حضرت بابا صاحبؒ کی بے شمار کرامات و خوارق عادات میں سے ہم صرف چند واقعات "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق یہاں درج کرتے ہیں۔ اس قسم کے جستہ جستہ واقعات اس کتاب کے دوسرے ابواب میں بھی مذکور ہیں۔

(۲)

استجابتِ دعاء "وقائع فریدالدین" میں ہے کہ جب بابا صاحبؒ بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی خدمت میں تھے تو ایک دن ان کے دانتوں میں شدید درد ہوا۔ شیخ صاحبؒ نے بابا صاحبؒ سے فرمایا "فرید بارگاہِ الٰہی میں اس درد کے دور ہونے کے لئے دعا کرو" حضرت بابا صاحبؒ نے نہایت خشوع و خضوع سے بارگاہِ رب العزت میں دعا مانگی کہ الٰہی شیخ شہاب الدین کا دردِ دندان دور کر دے اور اگر یہ مقدر میں لکھا ہوا ہے تو ان کی بجائے یہ درد میرے دانتوں میں ہو جائے" آپ کی دعا قبول ہوئی۔ حضرت شیخ الشیوخ کا دردِ دندان زائل ہو گیا اور بابا صاحبؒ کے دندان

مبارک میں شدید درد ہونے لگا۔ آپ شیخ الشیوخؒ نے دعا مانگی کہ الٰہی فرید میرا غمگسار رہے اس کو بھی
اس دکھ سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور بابا صاحبؒ کا درد دور ہو گیا۔

(۳)

دشمن کی تباہی | "راحت القلوب" میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
سے منقول ہے کہ ایک دن بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ شیر خان والی اوچہ و ملتان میرا
سخت مخالف تھا اور ہر وقت میرے درپئے آزار رہتا تھا۔ میں نے کئی دفعہ یہ بیت
اس کے حق کے میں دہرائی۔

افسوس کہ از حال منت نیست خبر — انگہ کہ خبرت شود افسوس خوری

خدا کا کرنا کہ ایک ہی سال کے اندر دشمنوں نے اس پر چڑھائی کی اور اسے برباد کر دیا

(۴)

الغ خان کو بشارت سلطنت | ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں سلطان
غیاث الدین بلبن بڑا با سطوت بادشاہ گزرا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بڑا
نیک سیرت اور درویشوں کا عقیدت مند تھا اس کے مفصل حالات اس کتاب میں
ایک الگ باب میں درج ہیں۔ بلبن سلطان ابن سلطان نہیں تھا۔ بلکہ پہلے ایک غلام
تھا۔ حسن لیاقت سے سلطان شمس الدین التمشؒ کا منظور نظر بن گیا۔ اس کے بعد سلطان
ناصر الدین محمودؒ کا وزیر سلطنت بن گیا اور بیس سال تک نہایت حسن و خوبی کے ساتھ
وزارت عظمیٰ کے فرائض سر انجام دیئے۔ اس وقت وہ اپنے اصلی نام "الغ خان"
سے مشہور تھا۔ الغ خان کو حضرت بابا صاحبؒ سے بے حد عقیدت تھی اور اس نے اپنی
ایک بیٹی بھی حضرتؒ کے نکاح میں دیدی تھی۔ اپنی وزارت کے زمانے میں ایک بار
وہ سلطان ناصر الدین محمود کی طرف سے چار گاؤں کا فرمان اور زر کثیر لے کر حضرت بابا
صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے یہ جاگیر اور رقم لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا
یہ ان کو دو جو اس کے حاجتمند ہیں۔ میں درویش مالدار نہیں بننا چاہتا اسی موقع پر الغ
خان نے عرض کی کہ سلطان ناصر الدین محمودؒ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے اس کے بعد
سلطنت میں اختلال کا اندیشہ ہے۔ دعا فرمائیں کہ ہندوستان کی سلطنت میری قسمت
میں لکھی ہو۔ حضرت بابا صاحبؒ نے جواب میں صرف یہ رباعی پڑھی ۔

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود زعود و زعنبر سرشتہ نہ بود
زداد و دہش یافت آں نیکوئی تو داد و دہش کن فریدوں توئی

الغ خان یہ بشارت سن کر شاداں و فرحاں رخصت ہوا۔ اور کچھ عرصہ بعد سلطان ناصر الدین محمود کی وفات پر باباصاحبؒ کی دعا اور اپنی بے پناہ ہر دلعزیزی اور اثر و رسوخ کی بدولت تخت ہندوستان پر سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے رونق افروز ہوا

(۵)

قریب المرگ مریض کی صحتیابی ایک دن محمد شاہ نامی باباصاحبؒ کا ایک مرید نہایت پریشانی کی حالت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے اس سے پوچھا۔ "پریشان کیوں ہو" اس نے جواب دیا کہ میرا بھائی سخت بیمار ہے اور اسے نزع کی حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں آپ نے فرمایا تمہارا بھائی تو بھلا چنگا ہے تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ محمد شاہ گھر گیا تو دیکھا کہ اس کا بھائی بالکل تندرست ہو گیا تھا۔ اور بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کبھی بیمار ہی نہیں ہوا۔ (راحت القلوب)

(۶)

خستہ کھجوریں اشرفیاں بن گئیں ایک دن کچھ درویش حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم مسافر ہیں۔ زادِ راہ ختم ہو گیا ہے اور سفر بہت باقی ہے۔ باباصاحبؒ نے سامنے پڑی ہوئی کچھ خستہ کھجوریں ان کو دے کر فرمایا" جاؤ اللہ تمہارا سفر پورا کرے گا" درویش مایوس سے ہو گئے۔ اور باہر نکل کر ان کھجوروں کو پھینکنا چاہا۔ لیکن یکا یک دیکھا کہ کھجوریں اشرفیوں کی صورت میں بدل گئیں۔ اپنی مایوسی پر پشیمان ہوئے اور باباصاحبؒ کو دعائیں دیتے وہاں سے رخصت ہوئے۔

(۷)

معجز اثر تعویذ ایک دفعہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا جو کسی نہایت سخت اور مہلک مرض میں مبتلا تھا۔ آپ نے ایک پرزۂ کاغذ پر "اللہ کافی اللہ شافی" لکھ کر اسے دیدیا۔ اس نے تعویذ بنا کر گلے میں ڈالا۔ گلے میں ڈالتے ہی اللہ تعالےٰ نے اسے شفا دے دی۔

---

(۸)

حیرت انگیز کشف راحت القلوب میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی سے منقول ہے کہ مولانا شہاب الدین غزنوی باباصاحبؒ کے ایک مرید تھے۔ ایک دفعہ حاکم لاہور نے انہیں سو دینار دیئے اور کہا اجودھن جا کر باباصاحبؒ کی خدمت میں یہ دینار میری طرف سے بطور نذر پیش کر دیں۔ شہاب الدین کی نیت راستے میں بدل گئی انہوں نے پچاس دینار اپنے پاس رکھ لیئے اور پچاس باباصاحبؒ کی خدمت میں پیش کیے آپ نے متبسم ہو کر فرمایا "شہاب الدین تم نے خوب نصفا نصف برادرانہ تقسیم کی"۔ شہاب الدین سخت شرمندہ ہوئے اور باقی کے پچاس دینار بھی نکال کر بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور پھر عفو تقصیر کے خواستگار ہوئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ درویش کو اپنی نیت ہمیشہ صاف رکھنی چاہیئے ورنہ وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کے بعد آپ نے سب دینار مولانا شہاب الدین کو دے دیئے اور ان سے دوبارہ بیعت لے کر نعمت باطنی سے نوازا۔ اور خرقہ خلافت دے کر رخصت کیا۔

(۹)

طیّ الارض دور دراز کے فاصلے کو چشم زدن میں طے کرنے کو "طیّ الارض" کہا جاتا ہے اللہ تعالےٰ اپنے محبوب بندوں کو "طیّ الارض" کی قوت عطا فرماتا ہے۔ حضرت باباصاحبؒ کو بھی یہ قوت حاصل تھی۔ راحت القلوب میں ہے کہ ایک دن حضرت باباصاحبؒ اپنی مجلس میں رونق افروز تھے۔ کہ بیت المقدس سے چند درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ" سب درویش زانوئے تسلیم خم کر کے بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک درویش بار بار حیرت سے باباصاحبؒ کے چہرہ مبارک کو دیکھتے کچھ کہنا چاہتے لیکن خاموش ہو کر رہ جاتے۔ آخر نہ رہا گیا باباصاحبؒ کے قدموں پر گر پڑے اور کہنے لگے۔ "یا حضرتؒ میں نے آپ کو بیت المقدس میں جاروب کشی کرتے دیکھا ہے" آپ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن تم اپنا عہد بھول گئے کہ اس بات کو پردۂ اخفا میں رکھو گے۔ درویش بہت نادم ہوئے اور نہایت عجز و انکسار سے اپنی عہد شکنی کی معافی چاہی۔ باباصاحبؒ نے فرمایا۔

"اے عزیز مردانِ خدا جس جگہ بیٹھتے ہیں اللہ تعالےٰ خانہ کعبہ۔ عرش اور کرسی

کو ان کے سامنے کر دیتا ہے اور ایسی قوت روحانی عطا فرماتا ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو دیکھتے ہیں" پھر انہیں حکم دیا کہ اپنی آنکھیں بند کرو - انہوں نے آنکھیں بند کیں۔ چند لمحات کے بعد بابا صاحبؒ نے انہیں آنکھیں کھولنے کا حکم دیا۔ تو وہ نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگے "سبحان اللہ آپ نے جو فرمایا تھا وہ مجھے دکھا بھی دیا۔" اس کے بعد حضرتؒ نے انہیں نعمت کثیر عطا کی اور خرقۂ خلافت عطا فرما کر سیوستان کی طرف روانہ کر دیا۔

اسی طرح ایک دفعہ شیخ یوسف ہانسویؒ طویل سیاحت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے سیاحت کا حال پوچھا انہوں نے ساری تفصیل بتائی اور جن جن شیوخ عظام سے ملے تھے ان کا حال بھی سنایا۔ بابا صاحبؒ نے اسی وقت وضو کیا اور شیخ یوسف کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ کافی دیر بعد واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے فرمایا تمہاری سیاحت کا حال سن کر میرے دل میں بھی ان اولیائے کرام سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا جن کی خدمت میں تم حاضر ہوئے۔ چنانچہ میں بھی ان سے ملنے کے لئے گیا تھا۔

(۱۰)

شمس دبیر کی مفلسی دور ہو گئی | سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں شمس الدین دبیر ایک قادر الکلام شاعر اور علم دوست شخص گذرے ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کی نسبت لکھا ہے۔

"آثار فضائل و کمالات او از حد بیان بیرون و از توصیف و تعریف مستغنی است"

سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں وہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ شمس دبیر بابا صاحبؒ کے نہایت مخلص عقیدتمند تھے۔ اپنے زمانۂ عروج سے پہلے وہ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے علم سلوک کی ایک کتاب جو قاضی حمید الدین ناگوری کی تصنیف تھی[1] پڑھنے لگے

---

[1] مختلف تذکروں میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کا نام ملتا ہے طوالع الشموس، راحۃ الارواح۔ مندرجہ بالا روایت میں جس کتاب کا ذکر ہے تذکروں میں اس کی تصریح نہیں کی گئی۔

زمانۂ تعلیم میں ایک دن باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک قصیدہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت عنایت فرمائی۔ شمس دبیر نے کھڑے ہو کر قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جب ختم ہوا تو حضرتؒ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ" وہ بیٹھ گئے تو ارشاد ہوا کہ دوبارہ پڑھو۔ شمس دبیر نے دوبارہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ باباصاحبؒ کسی شعر پر پسندیدگی کا اظہار فرماتے اور کسی شعر میں مناسب حال اصلاح دیتے تھے۔ جب دوبارہ تمام قصیدہ سن چکے تو فرمایا "تمہاری دلی آرزو کیا ہے" شمس دبیر نے عرض کی۔ "میری والدہ بہت ضعیف العمر ہیں اور میں سخت مفلسی میں مبتلا ہوں۔ اپنی ناداری اور عسرت کے سبب ان کی خدمت کا حق نہیں کر سکتا۔" باباصاحبؒ نے فرمایا "اچھا شکرانہ لاؤ" شمس دبیر گھر جا کر پچاس جیتل لے آئے۔ باباصاحبؒ نے یہ تمام جیتل درویشوں میں تقسیم کر دیئے۔ سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر چار جیتل میرے حصہ میں بھی آئے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے دعائے خیر مانگی اور شمس دبیر خوش خوش رخصت ہوئے۔ چند دن کے بعد شمس دبیر کی مفلسی خوشحالی میں بدل گئی۔ وہ سلطان ناصر الدین محمود کے دبیر ہو گئے[1] اور ترقی کرتے کرتے وزیر خزانہ کے عہدہ تک پہنچے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں بھی وہ اعلیٰ ملکی عہدوں پر فائز رہے۔

(۱۱)

گمشدہ بیوی واپس دلادی | سیر الاقطاب اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ اجودھن کے نواح میں ایک گاؤں پر ایک دفعہ حاکم دیپالپور نے چڑھائی کی کیونکہ اس گاؤں کے لوگ فتنہ و فساد برپا کرنے کے مرتکب ہوئے تھے۔ سپاہیوں نے اس گاؤں کو تاراج کر کے بہت سے مفسدین کو گرفتار کر لیا۔ اسیروں میں اس گاؤں کے ایک روغن فروش (تیلی) کی بیوی بھی تھی۔ روغن فروش نے ہر چند واویلا کیا کہ وہ مسلمان ہے اور اس کی بیوی کو فساد سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن سپاہیوں نے کوئی توجہ نہ دی اور تمام اسیروں کو دیپالپور لے گئے۔ روغن فروش کو اپنی بیوی سے کمال درجہ کی محبت تھی وہ روتا پیٹتا ہوا باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اپنی بپتا سنائی۔ حضرتؒ نے اس کی ڈھارس بندھائی اور فرمایا کہ تم تین دن میرے پاس ہی ٹھہرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ پردۂ غیب سے کیا

---

[1] یہ تاریخ فرشتہ کی روایت ہے راحت القلوب میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد شمس دبیر سلطان بلبن کے دبیر مقرر ہوئے

ظہور میں لاتا ہے۔ روغن فروش آپ کے حکم کے مطابق اجودھن میں ہی ٹھہر گیا۔ حضرتؒ نے اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ دوسرے دن ایک محرر حاکم دیپالپور کا معتوب ہو کر اجودھن پہنچا اور حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے حق میں دعا کا خواستگار ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرا ابتلا دور ہو جائے اور حاکم دیپالپور تجھ پر نظر عنایت کرے تو تو کیا شکرانہ لائے گا۔ محرر نے عرض کیا جس قدر بھی استطاعت ہوئی نقد و جنس حاضر کر دوں گا۔ باباصاحبؒ نے فرمایا ہم شکرانہ تجھے معاف کرتے ہیں۔ ہاں ایک عہد کرو کہ حاکم کی طرف سے انعام میں تجھے اگر کوئی کنیز ملے تو وہ اس روغن فروش کو دیدو گے۔ محرر نے صدق دل سے عہد کیا کہ آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کروں گا۔ باباصاحبؒ نے اس کے حق میں دعائے خیر کی۔ رخصت ہوتے وقت اس نے روغن فروش سے کہا کہ میرے ساتھ چل۔ روغن فروش نے رو کر باباصاحبؒ سے عرض کی۔ "یاشیخ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ابھی تک مجھ میں اتنی مقدرت ہے کہ چاہوں تو دس لونڈیاں خرید لوں۔ میں تو صرف اپنی زوجہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ دوسری کسی کنیز کی مجھے حاجت نہیں"۔

باباصاحبؒ نے متبسم ہو کر فرمایا تو اس کے ساتھ تو جا۔ پھر دیکھ حق تعالےٰ کو کیا منظور ہے"۔

روغن فروش محرر کے ہمراہ چلا گیا اور اس کے مکان کے باہر شکستہ دل و محزون سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ ادھر محرر حاکم کے سامنے پیش ہوا تو وہ اس سے نہایت خوش ہو کر ملا اور حکم دیا کہ اسے ایک خلعت۔ گھوڑا اور ایک کنیز انعام میں دیئے جائیں۔ محرر خوش خوش یہ انعام لے کر گھر پہنچا۔ اور برقعہ پوش کنیز کو روغن فروش کے حوالے کرتے ہوئے بولا" یہ تیرا حق ہے"

اس کنیز کی نظر جونہی روغن فروش پر پڑی۔ اس نے اپنی نقاب الٹ دی۔ روغن فروش یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ وہ اس کی گم شدہ بیوی تھی۔ دونوں میاں بیوی روتے ہوئے ایک دوسرے سے ملے۔ اور پھر اجودھن پہنچ کر حضرت باباصاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

(۱۲)

مرید کو گناہ کبیرہ سے بچالیا | تاریخ فرشتہ میں کتاب سیر المشائخ کے حوالے سے لکھا ہے۔

کہ دہلی کا ایک خوبصورت نوجوان حضرت باباصاحبؒ کی زیارت کے لئے عازم اجودھن ہوا۔ راستے میں ایک فاحشہ عورت کا ساتھ ہوگیا۔ اس نے اس جوان رعنا پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ نوجوان نے ہرچند کوشش کی کہ اس کے دام تزویر سے بچ جائے۔ لیکن آخر "جوانی دیوانی" کے جذبات غالب آگئے اور اس نے اس فاحشہ عورت کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ عین اس وقت ایک شخص نمودار ہوا اور اس نے نوجوان کے منہ پر تھپڑ رسید کرکے کہا۔ "تجھے شرم نہیں آتی کہ فرید الدین کے پاس توبہ کے لئے جارہا ہے اور راستے میں کس فعل پر کمر باندھی ہے"۔ وہ شخص تو اتنا کہہ کر غائب ہوگیا اور نوجوان اپنی غلطی پر متنبہ ہوگیا۔ جب باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "بیٹے تو ایک فاحشہ عورت کے جال میں پھنس گیا تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے تجھے گناہ کبیرہ سے بچالیا"۔ نوجوان فرط حیرت سے دم بخود ہوگیا اور بصد عقیدت آپکے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگیا۔

(۱۴)

بابرکت بال محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے روایت ہے کہ ایک دن باباصاحبؒ کے سر اقدس سے ایک بال گرا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور حضرت سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو اس کا تعویذ بنا لوں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ میں اجودھن سے دہلی آیا تو اکثر مریضوں کو یہ تعویذ عاریتاً دیتا تھا۔ اللہ تعالےٰ ان کو اس تعویذ کی برکت سے صحت عطا فرماتا تھا۔ یہاں تک کہ سارے شہر میں اس تعویذ کی شہرت ہوگئی۔ میں نے یہ تعویذ ایک طاق میں رکھ دیا تھا۔ ایک دن میرا ایک دوست تاج الدین مینائی یہ تعویذ لینے کے لئے میرے پاس آیا۔ اس کا فرزند سخت بیمار تھا لیکن یہ دیکھکر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تعویذ طاق سے غائب تھا۔ ہرچند تلاش کیا لیکن نہ ملا۔ تاج الدین مینائی مایوس ہوکر واپس چلا گیا۔ اس کا فرزند قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا۔

اس واقعہ کے دو دن کے بعد ایک اور مریض یہ تعویذ لینے آیا۔ اب جو دیکھا تو تعویذ طاق میں موجود تھا۔ مریض کو دیدیا۔ اللہ تعالےٰ نے اسے شفا دی۔ چونکہ تاج الدین مینائی کے فرزند نے جانبر نہ ہونا تھا۔ قدرت الٰہی سے یہ تعویذ غائب ہوگیا تھا۔

---

(۱۴)

شاہین گم گشتہ کی بازیابی

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ اجودھن سے چار کوس کے فاصلے پر ایک ترک تمالی حاکم تھا۔ اس کے پاس ایک عجیب شاہین تھا جسے اس نے اس طرح سدھایا تھا کہ ہرن کے بچے اور کلنگ کا شکار کر سکتا تھا۔ حاکم اس شاہین کو جان سے بھی عزیز جانتا تھا۔ اور اسے اپنے میر شکار (میر شکاری) کے سپرد کر کے ہدایت کی تھی کہ میری عدم موجودگی میں یہ شاہین ہرگز کسی شکار پر نہ چھوڑنا ایسا نہ ہو کہ کہیں پرواز کر جائے اور پھر ہاتھ نہ آسکے۔ ایک دن میر شکاری اپنے کچھ احباب کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا۔ شاہین بھی اس کے پاس تھا۔ راستے میں بہت سے کلنگ پرواز کرتے نظر آئے۔ میر شکاری کے احباب نے اس سے کہا کہ شاہین کو ان کلنگوں پر چھوڑو۔ میر شکاری نے انکار کیا کہ میرا حاکم یہاں موجود نہیں ہے اور اس کی عدم موجودگی میں شاہین کو شکار پر چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں۔ میر شکاری کے احباب نے کہا کوئی فکر نہ کرو۔ ہمارے پاس تیز رفتار گھوڑے ہیں۔ ہم شاہین کو کسی طرف نہیں جانے دیں گے۔ میر شکاری نے احباب کے اصرار سے مجبور ہو کر شاہین کو کلنگوں پر چھوڑ دیا۔ شاہین کلنگوں کے تعاقب میں نظروں سے اوجھل ہو گیا ہر چند تلاش کی لیکن شاہین ہاتھ نہ آیا۔ میر شکاری پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس نے اپنے آپ کو تختۂ دار پر لٹکتا ہوا محسوس کیا دل گرفتہ اور مایوس حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہین کے گم ہونے کا حال بیان کیا اور عرض کیا کہ میرا حاکم مجھے کبھی زندہ نہ چھوڑیگا اور میرے اہل وعیال بھی اس کے پنجۂ ستم سے محفوظ نہ رہیں گے۔ للہ میرے حق میں دعا فرمائیں۔

باباصاحبؒ نے اس کی دلجوئی کی کھانا پیش کیا اور فرمایا اللہ تعالےٰ اپنا فضل کریگا۔ میر شکاری کھانے سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ گم گشتہ شاہین سامنے کے ایک درخت پر آبیٹھا۔ میر شکاری نے شاہین کو پکڑ لیا اور فرط مسرت میں اپنا گھوڑا باباصاحبؒ کی خدمت میں بطور شکرانہ پیش کیا حضرتؒ نے فرمایا۔ مجھے گھوڑے کی ضرورت نہیں تو اس پر سوار ہو کر اپنے حاکم کے پاس جا اور اس کی امانت اس کے حوالے کر۔ ہاں اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ غریبوں مسکینوں کو دے سکتا ہے حق تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے ضرور دے۔ میر شکاری حضرتؒ کی کرامت اور حسن اخلاق سے بیحد متاثر ہوا۔

شاہین کو حاکم کے حوالے کر کے ملازمت سے مستعفی ہو گیا اور اپنا تمام مال و دولت

فقراء میں تقسیم کر کے باباصاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔ اور آپ کی خدمت اختیار کی۔ ترک حاکم کو جب اس واقعہ کی تفصیل معلوم ہوئی تو وہ بھی حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کر کے ارادتمندوں کے حلقے میں داخل ہو گیا۔

(۱۵)

بیس سال سے بچھڑا ہوا بیٹا ماں سے ملادیا راحت القلوب میں ہے کہ ایک دن حضرت باباصاحبؒ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک بڑھیا[۱] افتاں وخیزاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرتؒ اس کے نزدیک تشریف لے گئے اور پوچھا "تیرا کیا حال ہے"۔

بڑھیا نے عرض کی "یا حضرت آج بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ میرا لڑکا گھر سے غائب ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مردہ۔ اس کی جدائی نے مجھے زندہ درگور کر رکھا ہے"۔
باباصاحبؒ نے مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا "جا تیرا بیٹا گھر آ گیا ہے" بڑھیا خوش خوش گھر کی طرف چل دی۔ ابھی گھر نہ پہنچی تھی کہ اس کا فرزند راستے ہی میں مل گیا۔ بڑھیا نے اسے گلے لگالیا۔ اور خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے گھر لے گئی۔ پھر اس سے پوچھا کہ اتنا عرصہ کہاں رہے اور یہاں کیسے پہونچے۔ نوجوان نے بتایا کہ میں یہاں سے پندرہ سو کوس کے فاصلے پر تھا۔ آج یکایک میرے دل میں تم سے ملنے کی زبردست تڑپ پیدا ہوا۔ چونکہ ایسی کوئی صورت ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ مایوس ہو کر قریب کے ایک دریا کے کنارے کھڑا ہو کر رونے لگا۔ ناگہاں نورانی صورت کے ایک خرقہ پوش بزرگ وہاں نمودار ہوئے اور پوچھا کہ کیوں روتا ہے میں نے اپنی دلی کیفیت بیان کی تو فرمایا اگر تو گھر پہنچ جائے تو کیسا رہے؟ یہ بات مجھے نہایت دشوار معلوم ہوئی۔ اتنے میں انھوں نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کر اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے۔ میں نے تعمیل ارشاد کی تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو گھر کے دروازے پر پایا۔ بڑھیا سمجھ گئی کہ یہ بزرگ باباصاحبؒ ہی تھے۔ حضرتؒ کی خدمت میں پہنچ کر قدمبوس ہوئی اور ریحھا

---

[۱] راحت القلوب کے بعض نسخوں میں "ایک بوڑھا" لکھا ہے۔ بوڑھا ہو یا بڑھیا اس واقعہ کا تذکرہ بہر صورت ہر نسخہ میں موجود ہے۔

دعائیں دیں۔

(۱۶)

اسلام کا چھٹا رکن روٹی؟ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں یعنی کلمہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج۔ حضرت بابا صاحبؒ بھی بلاشبہ انہی پانچ ارکان اسلام کے قائل تھے۔ لیکن ایک دفعہ آپ نے ایک ملاّصاحب کا غرور علم توڑنے کے لئے عجیب تصرف روحانی کا مظاہرہ کیا۔ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے روایت ہے کہ اجودھن کے نواح میں ایک ملاّصاحب رہتے تھے۔ ان کو اپنے علم کا بڑا گھمنڈ تھا اور زعم علم میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ بالخصوص درویشوں کو تو بہت حقیر جانتے تھے۔ ایک دن ملاّصاحب حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اور بہت سے لوگ آپ کے ارشاد عالیہ سے مستفیض ہو رہے تھے ملاّصاحب نے اس انداز میں گفتگو شروع کی۔ گویا وہ علم کا بحر بیکراں ہیں اور دوسرے ان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ جب اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں کافی دیر ہوگئی تو حضرت بابا صاحبؒ نے زیر لب تبسّم فرماکر ملاّصاحبؒ سے پوچھا "مولوی صاحب اسلام کے کتنے رکن ہیں؟"

ملاّصاحب نے جواب دیا۔ "پانچ۔ پہلا کلمہ۔ دوسرا نماز، تیسرا روزہ۔ چوتھا زکوٰۃ، پانچواں حج"

باباصاحبؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا "میں نے سنا ہے ایک چھٹا رکن بھی ہے"

ملاّصاحب بگڑ کر بولے "آپ نے جو کچھ سنا ہے غلط ہے"

باباصاحبؒ نے فرمایا "میں نے بعض اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے"

ملاّصاحب کو حضرتؒ کے ارشاد پر بڑا تاؤ آیا اور کہنے لگے کہ آپ جیسے کم علم لوگ خواہ مخواہ ایسے لایعنی مسئلے گھڑ لیتے ہیں آپ کو علمی اور دینی مسائل میں دخل نہیں دینا چاہیے" یہ کہہ کر وہ "فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین" (نصیحت کرنے کے بعد ظالموں کی قوم کے پاس نہ بیٹھ) پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ باباصاحبؒ نے ہرچند ان کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکے اور غصے میں بھرے ہوئے چلے گئے۔

اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد ملاّصاحب حج کے لئے مکّہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں

سات برس قیام کرنے کے بعد بحری راستے سے واپسی کا قصد کیا۔ راستے میں جہاز کو طوفان نے آلیا۔ اور خوفناک سمندری لہروں نے اسے غرق کر دیا۔ ملاّ صاحب کی زندگی ابھی باقی تھی جہاز کے ایک شکستہ تختے پر بیٹھے ہوئے کنارے آ لگے۔ تختے سے اتر کر خشکی پر پہنچے۔ یہ ایک بے آباد اور سنسان جزیرہ تھا۔ ہر طرف خشک پہاڑ تھے۔ سبزہ کا کہیں نشان بھی نہ تھا ملاّ صاحب ایک پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ گئے۔ بھوک پیاس سے جان لبوں پر آئی ہوئی تھی۔ لیکن شکم کی آگ بجھانے کا کوئی سامان نہ تھا۔ تین دن سخت بے چینی کے عالم میں گذارے۔ چوتھے دن اچانک ایک طرف سے ایک آدمی نمودار ہوا جس کے سر پر خوان تھا۔ اس نے آواز لگائی "روٹی بیچتا ہوں روٹی" یہ آواز سن کر ملاّ صاحب کی جان میں جان آئی لیکن ایک پیسہ بھی پاس نہ تھا۔ بڑی لجاجت سے اس آدمی سے کہنے لگے "بھائی میں مسافر ہوں۔ میرا جہاز سمندر میں غرق ہو گیا اور میں یہاں تین دن سے بھوکا پیاسا ایڑیاں رگڑ رہا ہوں۔ روٹی خریدنے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے"

اس آدمی نے کہا "میرے پاس روٹی بھی ہے اور پانی بھی لیکن میں دکاندار ہوں۔ بغیر قیمت لئے کسی کو روٹی پانی نہیں دیتا"

ملاّ صاحب نے کہا "کیا تم مسلمان ہو"

اس نے جواب دیا "الحمد للہ میں دین اسلام کا نام لیوا ہوں"

ملاّ صاحب نے کہا "بھائی میں بھی مسلمان ہوں علم دین پر عبور رکھتا ہوں اور خدا کے فضل سے سات بار فریضہ حج ادا کیا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بھوکوں پیاسوں اور مسافروں کی مدد کرو۔ اس وقت میں حاجتمند ہوں اگر مجھے کھانا کھلاؤ گے تو خدا کے یہاں سے اجر عظیم پاؤ گے"

اس آدمی نے کہا "آپ بجا فرماتے ہیں لیکن میں اس طرح روٹی بانٹنے لگوں تو میری دکانداری ختم ہو جائے"

ملاّ صاحب یہ کورا جواب سن کر بہت مایوس ہوئے اور پھر کہنے لگے "بھائی خدا کے لئے مجھ عاجز کے حال پر رحم کرو"

اس شخص نے کہا "اچھا اگر آپ سات حج کا ثواب مجھے دیدیں تو میں آپ کو روٹی دیدوں گا"

مُلّا صاحب کی جان پر بنی ہوئی تھی فوراً کہا کہ میں تجھے سات حج کا ثواب بخشتا ہوں اب اس شخص نے خوان سر سے اتار کر مُلّا صاحبؒ کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے پیٹ بھر کر روٹی کھائی اور پانی پیا۔ اس کے بعد وہ شخص خالی برتن لے کر پہاڑوں کے چکر میں غائب ہو گیا۔ ملا صاحب نے اس کے مسکن کا پتہ لگانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آخر تھک ہار کر سمندر کے کنارے بیٹھ گئے کہ کوئی جہاز یا کشتی یہاں سے گذرے تو اشارہ دے کر اپنی طرف بلائیں۔ لیکن کوئی جہاز یا کشتی ادھر سے گذرنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ غرض ملا صاحب پھر بھوک پیاس سے نڈھال ہو گئے۔ اس وقت پھر وہی روٹیوں والا آدمی وہاں نمودار ہوا ہے اور روٹی کے عوض مُلّا صاحب سے ساری عمر کے روزوں کا ثواب لے لیا۔ دو چار دن بعد پھر یہی واقعہ پیش آیا اور ملا صاحب اپنی ساری عمر کی نمازوں اور زکوٰۃ کا ثواب بھی اس شخص کو روٹی کے عوض دے بیٹھے۔ چوتھی بار جب وہ شخص اسی طرح آیا تو ملا صاحب کہنے لگے " بھائی اب تو میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا جو تجھے دے کر روٹی لوں اب میرے پاس فقط اللہ کا نام ہے "

اس شخص نے کہا " پہلے تو تم نے اپنی عمر بھر کی نمازوں۔ روزوں۔ زکوٰۃ اور سات حج کا ثواب مجھے زبانی ہی بخشا۔ آج میں قلم دوات لایا ہوں اگر تم لکھ دو کہ ان ساری عبادات کا ثواب تم نے ایک ایک وقت کی روٹی کے عوض فروخت کر دیا ہے تو میں آج صرف اس تحریر کے عوض تمہیں کھانا کھلا دوں گا "۔

ملا صاحب نے یہ تحریر بھی دے دی۔ اور اس شخص نے انہیں کھانا کھلا کر اپنی راہ لی اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد ملا صاحب کو سمندر میں ایک جہاز نظر آیا۔ انہوں نے اپنا عمامہ سر سے کھول کر زور زور سے لہرایا۔ جہاز والوں نے ایک کشتی بھیج کر مُلّا صاحب کو جہاز پر سوار کر لیا۔ یہ ہندوستان کے حاجیوں کا جہاز تھا۔ مُلّا صاحب ان کے ساتھ اپنے وطن واپس پہنچے۔ اور پھر ایک دن بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے سات حجوں کا حال آپ کو سنایا آپ سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا " آپ اب تو ہم سے ناراض نہیں ہیں "۔ مُلّا صاحب نے کہا " میں ناراض ہوتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہی کیوں ہوتا "۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا حج پر جانے سے پہلے آپ یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے اسلام کے چھٹے رکن روٹی کا ذکر کیا تھا۔ اس پر آپ ناراض ہو گئے تھے اور ہم کو " قوم الظالمین " کا ایک فرد قرار دیا

ہمیں آپ کی خفگی کا بہت صدمہ تھا۔ اور آپ ہم کو ہر روز یاد آتے تھے"۔

مُلا صاحب نے کہا "اوہو مجھے تو یہ واقعہ یاد ہی نہ رہا تھا۔ لیکن میرا خیال اب بھی یہی ہے کہ درویش لوگ محض اپنی کم علمی کی وجہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلام کا چھٹا رکن کوئی نہیں ہے"۔

باباصاحبؒ نے فرمایا "مولانا میں سنی سنائی بات نہیں کر رہا۔ میں نے تو یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے"۔

مُلاّ صاحب نے کہا "اگر فی الواقعہ ایسا ہے تو آپ مجھے بھی یہ بات لکھی ہوئی دکھا دیجئے"

باباصاحبؒ نے خادم کو آواز دی کہ میری فلاں کتاب لانا۔ جب وہ ایک ضخیم کتاب لے کر حاضر ہوا۔ تو آپ نے مُلاّ صاحب کے سوا باقی سب لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور کتاب کے ورق الٹتے ہوئے ایک جگہ ہاتھ رکھ کر فرمایا "لیجئے مولانا یہ عبارت پڑھ لیجئے"۔

مُلاّ صاحبؒ نے جھک کر بغور یہ عبارت دیکھی تو یہ ان کی اپنی لکھی ہوئی وہ تحریر تھی جو انہوں نے جزیرہ والے نان فروش کو دی تھی۔ ملاّ صاحب ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو باباصاحبؒ کے قدموں پر گر پڑے اپنے زعم علمیت سے توبہ کی اور حضرتؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اس دن سے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور مرتے دم تک کسی سے کلام نہ کیا۔ ہر وقت خوفِ خُدا سے روتے رہتے تھے۔

(۱۷)

اینٹ سونے کی ہوگئی ایک دن حسن قوال باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری لڑکی کی شادی ہے۔ بہت خرچ اُٹھے گا کچھ عنایت فرمائیے کہ اس فرض سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکوں۔ حضرتؒ نے فرمایا۔

"میں ایک درویش ہوں اور مال دنیوی کا درویشوں کے پاس کیا کام؟

حسن قوال نے اصرار کیا کہ آپ کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرمائیں۔ میرے لئے وہی دنیا جہان کی دولت کے برابر ہوگا"

ایک اینٹ پاس پڑی تھی باباصاحبؒ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا

"اچھا یہ اینٹ لے جا"

حسن قوال نے فوراً وہ اینٹ اٹھا لی۔ دیکھا تو وہ اینٹ سونے کی صورت اختیار

کر رکھی تھی۔ حضرتؒ کو دعائیں دیتا گھر پہنچا اور نہایت دلجمعی سے بیٹی کی شادی کی۔

(۱۸)

حاکم دیپالپور کی ہلاکت خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ایک دفعہ دیپالپور کی حکومت پر ایک ایسا شخص فائز ہوا جو باباصاحبؒ کی عظمت کا منکر تھا۔ اور آپ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا ایک دفعہ ایک شرپسند شخص نے حاکم دیپالپور کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں زمین جس پر باباصاحبؒ قابض ہیں۔ میری ہے۔ یہ زمین فی الحقیقت باباصاحبؒ کی زرخرید تھی اور اس کی آمدنی کو آپ نے غربا و مساکین کی خدمت کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ مدعی کا دعویٰ سراسر جھوٹا تھا۔ حاکم دیپالپور نے اہل قصبہ سے تحقیق کئے بغیر آپ کی طلبی کا حکم بھیج دیا۔ آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ درویشوں کو حکام کے درباروں سے کیا سروکار۔ تم اہل قصبہ سے پوچھ لو یا دوسرے ذرائع سے تحقیق کر لو" حاکم دیپالپور باباصاحبؒ کو طلب کرنے پر مصر رہا۔ اور آپ کی بات کا اعتبار نہ کیا۔ اس پر آپؒ نے حکومت کے پیادوں سے کہا "اس گردن شکستہ سے کہو کہ اسے میرے کہنے کا اعتبار نہیں ہے تو خود آ کر زمین سے پوچھ لے" حاکم غضبناک ہو کر اجودھن پہنچا۔ اور متنازعہ زمین کے قریب خیمہ زن ہوا۔ اجودھن کے بیشمار لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ اس وقت باباصاحبؒ کے ایک خادم نے پکار کر کہا "اے زمین بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا حکم ہے کہ تو سچ سچ اپنے مالک کا نام بیان کر دے۔" زمین کے اندر سے آواز آئی کہ میں باباصاحبؒ کی ملکیت ہوں۔ مدعی نہایت شرمسار ہوا اور حاکم بھی تیسرے روز وہاں سے چل دیا۔ راستے میں اس کی گھوڑی کو ٹھوکر لگی اور الٹا کر زمین پر گرا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسی صدمہ سے ہلاک ہو گیا۔

(۱۹)

شان قناعت ایک دن سلطان غیاث الدین بلبن نے دیناروں سے بھرے ہوئے دو طشت آپ کی خدمت میں بھیجے آپ نے اپنے خادم خاص مولانا بدرالدین اسحٰقؒ سے پوچھا "آج آپ کو لنگرخانہ کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے۔"

مولانا بدرالدین اسحٰقؒ نے عرض کی "آج لنگرخانہ میں صرف ایک ٹکے کی ضرورت ہے اور ایک ٹکہ لنگرخانہ کے ذمہ قرض ہے۔"

باباصاحبؒ نے فرمایا "ایک دینار بھنا کر دو ٹکے لے لو اور باقی رقم مساکین میں تقسیم کر دو

مولانا نے باباصاحبؒ کے حکم کی تعمیل کی۔ شام کو چراغ جلایا تو دیکھا کہ ایک ٹکہ زمین پر پڑا ہے۔ یہ ٹکہ طشتوں کی رقم میں سے بے خبری میں گر گیا تھا۔ مولانا نے اسے اپنے پلو میں باندھ لیا تاکہ دوسرے دن لنگر خانے کے اخراجات میں کام آسکے۔ عشاء کے وقت باباصاحبؒ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ مقتدیوں میں مولانا اسحاقؒ بھی تھے۔ باباصاحبؒ نے سورۂ فاتحہ کی چند آیات پڑھ کر نماز توڑ دی اور دوبارہ نیت باندھی لیکن قعدہ میں آکر پھر نماز توڑ دی اور پیچھے پلٹ کر مولانا اسحٰقؒ سے مخاطب ہوکر فرمایا "آج مجھے نماز میں خشوع و خضوع حاصل نہیں ہو رہا۔ کیا نذر کی رقم سے کچھ بچ گیا ہے"۔

مولانا اسحٰقؒ نے عرض کی "دو ٹکوں کے سوا نذر کی ساری رقم میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق درویشوں میں تقسیم کر دی تھی۔ لیکن ان کے علاوہ ایک ٹکہ بے خبری کے عالم میں زمین پر گر گیا تھا۔ اسے میں نے اپنے پاس رکھ لیا تاکہ کل کام آئے"۔

حضرتؒ نے فرمایا "درویش کل کی فکر نہیں کیا کرتے اس ٹکہ کو پھینک دو"۔

مولانا اسحٰقؒ نے پلو کھول کر ٹکہ فوراً پھینک دیا۔ اس کے بعد باباصاحبؒ نے اطمینان سے نماز پڑھائی۔

(۲۰)

مریدوں کی غائبانہ امداد جواہر فریدی میں ہے کہ حضرت باباصاحبؒ کے ایک مرید محمد نیشاپوری دو تین آدمیوں کے ساتھ ایک دفعہ گجرات سے دہلی آرہے تھے سب بے ہتھیار تھے۔ راستے میں ایک جنگل سے گذرتے ہوئے ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کر دیا۔ مایوسی کے عالم میں انہوں نے باباصاحبؒ کی طرف رجوع کیا۔ اور ربّ اکبر کے حضور التجا کی کہ ہمارے شیخ کی استعانت ہمارے شامل حال کر۔ یکایک ڈاکوؤں نے تلواریں پھینک دیں اور ان لوگوں سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ محمد نیشاپوری کا بیان ہے کہ یہ میری زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔

(۲۱)

مٹی تریاق بن گئی ایک دفعہ باباصاحبؒ خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ اور کچھ دوسرے درویشوں کے ہمراہ بغداد کی طرف سفر کر رہے تھے۔ راستے میں خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے پاؤں میں ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا۔ خواجہ صاحبؒ درد کی شدت سے

بیتاب ہو گئے۔ تریاق وغیرہ ڈھونڈنے کا وقت نہ تھا۔ بابا صاحبؒ نے زمین سے چٹکی بھر مٹی اٹھائی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر خواجہ صاحبؒ کے پاؤں میں سانپ کے ڈسنے کی جگہ پر مل دی۔ اللہ تعالیٰ نے زہر کا اثر زائل کر دیا اور خواجہ صاحبؒ کو بالکل شفا ہو گئی۔

(۲۲)

ایک متبحرّ عالم حلقۂ ارادت میں | تاریخ فرشتہ میں ہے کہ بنگالہ کا حاکم طغرل بیگ ایک جاہل اور ظالم آدمی تھا۔ اس کی ملازمت میں مولانا حمید نامی ایک متبحرّ عالم تھے وہ بابا صاحبؒ سے غائبانہ عقیدت رکھتے تھے لیکن طغرل کی ملازمت ترک نہ کرتے تھے ایک دن اس کی خدمت میں دست بستہ کھڑے تھے کہ ایک نورانی صورت دکھائی دی جو کہہ رہی تھی " اے حمید اس جاہل کے روبرو کھڑا ہو کر کیوں اپنے علم کو بٹہ لگا رہا ہے "۔ مولانا حمید بہت حیران ہوئے لیکن کسی فیصلے پر نہ پہنچے دوسرے دن پھر وہی صورت دکھائی دی اور اس نے پہلے دن کے الفاظ دہرائے۔ اب مولانا حمید سمجھے کہ یہ تنبیہ مجھے بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی طرف سے ہو رہی ہے فوراً ملازمت ترک کی اور سیدھے اجودھن پہنچ کر بابا صاحبؒ کی قدمبوسی کی۔ آپ نے فرمایا۔

" اے حمید تو نے دیکھا کہ میں تجھے کس طرح یہاں لایا "۔

مولانا حمید نے بابا صاحبؒ کا ارشاد سنتے ہی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر شبانہ روز آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ حضرت نے انہیں نعمتِ باطنی سے مالا مال کر دیا۔ مولانا حمید نے کچھ مدّت وعظ و تبلیغ کا کام کیا اور پھر مکّہ معظمہ چلے گئے۔

مولانا حمید کے زندگی کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ البتہ عہدِ ناصری و بلبنی کی مشہور شخصیات میں ہمیں "عمید" کا نام ملتا ہے۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے اپنے حسنِ تدبر اور لیاقت کی بدولت ہندوستان کے تمام صوبوں کے دیوان بن گئے تھے۔ پورا نام ملک الکلام امیر فخرالدین عمید سنامی تھا۔ ممکن ہے یہ عمید اور مذکورہ بالا مولانا حمید ایک ہی شخصیت ہوں۔

(۲۳)

مرید کا درد پشت دور ہو گیا | خواجہ احمد سیوستانیؒ حضرت بابا صاحبؒ کے ایک مرید تھے جو آپ کے غسل اور وضو کے لئے پانی لایا کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دن میری کمر میں سخت درد تھا۔ اس لئے پانی نہ لا سکا۔ بابا صاحبؒ نے مجھے بلایا اور پوچھا کیا سبب ہے

آج تم پانی نہیں لائے۔ میں نے عرض کی کہ کمر میں درد کی وجہ سے چلنا پھرنا دوبھر ہے۔
آپ نے میری پشت پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ جاؤ پانی لاؤ۔ میرا دردِ پشت آناً فاناً دور ہو گیا۔ اور اس کے بعد کبھی میری پشت میں درد نہیں ہوا۔

(۲۴)

برص کا داغ دور ہو گیا ایک دفعہ حضرت بابا صاحبؒ ملتان تشریف لے گئے اور خواجہ بہاؤ الدین ذکریاؒ کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ خواجہ صاحبؒ کے پاس ایک حسین کنیز تھی جس کے ماتھے پر برص کا ایک بدنما داغ تھا۔ خواجہ صاحبؒ نے اس داغ کے دور ہونے کے لئے کئی بار بارگاہ خداوندی میں التجا کی۔ لیکن ہر بار حکم ہوا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ بابا صاحبؒ کے قیام کے دوران خواجہ صاحبؒ نے کنیز کو حکم دیا کہ وہ آپ کو وضو کرانے کی خدمت سرانجام دیا کرے۔ ایک دن کنیز بابا صاحبؒ کو وضو کرا رہی تھی کہ آپ کی نظر اس کے ماتھے پر پڑی۔ اس کے ماتھے کا بدنما داغ دیکھ کر آپ کی طبیعت بہت آزردہ ہوئی اور بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگی کہ الٰہی اس عورت کے ماتھے کا داغ دور کر دے۔ حق تعالےٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اور اس کنیز کے ماتھے کا داغ آناً فاناً دور ہو گیا خواجہ بہاؤالدینؒ نے دیکھا تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ فریدؒ کی دعا کیسے رائیگاں جاتی — اللہ تعالےٰ نے اس سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں تیری ہر مراد پوری کروں گا۔

(۲۵)

حیرت انگیز کشف خواجہ احمد سیوستانیؒ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت بابا صاحبؒ نے مجھے حکم دیا کہ میرا جامہ دھولاؤ۔ میں حسب الحکم جامہ مبارک کو دھو کر لے گیا۔ آپ نے فرمایا یہ پاک نہیں ہوا پھر دھو کر لاؤ۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید میں نے جامۂ مبارک دھونے سے پہلے وضو نہیں کیا تھا۔
چنانچہ میں نے وضو کر کے نماز دوگانہ پڑھی۔ اور پھر جامہ مبارک دھو کر آپ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے فرمایا ابھی یہ میرے پہننے کے قابل نہیں ہوا اسے پھر دھو ڈالو میں نے بڑی احتیاط سے تیسری بار جامۂ مبارک کو دھویا لیکن بابا صاحبؒ نے

اب بھی اسے قبول نہ فرمایا۔ پہلے میں ہر مرتبہ جامۂ مبارک کو دھو کر سکھانے کے لئے درختوں کی شاخوں پر ڈال دیتا تھا ان شاخوں کو دیکھا تو وہاں پرندوں کی بیٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ اب ساری بات میری سمجھ میں آگئی اور میں نے چوتھی بار جامۂ مبارک کو دھو کر اسے گھاس پر ایک صاف جگہ ڈال دیا۔ جب خشک ہوا تو باباصاحبؒ کی خدمت میں لے گیا۔ اب آپؒ نے اسے قبول فرمالیا۔

تیرھواں باب

وصال

(۱)

سال وفات حضرت بابا صاحبؒ نے باختلاف روایت چھہتر ۷۶ سے ۱۰۰ برس کے درمیان عمر پائی۔ آپ کے سال وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں سخت اختلاف ہے۔ تاریخ فرشتہ میں سنہ ۶۶۰ھ۔ سیر الاولیاء۔ سفینۃ الاولیاء۔ اخبار الاخیار اور جواہر فریدی میں شب سہ شنبہ ۵ محرم سنہ ۶۶۴ھ۔ سیر الاقطاب میں سنہ ۶۹۰ھ خزینۃ الاصفیا وسلسلۃ الاولیاء میں چہارشنبہ ۵ محرم الحرام سنہ ۶۷۰ھ اور آئین اکبری میں سنہ ۶۶۵ھ[1] درج ہے۔ مولوی محمد صالح کنجاہی نے سلسلۃ الاولیاء میں مرزا مظہر جان جاناںؒ کا ایک تاریخی قطعہ درج کیا ہے جس سے سنہ ۶۷۰ھ تاریخ نکلتی ہے۔

قطعہ یہ ہے

فریدالدین کہ او گنج شکر بود
چو در ذاتِ خدا شد محو مطلق
بمظہر گفت ہاتف سال نقلش
فریدالدین ولی واصل حق (سنہ ۶۷۰ھ)

---

[1] اردوئے قدیم شمس اللہ قادری

حضرتؒ کے سال ولادت اور سال وصال کے متعلق خواہ کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں اتنا ضرور ثابت ہے کہ آپ نے خاصی طویل عمر پائی۔

(۲)

آخری ایّام وصال سے چند دن پہلے شمس دبیر شاعر نے جو حضرتؒ کا ارادتمند تھا۔ آپ کے سامنے نظامی کی یہ مثنوی پڑھی۔

جہاں چیست بگذر ز نیرنگ او ۔۔۔ رہائی بچنگ آر از چنگ او
مقیمے نہ بینی درین باغ کس ۔۔۔ تماشا کند ہر یکے یک نفس
درین چار سو ہیچ بیگانہ نیست ۔۔۔ کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست
در دہر دمے از نو برے می رسد ۔۔۔ یکے می رود دیگرے می رود
جہاں گرچہ آرامگاہے خوش است ۔۔۔ شتابندہ را نعل در آتش است
دو در دارد این باغ آراستہ ۔۔۔ در و بند این ہر دو برخاستہ
در آ از درے باغ بنگر تمام ۔۔۔ ز دیگر درے باغ بیرون خرام
اگر زیرکے باگلے خو مگیر ۔۔۔ کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر
درین دم کہ داری بشادی بسیچ ۔۔۔ کہ آئندہ در زیر پیچیست و بیچ
یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز ۔۔۔ دگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاران شدند ۔۔۔ تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

حضرتؒ یہ مثنوی سن کر بیخود ہوگئے اور آپ پر وجدانہ کیفیت طاری ہوگئی۔ جب ہوش میں آئے تو شمس دبیر کو اپنا خاص پیرہن عنایت فرمایا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے خاموشی اختیار کرلی۔ مطلق کسی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ نماز اور تلاوتِ قرآن حکیم کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طبیعت علیل ہے۔

۱؎ بعض جگہ "ہنگامہ" درج ہے۔ ۲؎ بعض جگہ "دم" درج ہے ۳؎ بعض جگہ "زینا" درج ہے ۴؎ بعض جگہ گلشن درج ہے
۵؎ بعض جگہ "آزرد" درج ہے ۶؎ بعض جگہ یہ مصرع یوں درج ہے "کہ آئندہ و رفتہ ہیچ است و ہیچ"
۷؎ بعض جگہ "بار" درج ہے۔

(۳)

وصال ۵ محرم الحرام کو علالتِ طبع بڑھ گئی۔ عشا کی نماز پڑھ کر بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو حاضرین سے پوچھا "کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے" سب نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرتؒ نے فرمایا "ایک بار پھر پڑھ لوں شاید پھر نصیب میں ہو یا نہیں"۔

چنانچہ تازہ وضو کیا اور دوبارہ نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد پھر بیہوش ہو گئے اور ہوش آنے پر پھر تجدید وضو کر کے تیسری دفعہ نماز پڑھی۔ اور پھر سر سجدہ میں رکھ کر زبان مبارک سے "یا حیّ یا قیّوم" فرمایا۔ اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس وقت لوگوں کو یوں محسوس ہوا کہ کوئی غیب سے پکار رہا ہے ؏

دوست بہ دوست پیوست (اخبار الاخیار)

(۴)

تجہیز و تکفین حضرت بابا صاحبؒ کے وصال کی خبر جونہی پاک پٹن کے شہر اور اس کے نواحی علاقوں میں پھیلی لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ اور وہ جوق در جوق آخری زیارت کے لئے آستانہ مبارک پر پہنچنے شروع ہو گئے حضرت کی ایک عقیدتمند بڑھیا نے کفن کے لئے کپڑا پیش کیا اور کہا کہ میں نے اس کپڑے کے سوت کا ایک تار بھی بغیر وضو کے نہیں کاتا۔ اسے میں نے اپنے کفن کے لئے بنوایا تھا۔ لیکن اس کپڑے کو اگر حضرت شیخ العالمؒ کا کفن بننے کی سعادت نصیب ہو جائے تو حق تعالےٰ سے امید ہے کہ وہ میری آخرت سنوار دیگا۔ صاحبزادوں نے اس بڑھیا کی عقیدت دیکھ کر یہ کپڑا قبول کر لیا۔ اور حضرتؒ کے جسد مبارک کو اسی میں کفنایا۔ چونکہ اس وقت حضرتؒ کے خلفائے عظامؒ پاک پٹن میں موجود نہیں تھے۔ اس لئے سب کی صلاح یہ ٹھہری کہ فی الحال جسد مبارک کو امانتاً دفن کر دیا جائے۔ جب محبوب الٰہی خواجہ نظام الدینؒ اور دوسرے خلفائے عظام پاک پٹن تشریف لے آئیں اس وقت مستقل تدفین کی جائے۔ چنانچہ چند دن بعد جب حضرت محبوب الٰہیؒ دہلی سے تشریف لائے تو جسد مبارک کو امانت گاہ سے نکال کر حضرت بابا صاحبؒ کے اس حجرۂ خاص میں دفن کیا گیا جہاں سینکڑوں بار قرآن پاک کی تلاوت کی گئی تھی۔ مدفن پر ایک عظیم الشان روضہ تعمیر کیا گیا۔ سلطان غیاث الدین بلبنؒ نے اس کے لئے ایک کثیر رقم پیش کی۔ اور حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسے اپنی نگرانی میں تعمیر کرایا۔ سینکڑوں سال سے مزار مبارک

مرجعِ خاص و عام ہے

(5)

باب جنّت یا بہشتی دروازہ

حضرت بابا صاحبؒ کے مزار مبارک کا جنوبی دروازہ صدیوں سے "بہشتی دروازہ" کہلاتا ہے۔ اس کی پیشانی پر "باب جنّت" کے حروف کندہ ہیں۔ نہایت خوبصورت اور بلند و بالا دروازہ ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے عقیدت منداس دروازہ سے گذرنا اپنے لئے باعث سعادت و برکت سمجھتے ہیں۔ سالانہ عرس مبارک کے موقع پر دو راتوں کے لئے جب یہ دروازہ کھلتا ہے تو اس میں سے گذرنے والے لاکھوں عقیدتمندوں کے اشتیاق کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور بمشکل تمام اس دروازہ میں داخل ہو کر مشرقی دروازے سے باہر نکلتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو ایک دفعہ خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت ہوئی کہ جو شخص اس دروازہ میں (ایمان و اخلاص کے ساتھ) داخل ہوا۔ وہ امن میں ہے۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے منادی کرادی کہ جو شخص سچے دل سے تائب ہو کر اس دروازہ میں سے گذرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں داخل فرمائے گا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض بہشتی دروازہ سے گذرنا ہی جنّت کا ضامن ہے ان کو ایمان اور اخلاص کی شرط نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت دیوان شیخ ابراہیم کبیریؒ کے زمانۂ سجادگی میں ایک شخص نے اعتراض کیا کہ اس دروازہ کو بہشتی دروازہ کہنا خلاف شریعت ہے۔ دیوان صاحبؒ اس وقت خاموش ہو رہے۔ عرس کے دن آئے اور بہشتی دروازہ کھلا تو انہوں نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سر پر ایک چادر ڈال کر فرمایا کہ اس دروازہ سے گذر کر اپنے پیچھے پلٹ کر دیکھو اس شخص نے دروازہ سے گذر کر پیچھے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ انبوہ کثیر میں کئی لوگوں کے چہرے (گناہوں کی کثرت سے) مسخ ہو گئے ہیں لیکن جب وہ روتے ہوئے اور توبہ استغفار کرتے ہوئے بہشتی دروازہ میں داخل ہو کر مشرقی دروازے سے باہر نکلے تو پاکیزہ انسانی صورت میں تھے۔

؎ موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے (اقبالؒ)

وہ شخص یہ کرامت دیکھ کر حضرت بابا صاحبؒ کا دل و جان سے معتقد ہو گیا۔

چودھواں باب

ازواج واولاد

(ا)

ازواج حضرت باباصاحبؒ کی ازواج و اولاد کے متعلق تذکرہ نگاروں میں بہت اختلاف ہے۔ ملفوظات خواجگان چشت میں ہے کہ آپ نے چار شادیاں کیں۔ لیکن عام روایت یہ ہے کہ آپ نے تین نکاح کئے۔ اس روایت کے مطابق آپ کی ازواج کے نام یہ تھے۔

(۱) بی بی ہزیرہ خاتون (دختر غیاث الدین بلبن)
(۲) بی بی مجیب النساء (ہمشیرہ شیخ زکریا سندھیؒ)
(۳) بی بی کلثوم یا ام کلثوم

بی بی ہزیرہ خاتون کے حضرتؒ کے عقد نکاح میں آنے سے متعلق ایک عجیب روایت مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان غیاث الدین بلبن کی درخواست پر حضرت باباصاحبؒ اس کی محلسرائے میں تشریف لے گئے۔ اتفاقاً آپ کی نظر دختر سلطان ہزیرہ خاتون پر پڑ گئی۔ اور آپ نے سلطان سے پوچھا "یہ لڑکی کون ہے"۔
سلطان نے عرض کیا "یہ آپ کے اس خادم کی دختر ہے"۔ باباصاحبؒ خاموش ہو گئے اس کے بعد سلطان کی بیگمات اور محلسرا کی دوسری خواتین نے حضرتؒ کی قدمبوسی کی اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ سلطان نے اپنے وزیر سلطنت کی معرفت حضرت باباصاحبؒ

کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ نے اس خادم کی لڑکی کے متعلق دریافت فرمایا تھا۔ اگر حکم ہو تو غلام زادی آپ کی خدمت کے لئے پیش کر دوں۔ حضرت باباصاحبؒ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھے اشارۂ غیبی ہوا ہے کہ تیری لڑکی سے نکاح کروں۔ سلطان حضرتؒ کے جواب سے بہت مسرور ہوا اور اس نے بلا تامل اپنی لخت جگر کا نکاح حضرت باباصاحبؒ سے کر دیا۔ بادشاہ نے جہیز میں بیش بہا سامان۔ غلام اور کنیزیں دیئے۔ حضرتؒ نے بی بی ہزیرہ سے فرمایا کہ میں تو فقیر بوریہ نشین ہوں مجھے اس سامان خدم وحشم سے کیا کام؟ اگر میری رفاقت چاہتی ہو تو لباس درویشی پہنو۔ یہ سب سامان راہ خدا میں لٹا دو اور غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کر دو۔ بی بی ہزیرہ خاتون نے تعمیل ارشاد کی۔ بادشاہ نے اس کے بعد کئی بار آپ کی خدمت میں قیمتی مال و سامان بھیجا لیکن آپ نے ہر بار یہ سارا سامان راہ خدا میں لٹا دیا۔ صرف دو کنیزیں سارہ اور شکوریہ کو بی بی صاحبہ کی خدمت کے لئے رکھ لیا۔ بی بی صاحبہ نے ایک دن عرض کی کہ میرا باپ بادشاہ ہے اپنے سامنے دہلی میں میری اس حالت کو گوارا نہ کرے گا۔ ہمیں دہلی کی سکونت ترک کر دینی چاہیئے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ اجودھن تشریف لے آئے۔

ہمارے نزدیک اس روایت میں بیان کردہ واقعات تاریخی لحاظ سے ناقابل اعتبار اور وضعی معلوم ہوتے ہیں۔

سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ میں تخت ہندوستان پر بیٹھا اور حضرت باباصاحبؒ نے باختلاف روایت ۶۶۴ھ یا ۶۶۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کے وقت بی بی ہزیرہ خاتون کے بطن سے آپ کے کئی بچے عاقل و بالغ اور شادی شدہ تھے اس لئے یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کہ بی بی ہزیرہ خاتون اس وقت حضرت باباصاحبؒ کے عقد نکاح میں آئیں جب بلبن ہندوستان کا بادشاہ تھا اور یہ بات تو بالکل مضحکہ خیز ہے کہ باباصاحبؒ نے اس واقعہ کے بعد اجودھن میں سکونت اختیار فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ بی بی ہزیرہ خاتون کا نکاح سالہا سال پہلے حضرت باباصاحبؒ سے ہوا۔ جب کہ بلبن صرف الغ خان تھا اور سلطان ناصر الدین محمود کا وزیر سلطنت تھا۔ اس وقت حضرت باباصاحبؒ مستقل طور پر اجودھن میں قیام پذیر ہو گئے تھے اور اجودھن میں ہی الغ خان آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوا۔ باباصاحبؒ کا محلسرا میں تشریف لے جانا کم و غیرہ

سے قدمبوسی کرانا بھی خلاف واقعہ ہے۔ چشتی بزرگ بادشاہوں یا متوسلین حکومت کے گھروں پر جانے اور غیر عورتوں کو ملنے سے کلیتہً اجتناب فرماتے تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ کی درویشانہ زندگی کے پیش نظر آپ کا دو کنیزوں کو قبول کرنا بھی چنداں قابل تسلیم نہیں بیشک بی بی ہزیرہ خاتون حضرت بابا صاحبؒ کے عقد نکاح میں آئیں۔ لیکن اس سلسلہ میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ محض ع "بڑھا بھی دیتے ہیں زیب داستاں کیلئے" کا مصداق ہیں

(۲)

اولاد ایک روایت میں ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے چودہ فرزند اور پانچ لڑکیاں تھیں یعنی چار چار لڑکے بی بی مجیب النساء اور ام کلثوم کے بطن سے اور چھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں بی بی ہزیرہ خاتون کے بطن سے۔ لیکن اکثر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے پانچ فرزند اور تین لڑکیاں تھیں۔ یہ سب اولاد بی بی ہزیرہ خاتون کے بطن سے تھی۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ خواجہ شہاب الدینؒ
۲۔ خواجہ بدرالدینؒ
۳۔ خواجہ نظام الدینؒ
۴۔ خواجہ یعقوبؒ
۵۔ خواجہ عبداللہؒ (کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے)

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں

۱۔ بی بی مستورہؒ (صاحب سیرالاقطاب کے بیان کے مطابق ان کا نکاح شیخ عمر صوفی سے ہوا)

۲۔ بی بی شریفہؒ (نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔ بابا صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر عورت خلافت کی اہل ہوتی تو بی بی شریفہ اس کی مستحق تھی۔ بعض تذکرہ ولیں ہے کہ وہ جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں اور بعض لکھتے ہیں کہ انھوں نے جوانی میں وفات پائی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ بی بی شریفہ مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ کے نکاح میں تھیں۔

۳ - بی بی فاطمہؒ - حضرت باباصاحبؒ کے خادم خاص اور خلیفہ خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ کی زوجیت میں تھیں - ان کا وصال دہلی میں ہوا اور وہیں دفن ہوئیں

بعض تذکرہ نگاروں نے حضرت باباصاحبؒ کے ایک اور (چھٹے) فرزند خواجہ نصراللہ (یا خواجہ نصیرالدین) کا ذکر بھی کیا ہے - لیکن صاحب گلزار فریدی کا بیان ہے کہ خواجہ نصراللہ حضرت باباصاحبؒ کے متبنّیٰ (لے پالک) تھے - جب حضرت نے بی بی ام کلثومؒ کے ساتھ نکاح کیا تو یہ اپنی ماں کے ساتھ تھے (یعنی بی بی ام کلثوم کے پہلے خاوند کے صُلب سے تھے) حضرت باباصاحبؒ نے ان کی پرورش اپنے حقیقی فرزندوں کی طرح کی اور ان سے بے حد محبت کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ باباصاحبؒ نے انہیں اپنی خلافت بھی عطا کی -

(۳)

عظیم المرتبت سجّادہ نشین

حضرت باباصاحبؒ کے روحانی خلفائے عظام کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے - وہ ہندوستان اور پاکستان کے طول و عرض میں پھیل گئے تھے - آپ کے وصال کے بعد اجودھن (پاک پتن) میں آپ کی خلافت اور سجادہ نشینی آپ کی اولاد کے حصّہ میں آئی - ان سجّادہ نشینوں میں بعض بزرگ بڑے صاحب کمال تھے اور علم و عرفان کی انتہائی بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے - انہوں نے اپنے آپ کو حضرت باباصاحبؒ کا سچا جانشین ثابت کیا اور ایک عالم کو اپنے خوان کرم سے مستفیض کیا - پاک پتن کے عظیم المرتبت سجادہ نشینوں میں مخدوم علاؤالدین موج دریاؒ - شیخ فرید ثانیؒ اور دیوان تاج الدین محمودؒ نے بڑی شہرت پائی - تذکرہ نگاروں نے ان کے کمالات اور خوارق عادات کے بہت سے واقعات بیان کئے ہیں - ان میں سے کچھ واقعات "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق نیچے درج کئے جاتے ہیں -

۱ - مخدوم علاؤالدین موج دریاؒ آپ حضرت باباصاحبؒ کے پوتے تھے اور اپنے والد گرامی خواجہ بدرالدینؒ (اول صاحب سجادۂ پاک پتن) کی وفات کے بعد سولہ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے - نہایت عابد و زاہد تھے - اکثر روزہ سے رہتے تھے اور رات بھر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے - ان کو نہ صرف اپنے والد گرامی سے بلکہ حضرت باباصاحبؒ سے بھی براہ راست فیض حاصل ہوا -

گلزار فریدی میں سید محمد کرمانیؒ کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ خواجہ علاؤالدینؒ اوائل بچپن

میں اکٹھے کھیلا کرتے تھے - انہوں نے بھی میری ماں کا دودھ پیا تھا - ایک دن ہم دونوں کھیلتے ہوئے حضرت بابا صاحبؒ کے قریب چلے گئے آپ اس وقت پان کھا رہے تھے از راہِ شفقت پان دہن مبارک سے نکال کر میرے اور خواجہ علاؤالدینؒ کے منہ میں ڈال دیا - اس پان کی برکت سے ہمیں بیحد وحساب ظاہری و باطنی فوائد حاصل ہوئے - میرا شمار اہل علم میں ہوا اور خواجہ علاؤالدینؒ کو شرف سجادہ حاصل ہوا -

اسی طرح ایک دن حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی دستارِ مبارک اتار کر مصلے پر رکھی اور خود وضو کرنے میں مشغول ہو گئے - خواجہ علاؤالدینؒ کھیلتے کھیلتے وہاں پہنچے اور حضرت بابا صاحبؒ کی دستار مبارک اپنے سر پر رکھ لی - خادم نے منع کیا - بابا صاحبؒ نے فرمایا مت منع کرو - علاؤالدین اس دستار کو اپنے سر پر رکھنے کا اہل ہے - اسے اور اس کی اولاد کو اس دستار سے بیشمار برکتیں حاصل ہوں گی -

غرض بچپن میں ہی حضرت علاؤالدین موجد رحمۃ اللہ علیہ کو بابا صاحبؒ کا فیض روحانی حاصل ہو گیا تھا -

ایک دفعہ حاکم علاقہ نے لوگوں پر دستِ تعدی دراز کیا ان سے جبراً مال واسباب لیتا ہوا پاک پتن پہنچا اور اپنے ملازموں کو خواجہ علاؤالدینؒ سے مال لینے کے لئے بھیجا - انہوں نے فرمایا کہ پہلے وہ مال واسباب دکھاؤ جو تم نے دوسرے لوگوں سے اکٹھا کیا ہے تاکہ اس کے مطابق ہم بھی اپنا حصہ ڈالیں اُدھر ملازم وہ مال لینے گئے اور ادھر خواجہ صاحب نے شہر کے تمام مساکین و فقراء کو بلا بھیجا جب حاکم کے ملازم لوگوں سے چھینا ہوا مال و اسباب لیکر آئے تو حضرت نے یہ سارا سامان مساکین و فقراء میں تقسیم کر دیا - حاکم کو خبر ہوئی تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر خواجہ صاحبؒ کو گرفتار کرنے کے لئے پہنچا - آپ نے فوراً اپنی آستین جھاڑی اس میں سے دو مہیب شیر دھاڑتے ہوئے نکلے - حاکم نے دہشت زدہ ہو کر امان چاہی - آپ نے اس کی خطا معاف کر دی اور شیروں کو چلے جانے کا اشارہ کیا - دونوں شیر دبلے سمیٹ کر جنگل کی طرف بھاگ گئے - پھر آپ نے حاکم سے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مال کا معاوضہ دو - حاکم نے تعمیل ارشاد کی اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا -

وقایع فریدالدینؒ میں روایت ہے کہ ملک غازی (جو بعد میں سلطان غیاث الدین محمد تغلق کے لقب سے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا) ایک دفعہ آشوب روزگار کے سبب پاکپتن

ہیں آکر مقیم ہُوا۔ اس کا معمول تھا کہ روزانہ جنگل سے لکڑیوں کا ایک گٹھا لاتا اور اسے فروخت کر کے اپنی گذر اوقات کرتا۔ ایک دن اس نے لکڑیوں کا پشتارہ خواجہ علاؤ الدینؒ کے لنگر خانہ کی نذر کیا۔ خواجہ صاحبؒ کا اصول تھا کہ لنگر خانے کے لئے بلا قیمت کوئی چیز نہ لیتے تھے۔ آپ نے ملک غازی سے لکڑیوں کی قیمت پوچھی اس نے قیمت لینے سے انکار کیا۔ جب خواجہ صاحبؒ کا اصرار بڑھا تو عرض کی کہ آپ کچھ عنایت کرتے ہی ہیں تو پھر لکڑی کے اس پشتارہ کی قیمت سلطنت دہلی سے کم کیا بتاؤں؟ خواجہ صاحبؒ نے ایک لحظہ تامل کیا اور پھر فرمایا "اچھا جا اللہ تعالےٰ تجھے سلطنتِ دہلی ہی عطا فرمائے گا"۔ ملک غازی خوش خوش رخصت ہوا اور کچھ عرصہ بعد تخت ہندوستان کا مالک ہُوا۔ اپنے زمانۂ بادشاہت میں ایک دن مخدوم علاؤ الدین موجد ریاؒ کی خدمت میں پاک پٹن حاضر ہوا اور بیشمار نقد و جنس کے علاوہ جواہرات کی ایک بیش بہا تسبیح بھی بطور نذر پیش کی۔ آپ نے تمام نقد، جنس اور پارچات غربا و مساکین کو تقسیم کر دئیے اور تسبیح ایک مسکین بڑھیا کو دیدی۔ بڑھیا تسبیح فروخت کرنے لئے بازار پہنچی۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے چند ہزار روپے بڑھیا کو دے کر تسبیح اپنے پاس منگالی۔ اگرچہ وہ خواجہ صاحبؒ کا عقیدتمند تھا لیکن اس واقعہ سے دل میں خیال گذرا کہ خواجہ صاحبؒ نے اس بیش بہا نذر کی قدر نہیں کی۔ چنانچہ اس نے خواجہ صاحبؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے خیال میں جواہرات کی تسبیح درویشوں کے کسی مصرف کی نہیں اگر آپ اسے میرے پاس واپس بھیج دیں تو اس کے عوض ایک رقم کثیر لنگر خانے کے لئے نذر کروں۔ خواجہ صاحبؒ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ خود آکر اپنی تسبیح لے جاؤ۔ بادشاہ خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ میرے حجرے کے اندر جاکر اپنی تسبیح لے لو۔ بادشاہ حجرہ کے اندر گیا تو دیکھا کہ ویسی بیسیوں تسبیحیں دیوار کے ساتھ لٹک رہی تھیں۔ سخت شرمسار ہوا۔ باہر آکر خواجہ صاحبؒ سے معافی کا خواستگار ہوا اور تجدید بیعت کی۔ اسی طرح کی اور بھی کئی کرامات خواجہ علاؤ الدین موجد ریاؒ سے منسوب ہیں آپ کے وصال کے بعد مزار مبارک پر محمد تغلق نے ایک عالیشان گنبد تعمیر کرایا۔

(ب) شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ

حضرت باباصاحبؒ کی اولاد میں حضرت شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ نے سب سے زیادہ

شہرت پائی۔ آپ کا اسم گرامی ابراہیم (کبریٰ یا کلاں) تھا اور شاہ برہم۔ شیخ برہم۔ بلراجہ فرید ثالث اور فرید ثانی آپ کے القاب تھے برہم (ابراہیم کا مخفف) اور بلراجہ (THE MIGHTYKING) کے القاب نے عام طور پر سکھوں اور دوسری غیر مسلم پنجابی اقوام میں زیادہ شہرت پائی۔ فرید ثالث کے معنی فیصلے کرنیوالا فرید یعنی (FARID THE ARBITRATOR) کے ہیں۔ اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ آپ لوگوں کے جھگڑے نہایت خوش اسلوبی سے طے کرا دیا کرتے تھے۔

فرید ثانی کے لقب کی وجہ یہ تھی کہ آپ حضرت باباصاحبؒ سے کمال درجہ کی مشابہت رکھتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ۔ علم و فضل اور کشف و کرامات میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ آستانۂ فریدی کے بارھویں سجادہ نشین تھے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

↓

۱۔ دیوان خواجہ بدر الدین سلیمانؒ
۲۔ دیوان خواجہ علاؤالدین موجِ دریاؒ
۳۔ دیوان خواجہ معز الدینؒ
۴۔ دیوان خواجہ محمد فضیلؒ
۵۔ دیوان خواجہ منوّر شاہؒ
۶۔ دیوان خواجہ نور الدینؒ (لاولد تھے)
۷۔ دیوان خواجہ بہاؤالدین ہارون (برادر دیوان نور الدینؒ)
۸۔ دیوان شیخ یونسؒ
۹۔ دیوان پیر احمد شاہؒ
۱۰۔ دیوان پیر عطاء اللہؒ
۱۱۔ دیوان خواجہ شیخ محمدؒ
۱۲۔ دیوان شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ

شیخ فرید ثانیؒ پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اور سکھوں کے پہلے گورو بابا نانک

کے ہمعصر تھے۔ سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب میں ایک سو بارہ اشلوک اور چار شبد بابا فریدؒ سے منسوب ہیں۔ اکثر سکھوں کے نزدیک یہ کلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا ہے۔ لیکن بعض سکھ ودوانوں کے نزدیک یہ کلام حضرت شیخ فرید ثانیؒ کا ہے۔ چنانچہ کاہن سنگھ نابھہ " انسائیکلوپیڈیا آف سکھ لٹریچر " میں لکھتے ہیں۔

" سری گورو نانک جی دی ملاقات شیخ برہم (ابراہیم) جی نال ہوئی۔ جنہاں دے ناں فرید ثانی۔ بلراجہ۔ ثالث فرید ہین۔ پرانیاں ساکھیاں تے نانک پرکاش وچ شیخ برہم ہی ناں آوندا اے۔ فرید ثانی دا دیہان سمت ۱۶۱۱ء وچ ہویا اے ایس لئے گورو نانک دے ساکی سن شیخ فرید ثانی دی بانی گورو گرنتھ صاحب وچ درج ہے۔ (ص ۲۴۲۹)

اسی طرح لاجونتی کرشنا راؤ (مسز جے این مدن) اپنی مشہور کتاب " پنجابی صوفی شعرا " [۱] میں لکھتی ہیں کہ گرنتھ صاحب کے ایک اشلوک سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ کلام بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا نہیں ہے بلکہ ان کے کسی جانشین کا ہے۔ یہ جانشین بلاشبہ شیخ فرید ثانیؒ تھے مذکورہ اشلوک یہ ہے۔

شیخ حیاتی جگ ناں کوئی تھیر رہیا (رہے)
جتھے اساں ہاں بیٹھے کیتے بس گیا (گئے)

یعنی اے شیخ اس جہان فانی کے اندر کسی کو قیام نہیں۔ جس گدی پر ہم بیٹھے ہیں۔ اس پر پہلے کئی بیٹھ گئے ہیں۔

مسٹر میکس آرتھر میکالف (MACAULIFFE MAX ARTHAR.) اپنی کتاب " سکھ مذہب (SIKH RELIGION.) میں لکھتے ہیں۔ " گرنتھ میں جو اشلوک بابا فریدؒ سے منسوب ہیں۔ وہ یقینی طور پر شیخ برہم (فرید ثانیؒ)

---

[۱] "PUNJABI SUFI POETS"
OXFORD UNIVERSITY PRESS
1938 EDITION.

کے ہیں کیونکہ بابا نانک کی ملاقات شیخ برہم ہی سے ہوئی اور انہوں نے ہی بابا نانک کو اپنا کلام دیا۔"

ایک سکھ ودوان بابا بدھ سنگھ کا خیال ہے کہ گرنتھ صاحب کے اشلوک اور شید بابا فریدالدین گنج شکرؒ اور شیخ فرید ثانیؒ دونوں کے کلام پر مشتمل ہیں دونوں پنجابی کے شاعر تھے اور ان کا کلام ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گیا ہے۔

حقیقت حال خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ فرید ثانیؒ پنجابی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے۔ "پنجابی صوفی شعرا" میں پنجابی اشعار کے ایک مجموعہ "نصیحت نامہ" کو بھی شیخ فرید ثانیؒ سے منسوب کیا گیا ہے۔

گلزار فریدی میں ہے کہ ایک دفعہ بابا نانک پھرتے پھراتے پاک پٹن پہنچے اور شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ڈیرہ لگایا۔ ان دنوں شیخ فرید ثانیؒ بابا صاحبؒ کے گدی نشین تھے۔ بابا نانک نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اجازت ہو تو فقیر آپ کے درشن کے لئے حاضر ہو۔ شیخ فرید ثانیؒ فقرا کے بیحد قدردان تھے۔ خود شہر سے باہر بابا نانک کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ دونوں بزرگ نہایت محبت اور احترام کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ دوران گفتگو دونوں بزرگوں نے دوہوں کی صورت میں تبادلۂ خیالات کیا۔

بابا نانک نے فرمایا۔ پڑھیاں پڑھیاں[1] دند گھسے کسے نہ کیتے ہو

شیخ فریدؒ نے فرمایا۔ ایکو حرف پریم کا پڑھے[2] سو پنڈت ہو

بابا نانک۔

"صاحب دیاں دو حداں۔ کِنُوں پکڑاں کِنُوں چھڈاں

شیخ فریدؒ نے جواب دیا "صاحب دی دو حد۔ سچ کو پکڑ کوڑ کو چھڈ

بابا نانک نے فرمایا۔ کلمہ کہیں تاں گل پوے بن کلمہ گل ناں

ہندو کہاں تو مار دے مسلاں بھی ناں

شیخ فریدؒ نے جواب دیا۔ دوہاں تنوں پانی وار پی سچے پالو بھگوان

---

[1] یعنی پڑھدیاں پڑھدیاں (پڑھتے پڑھتے) [2] پڑھے

غرض دونوں بزرگ پنجابی زبان میں دیر تک بڑی محبت آمیز گفتگو کرتے رہے۔ جب بابا نانک شیخ فریدؒ سے رخصت ہوئے۔ تو آپ نے انہیں کچھ عارفانہ پنجابی کلام دیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس کلام کے متعلق تین آراء ہیں۔

۱۔ یہ شیخ فریدثانیؒ کا اپنا کلام تھا۔

۲۔ یہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا کلام تھا جو شیخ فرید ثانیؒ کے پاس محفوظ تھا۔

۳۔ یہ حضرت بابا صاحبؒ اور شیخ فرید ثانیؒ دونوں کے کلام کا مجموعہ تھا۔

بہرصورت بابا نانک نے اس کلام کی بہت قدر کی اور اسے اپنے دل میں جگہ دی۔ اپنی وفات کے وقت انہوں نے یہ کلام گورو انگد دیو کے سپرد کیا اور اس طرح ہوتے ہوتے یہ کلام سکھوں کے پانچویں گورو ارجن دیو تک پہنچا۔ وہ اس کلام کو اتنا مقدس سمجھتے تھے کہ گرنتھ صاحب مرتب کرتے وقت اس میں انہوں نے اس کلام کو بھی شامل کر دیا۔

بابا فریدؒ سے منسوب گرنتھ کے تین اشلوک ملاحظہ فرمائیے

۱۔ برے دا بھلا کر غصہ من نہ ہنڈائیے
وہی روگ نہ لاگی پلے سب کچھ پائیے

(یعنی اے انسان جو برا کرتا ہے تو اس کا بھلا کر اور دل میں غصہ مت لا۔ ایسا کرنے سے تیرا جسم بیماری سے محفوظ رہے گا اور تو اپنی جھولی میں سب نعمتیں پائیگا)

۲۔ نون سواکھر کھون گن جیبھ منا منت !
اے ترآں بہنے دیس کرتاں وس آوے کنت

(یعنی اے میری بہن اگر تو اپنے پیارے کو اپنے بس میں کرنا چاہتی ہے تو یہ تین اوصاف اپنے اندر پیدا کر۔ عجز و انکسار۔ اپنی خطا تسلیم کرنا اور زبان کی مٹھاس)

۳۔ فریدا روٹی میری کاٹھ دی لاون میری بھکھ
جنہاں کھادیاں چوپڑیاں سوئی سہن گے دکھ

(یعنی اے فرید میری روٹی لکڑی کی ہے جو میری بھوک مٹاتی ہے۔ جو چپڑی ہوئی روٹیاں کھاتے ہیں۔ وہی دکھ اور مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔)

حضرت شیخ فرید ثانیؒ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔ اس ضمن میں کلمات الصادقین کی دو روایات کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ ایک رات کو شیخ فریدثانیؒ تہجد کے لئے بیدار ہوئے اور خادم کو پانی لانے کے لئے بھیجا۔ خادم نے ڈیوڑھی میں دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور رو رو کر کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے کئے کی سزا پائی۔ اگر میری بینائی عود کر آئے تو شیخ جیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں۔ اور آئندہ زندگی ان کی خدمت میں گزاردوں۔ خادم کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میں چوری کی نیت سے یہاں آیا تھا لیکن ڈیوڑھی میں قدم رکھتے ہی اندھا ہوگیا۔ خادم نے اس شخص کا حال حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اسے میرے پاس لاؤ۔ خادم اسے پکڑ کر آپ کے سامنے لے آیا۔ حضرتؒ نے وضو سے فارغ ہو کر کچھ پانی اس شخص کی آنکھوں پر چھڑکا۔ اسی وقت اس کی بصارت عود کر آئی۔ اس شخص نے اسلام قبول کر کے حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں درجۂ ولایت کو پہنچا۔

۲۔ ایک دن شیخ فرید ثانیؒ حوض پر وضو کر رہے تھے۔ ایک طالب علم بھی اُن کے پاس کھڑا تھا۔ جب حضرتؒ نے سر کا مسح کیا تو اس طالب علم نے کہا "حضرت مسح پورا نہیں ہوا اور سنت ادا نہیں ہوئی"۔

حضرتؒ نے دست مبارک سے سر کو اتار کر پانی میں غوطہ دیا اور پھر اسے اپنے جسم پر رکھ دیا۔ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا۔ اب حضرتؒ نے طالب علم سے فرمایا" کیوں مولانا اب سنت ادا ہوگئی ہے"۔

طالب علم فرطِ حیرت سے گنگ ہوگیا اور رو رو کر حضرتؒ سے عفو تقصیر چاہی۔

(ج) دیوان تاج الدین محمودؒ

دیوان تاج الدین محمود قدس سرہٗ حضرت شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کے فرزند اکبر تھے۔ اور ان کے وصال کے بعد آستانہ فریدی کے تیرھویں سجادہ نشین ہوئے نہایت عابد و زاہد اور شجاع تھے اپنے زمانے کے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے کشف و کرامات کے متعدد واقعات تذکروں میں ملتے ہیں۔ ان میں سے دو واقعات درج کئے جاتے ہیں

۱۔ ایک دفعہ اکبر بادشاہ پاک پٹن آیا اور اس نے دیوان تاج الدین محمودؒ کی آزمائش کرنی چاہی چنانچہ اس نے اپنے ایک ملازم کو چارپائی پر لٹا کر مصنوعی جنازہ بنایا اور دیوان صاحبؒ کو

نماز جنازہ کے لئے بھیجا۔ ادھر بادشاہ نے ملازم کو سمجھا دیا کہ تم دم سادھے پڑے رہو۔ جب دیوان صاحب نماز جنازہ کی تکبیر کہیں تو اُٹھ بیٹھو۔ دیوان صاحبؒ نے پہلے تو نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن بادشاہ کے اصرار پر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جب تکبیر کہی گئی تو مصنوعی مردہ نے مطلق حرکت نہ کی۔ چادر اٹھا کر دیکھا گیا تو فی الواقعہ اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ اور وہ حقیقی مردہ بن گیا تھا۔ بادشاہ بہت شرمسار ہوا اور دیوان صاحب کے کمال کا اعتراف کیا۔ گلزار فریدی میں ہے کہ اکبر دیوان تاج الدین محمودؒ کے مشورہ پر ہی شیخ سلیم چشتیؒ کی خدمت میں فتح پور سیکری حاضر ہوا اور پھر ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند عطا کیا جس کا نام اس نے شیخ سلیم چشتیؒ کے نام پر سلیم رکھا۔ سلیم بعد میں نور الدین جہانگیر کے لقب سے تخت ہندوستان پر بیٹھا۔

۲۔ دیوان تاج الدین محمودؒ ایک دفعہ بنگالہ کی سیاحت میں مشغول تھے۔ ایک شہر میں پہنچے تو آپ کو مرغ کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن شہر میں کوئی شخص آپ کے ہاتھ مرغ فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ دیوان صاحبؒ کی طبیعت آزردہ ہو گئی۔ خدا کی قدرت رات کو مرغیوں میں بیماری پھیلی اور سارے شہر کے مرغ، مرغیاں صبح تک مر گئیں۔ قاضی شہر کو خبر ملی تو وہ شہر کے لوگوں کی طرف سے عفو تقصیر کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے ان کی خطا معاف کی اور انہیں ہدایت کی کہ مہمانوں سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ اس کے بعد آپ جب تک وہاں مقیم رہے قاضی اور اس کے ملازموں نے آپ کی مقدور بھر خدمت کی۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت آپ نے قاضی کو اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ کہتے ہیں کہ اس پیراہن کی برکت سے قاضی کا گھر اور سامان ہمیشہ آگ سے محفوظ رہا۔

پندرھواں باب

اعمال و وظائف

(۱)

اعمال کی مقبولیت کا عمل حضرت باباصاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میں نے تفسیر زاہدی میں دیکھا ہے کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اس کے اعمال مقبول ہوں تو اسے چاہیئے کہ اس آیت کا بکثرت ورد کیا کرے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

(۲)

قید سے خلاصی کے لئے عمل حضرت باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ قیدی اگر قید سے خلاصی حاصل کرنا چاہے تو یہ آیت بکثرت پڑھا کرے اللہ تعالےٰ اسے قید سے نجات دلائے گا

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل

ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کے پنجۂ ستم میں اسیر ہو تو اسے چاہیئے کہ اس آیت کا بکثرت ورد کیا کرے اللہ تعالےٰ اسے ظالم کے ہاتھ سے رہائی دلائیگا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(۳)

ایمان پر خاتمہ کے لئے عمل حضرت باباصاحبؒ فرماتے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو اور وہ صالحین کے درجہ تک پہنچے تو وہ یہ آیت بکثرت پڑھا کرے۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ط تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ؕ

(۵)

افلاس دور کرنے کے اعمال (ا) حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص تنگدستی میں مبتلا ہو اسے چاہیئے کہ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس کا افلاس تونگری میں بدل دے گا۔

یَا دَائِمَ الْعِزِّ وَ الْمُلْكِ وَالْبَقَاءِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْجُوْدِ وَالْفَضْلِ وَالْعَطَاءِ یَا وَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ یَا فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔

(ب) ایک اور موقع پر حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ جو شخص

"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ

کا بکثرت ورد کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو افلاس سے نجات دے گا۔

(ج) حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص وسعت رزق کا خواہاں ہو وہ صبح کی نماز کے فوراً بعد سورۂ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ بحضورِ قلب پڑھا کرے۔ اللہ تعالےٰ اسے چند روز میں تونگر کر دے گا۔

(د) حضرت بابا صاحبؒ نے ایک دفعہ تفسیر زاہدی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اس آیت کا بکثرت ورد کرتا رہے اللہ تعالےٰ اس کے رزق میں وسعت دے گا اور اسے کسی کا محتاج نہ کرے گا۔

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ؕ

(۵)

غم اور مصیبت دور کرنے کا عمل حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غم اور مصیبت میں مبتلا ہو وہ اس آیت کا ورد کیا کرے۔ اللہ تعالےٰ اسے غم اور مصیبت سے نجات دیگا

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ؕ

(۶)

جنّت حاصل کرنے کا عمل حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنّت حاصل کرنے کا خواہش مند ہو وہ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ بکثرت پڑھا کرے۔ میں نے آثارِ تابعین میں پڑھا ہے کہ ایک فاسق و فاجر شخص کو مرنے کے بعد لوگوں نے

بہشت میں دیکھا۔ اس سے بہشت میں داخل ہونے کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ سوتے وقت اس کلمے کو بکثرت پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اسی عمل کی بدولت اسے بخش دیا۔

(۸)

ہر مہم میں کامیاب ہونے کا عمل حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مہم میں یہ کلمات ایک ہزار مرتبہ پڑھے گا۔ انشاء اللہ اس مہم میں کامیاب ہوگا۔

اَقْوٰی مُعِیْنٍ وَ اَھْدٰی دَلِیْلٍ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ؕ

اطمینان قلب کے لئے وظیفہ حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اطمینان قلب کا خواہش مند ہو اور زندگی کی پریشانیوں سے بچنا چاہتا ہو وہ یہ آیت بکثرت پڑھا کرے

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ؕ

(۹)

نیک اولاد طلب کرنے کا وظیفہ حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نیک فرزند کی خواہش رکھتا ہو وہ یہ آیت پڑھا کرے۔

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ؕ

(۱۰)

عذاب قبر کی آسانی کا وظیفہ حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص شب جمعہ کو دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ پندرہ بار پڑھے وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

(۱۱)

رنج و غم دور ہونے کے لئے وظیفہ حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد شیبانیؒ کی کتاب میں امام جعفر صادقؓ سے منقول یہ روایت پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی شدید مصیبت میں پڑ جائے جس سے بچنا بظاہر ناممکن نظر آتا ہو اور اس کے باعث اسے سخت رنج و غم ہو وہ صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ یہ وظیفہ پڑھے

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یَا فَرْدُ یَا وِتْرُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ۔

(۱۲)

دین و دنیا کی بھلائی کا وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا اور آخرت میں بھلائی کا خواہشمند ہو اور عذاب جہنم سے محفوظ رہنا چاہے وہ یہ آیت بکثرت پڑھا کرے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔

(۱۳)

خاصان خدا میں شامل ہونے کے لئے وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کا حشر خاصان خدا کے ساتھ ہو وہ یہ آیت بکثرت پڑھا کرے

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ط
إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۔

(۱۴)

ظالموں کے گروہ سے بچنے کا وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہو کہ دنیا و آخرت میں ظالموں کے ساتھ شریک نہ ہو تو وہ اس آیت کا وظیفہ کیا کرے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ط

(۱۵)

کافروں پر فتحیابی کا وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہو کہ دنیا و آخرت میں ظالموں کے ساتھ شریک نہ ہو تو وہ اس آیت کا وظیفہ کیا کرے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔

(۱۶)

دشمن کے شر سے بچنے کا وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اکثر یہ پڑھے

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۔

اللہ تعالیٰ اسے دشمن کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

(۱۷)

تین عظیم نعمتوں کے حصول کا عمل۔ حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احادیث میں پڑھا ہے کہ جو شخص نماز فرض کے بعد تین بار سورۂ اخلاص اور تین بار درود شریف اور اس کے بعد ایک بار یہ آیت

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ

لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ پڑھے

اللہ جل شانہٗ اسے تین نعمتیں عطا فرمائے گا۔

(۱) درازیٔ عمر

(۲) کشائش رزق

(۳) برخورداری کہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا۔

(۱۸)

ثابت قدم رہنے کا وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں ثابت قدم رہنے کا خواہاں ہو اور دشمنوں پر غالب رہنا چاہتا ہو وہ یہ آیت پڑھا کرے۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝

(۱۹)

صالحین کے ساتھ حشر ہونے کا وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "کشاف" میں لکھا ہے کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کا حشر صالحین کے ساتھ ہو تو وہ یہ آیت پڑھا کرے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

(۲۰)

روزانہ پڑھنے کا وظیفہ | حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ہر روز یہ دعا پڑھتا رہے۔ اگر نا گاہ وہ مر جائے تو بہشتی ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَکَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

(۲۱)

اعمال و وظائف کی شرائط تمام اعمال و وظائف کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ ان کا عامل احکام شرع کا پابند ہو جھوٹ نہ بولے اور اپنی روزی حلال ذرائع سے کمائے حضرت بابا صاحبؒ نے دعاء کی مقبولیت کے لئے یہ تین شرائط بھی ضروری قرار دی ہیں۔

۱۔ ہر دعا یا وظیفہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک سے شروع کیا جائے

۲۔ اپنی عورتوں کو آواز دار زیور مثل پازیب وغیرہ پہننے سے باز رکھا جائے۔

۳۔ دعا کے آغاز و اختتام پر صدقہ دیا جائے۔

سولھواں باب[16]

عظیم سہروردی ہمعصر

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی سہروردیؒ

(۱)

علو مرتبت سرزمین ہند و پاکستان میں سلسلۂ سہروردی کے مؤسس اعلیٰ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردیؒ تھے۔ آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ہمعصر تھے اور دونوں بزرگوں میں کمال درجہ کی محبت و مؤدت تھی۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ ہند و پاکستان کے مشائخ عظام میں سے ہیں اور تمام تذکرہ نگاروں نے آپ کے حالات بڑی تفصیل سے قلمبند کئے ہیں۔ آپ ساری عمر اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں نہایت سرگرمی سے مشغول رہے اور لاکھوں بندگان خدا کی اصلاح کی آپ کے۔ سوانحِ حیات کے آغاز میں فرشتہ نے یہ اشعار درج کئے ہیں۔

آں محرمِ رازِ لامکانی | موصوف صفات جاودانی
افلاک بزیر پائے کردہ | درعالمِ عشق جائے کردہ
جاروفتہ از فنائے توحید | پاکوفتہ درمقام تفرید
باطن بہویت دحقیقت | ظاہر بشریعت و طریقت
آں پاک گزیدۂ مشائخ | واں مردم دیدۂ مشائخ

سلطانِ سریرِ ملک تمکین یعنی کہ بہائے ملت و دین

یہ اشعار فی الحقیقت حضرت خواجہ بہاؤالدین کی عظمت کے آئینہ دار ہیں۔ آپ کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

(۲)

خاندان | حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے جدِّ بزرگوار کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے شہر ملتان میں جو قبۃ الاسلام مشہور تھا تشریف لائے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ ترک وطن میں آپ کی زوجہ محترمہ اور فرزند شیخ وجیہ الدین بھی ساتھ تھے بعض تذکروں میں ہے کہ شیخ وجیہ الدین کی ولادت ملتان میں ہوئی۔ شیخ وجیہ الدینؒ کی شادی قلعہ کوٹ کروڑ کے ایک ممتاز بزرگ شیخ حسام الدین ترمذیؒ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ شیخ وجیہ الدین اپنے جلیل القدر خسر کے پاس قلعہ کوٹ کروڑ ہی میں اقامت پذیر ہو گئے اور یہیں ۵۷۸ھ میں خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ اور خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ خالہ زاد بھائی تھے۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کی والدہ (مولانا وجیہ الدین خجندیؒ) اور حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کی والدہ (بنت شیخ حسام الدین ترمذیؒ) آپس میں رشتہ کی بہنیں ہوں مولانا وجیہ الدین خجندی اور شیخ حسام الدین ترمذیؒ دونوں بزرگ ایک ہی علاقے کے رہنے والے تھے اور ترک وطن کر کے قلعہ کوٹ کروڑ میں مقیم ہو گئے تھے ان دونوں بزرگوں کا آپس میں قریبی رشتہ دار ہونا بعید از قیاس نہیں۔

فرشتہ نے تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کا سلسلۂ نسب مہیارؒ (غالباً یہ لفظ ہبار ہے) بن اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیؓ تک پہنچتا ہے۔ مہیارؒ (یا ہبارؓ) مشرف باسلام ہو گئے تھے اور ان کے دوسرے بھائی عمرو، عقیل اور زمعہ بحالت کفر جنگ بدر میں قتل ہو گئے تھے۔

(۳)

ابتدائی عمر اور تعلیم | حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ ابھی بارہ برس کے تھے کہ والد ماجد

کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ خواجہ صاحبؒ نے حالت یتیمی میں نہایت توجہ سے کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ساتوں قرأتوں کے ساتھ قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے خراسان تشریف لے گئے اور سات برس تک وہاں کے مشائخ عظام سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ وہاں سے بخارا پہنچے اور بخاری علماء و مشائخ کرام سے کسب فیوض کیا۔ بخارا میں آپ کے کمالات علمی اور مکارم اخلاق کی اتنی شہرت ہوئی کہ دور دور سے لوگ آپ سے استفادہ کے لئے آتے تھے۔ اور آپ کو بہاؤالدین فرشتہ کے نام سے پکارتے تھے۔ بخارا میں باختلاف روایت آٹھ یا پندرہ سال درس و تدریس میں مشغول رہنے کے بعد آپ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں سے مدینہ منوّرہ پہنچے۔ یہاں پانچ سال تک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی مجاوری کی۔ اس مدت میں حضرت شیخ کمال الدین محمد یمنیؒ سے جو اس دور کے نامور محدث تھے اور ترپن سال سے مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ حدیث پڑھی۔ اور اجازت حدیث لے کر بیت المقدس گئے۔ وہاں انبیائے کرامؑ کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے اور پھر بغداد کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

(۴)

بیعت و خرقۂ خلافت ان دنوں بغداد کو شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردیؒ نے مطلع انوار بنا رکھا تھا۔ خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت کر کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے خواجہ صاحبؒ کو اپنے فیوض باطنی سے مالا مال کر دیا۔ اور سترہ دن کے بعد ہی ان کو خرقۂ خلافت عطا فرما دیا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے روایت ہے کہ حضرت شیخ الشیوخؒ کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا کہ ہم کئی سال سے شیخ کی خدمت کر رہے ہیں لیکن خرقۂ خلافت کے مستحق نہیں سمجھے گئے لیکن ایک اجنبی صرف سترہ دن کے بعد ہی اس نعمت سے بہرہ اندوز ہو گیا ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ کو ان لوگوں کے رشک کا حال معلوم ہوا۔ تو سب کو اپنے پاس بلا کر فرمایا۔ "عزیزو تمہاری مثال گیلی لکڑی کی سی ہے جسے آگ بڑی مشکل اور دیر سے پکڑتی ہے

اور یہ زکریا بمنزلہ ہیزم خشک ہے۔ جس پر آگ فوراً اثر کرتی ہے"۔ حضرت کا ارشاد سن کر تمام درویش نادم ہو گئے۔

اس کے بعد شیخ الشیوخ نے خواجہ صاحب کو حکم دیا کہ ملتان جاکر اصلاح و ہدایت کا کام سنبھالیں۔

(۵)

ملتان میں نزول اجلال

مرشد گرامیؒ کے حکم کے مطابق خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ ملتان پہنچے اور مستقل طور پر یہاں مقیم ہو گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ ملتان کا توطن اختیار کرنے سے پہلے خواجہ صاحب کچھ عرصہ سابق صوبہ سرحد کی ایک پہاڑی پر عبادت و ریاضت کرتے رہے اور اس کے بعد ملتان تشریف لائے۔ ملتان میں آپ کو جلد ہی بڑا اثر و اقتدار حاصل ہو گیا اور ملتان، سندھ اور بلوچستان کے علاقوں میں خاص طور پر آپ کی روحانی عظمت کا ڈنکا بجنے لگا۔ اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو شیخ الاسلام کا عہدہ پیش کیا۔ مخلوق خدا کی بہتری کے لئے آپ نے یہ عہدہ قبول فرمالیا۔ اور ایک مدت تک سلطنت ہند کی شیخ الاسلامی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ حضرتؒ کے ورود ملتان کے وقت وہاں کا حاکم ناصر الدین قباچہ تھا۔ اس نے سلطان شمس الدین التمش سے سرکشی اختیار کی تو خواجہ بہاؤالدین زکریا اور ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی کو ناگوار گذرا کیونکہ التمش خصائل حمیدہ کی وجہ سے قباچہ پر فوقیت رکھتا تھا۔ اور ان دونوں بزرگوں کے خیال میں مسلمانوں کی فلاح سلطان شمس الدین التمش کی حکومت سے ہی وابستہ تھی چنانچہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التمش کو قباچہ کے معاندانہ ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے خطوط لکھے۔ بدقسمتی سے یہ خطوط قباچہ کے ہاتھ آ گئے۔ وہ انھیں پڑھ کر آتش زیرپا ہو گیا۔ اور خواجہ صاحب اور قاضی صاحب کو بلا بھیجا۔ جب دونوں بزرگ قباچہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے قاضی صاحب کا خط ان کے ہاتھ میں دے کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ قاضی صاحب خاموش ہو گئے۔ قباچہ نے فوراً ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ قاضی صاحب کی شہادت کے بعد قباچہ خواجہ صاحبؒ کی طرف متوجہ ہوا۔ خواجہ صاحب نے نہایت بیباکی سے فرمایا "بیشک یہ میرا خط ہے اور میں نے یہ اللہ کے حکم سے لکھا ہے"۔ خواجہ صاحبؒ کے الفاظ سن کر قباچہ کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی اور اسے حضرتؒ کو آزار پہنچانے کی ہمت نہ پڑی بلکہ آپ سے معذرت کی اور بہ اعزاز و اکرام رخصت کیا۔

(۶)

حضرت بابا صاحبؒ سے مخلصانہ تعلقات

حضرت بابا صاحبؒ اور خواجہ بہاؤ الدین زکریاؒ میں کمال درجہ کی دوستی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔ اسی رشتۂ محبت و مؤدت کی بناء پر بعض تذکرہ نگاروں نے دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے کا خالہ زاد بھائی لکھا ہے۔ ایک دفعہ خواجہ صاحبؒ نے بابا صاحبؒ کو لکھا: "میانِ ما و شما عشق بازی است"

بابا صاحبؒ نے جواب میں لکھا: "میان ما و شما عشق است بازی نیست"

ایک دفعہ خواجہ صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ حضرت بابا صاحبؒ سے مسلسل کرامات ظہور پذیر ہو رہی ہیں انھوں نے بابا صاحبؒ کو لکھا کہ "اے درویش دوست کے راز کو کیوں اس طرح ظاہر کر رہے ہو۔"

بابا صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ "بھائی کام گفتگو سے گذر گیا۔ سینہ میں چھپانے کی سکت نہیں۔ اظہار کرامت مجبوری سے ہے۔"

خواجہ صاحبؒ نے بابا صاحبؒ کا خط پڑھ کر فرمایا "یارِ من (فرید) کارِ خویش بکمال رسانیدہ۔"

ایک روایت میں ہے کہ خواجہ صاحبؒ نے ایک بچی گود میں لے کر پالی تھی جب وہ سیانی ہو گئی تو ایک دن بیگم صاحبہ نے اس کے متعلق ذکر کیا۔ حیران ہو کر فرمایا اچھا تو وہ جوان ہو گئی آج اس سے کہو کہ ہمارا کھانا لے کر آئے۔ جب وہ کھانا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اسے دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ہمارے گھر کی بچی اور اس کی قسمت میں دوزخ کا ایندھن بننا لکھا ہو ہمارے لئے اس سے بڑی بدبختی کیا ہو سکتی ہے۔

بیگم صاحبہ نے عرض کی "اس کے حق میں دعا فرمایئے کہ اس کی تقدیر پلٹ جائے۔"

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا "حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے فرزند کے حق میں دعا کی تھی۔ جب ان کی دعا قبول نہ ہوئی تو میں بے چارہ کس شمار میں ہوں۔" یہ گفتگو جاری تھی کہ اطلاع ملی کہ دروازے پر بابا فریدؒ کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اس دوزخن کو میرے پاس بھیج دو۔"

خواجہ صاحبؒ یہ اطلاع پاکر بہت خوش ہوئے اور فرمایا "میرے بھائی آگئے امید ہے کہ وہ اس لڑکی کی نجات کی کوئی صورت نکالیں گے۔" چنانچہ لڑکی باہر باباصاحب کی خدمت میں بھیج دی گئی۔ باباصاحبؒ نے ایک کوزے میں تین بار اس لڑکی سے پانی منگوایا۔ دو مرتبہ اس کے ہاتھوں پر بہادیا اور تیسری بار خود وضو کرکے دعا فرمائی اور پھر اعلان کیا کہ "مبارک ہو حق تعالیٰ نے اس لڑکی کو آتشِ دوزخ سے نجات دے دی۔"

خواجہ صاحبؒ نے یہ سنا تو سجدۂ شکر میں گر پڑے اور پھر باہر آکر باباصاحبؒ سے ملے۔ باباصاحبؒ نے فرمایا "مجھے کشفی طور پر آپ کی پریشانی کا علم ہوگیا تھا۔ آپ کی طبعی احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدمت کے لئے حاضر ہوگیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ عاجز کی استدعا کو شرف قبولیت بخشا۔"

سیرالاولیاء میں ہے کہ ایک دن باباصاحبؒ کے قوال حسن نے خواجہ صاحبؒ کی زیارت کیلئے ملتان جانے کی اجازت چاہی۔ باباصاحبؒ نے فرمایا "جاؤ مگر کوئی بے ادبی ہرگز نہ کرنا حسن آستانۂ زکریاؒ پر حاضر ہوا تو وہاں کی شان وشوکت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایک عالی شان مکان تھا جو ہر قسم کے سازوسامان سے آراستہ تھا۔ دل میں خیال گذرا کہ یہ کیسی درویشی ہے فقیری تو گنج شکر کے گھر میں ہے کہ ایک بوریئے کے سوا کوئی دوسرا سامان نہیں" خواجہ صاحبؒ نے نورِ باطن سے اس کے دل کی بات بھانپ لی اور فرمایا "بے ادب بھائی فرید کی ہدایت بھول گیا۔" یہ کہہ کر اپنا ہاتھ بڑھایا کہ حسن کو خانقاہ سے باہر نکال دیں کہ ایک ہاتھ درمیان میں آگیا۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور حسن سے پوچھا جانتے ہو یہ کس کا ہاتھ ہے" حسن نے بصد ادب عرض کی "اس ہاتھ کے قربان جاؤں۔ اگر آج یہ آڑے نہ آتا تو میری خیر نہ تھی" اس کے بعد خواجہ صاحبؒ نے حسن قوال کو اپنے لطف و کرم سے نوازا اور وہ خوش خوش اجودھن واپس گیا۔ اسی طرح کے اور بھی کئی واقعات تذکروں میں درج ہیں جو حضرت باباصاحبؒ اور خواجہ صاحبؒ کے مخلصانہ تعلقات پر دال ہیں۔

(۷)

شیخ عراقیؒ کا ملتان میں ورود

شیخ فخرالدین ابراہیم عراقیؒ دنیائے تصوف ومعرفت کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ وہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے بھانجے تھے اور حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے مرید خاص اور داماد تھے۔ فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے ان کا عارفانہ کلام سوز وگداز سے لبریز ہے اور دلوں میں عشقِ الٰہی کی آگ کے شعلے بھڑکا دیتا ہے۔ ہمدان کے ایک قصبہ باکوبخان میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں

قرآن مجید حفظ کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہو گئے پھر ہمدان سے بغداد آئے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے علومِ باطنی حاصل کئے اور کئی سال تک مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہے۔ حضرت شیخ الشیوخؒ نے انھیں ہندوستان جانے کا حکم دیا[1]۔ یہاں پہنچ کر خواجہ بہاؤ الدین زکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے شرفِ بیعت حاصل کیا اور پھر پچیس برس مرشد کی خدمت میں گذار دیئے۔ مرشد کو ان سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ اپنی صاحبزادی ان کے حبالۂ نکاح میں دیدی تھی۔ نفحات الانس میں مولانا جامیؒ سے روایت ہے کہ شیخ عراقیؒ نے مرشد کے حکم سے چلہ کشی شروع کی تو چلہ کے گیارھویں دن ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی وہ رو رو کر باآوازِ بلند یہ غزل پڑھنے لگے۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند	ز چشم مست ساقی وام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق	ز زلف ما بردیاں دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و ملامت	بہم بردند و عشقش نام کردند
ز بہر نقل مستاں از لب و چشم	مہیا شکر و بادام کردند
چو خود کردند از خویشتن فاش	عراقی را چرا بدنام کردند

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ شیخ عراقیؒ تحصیل علم کے بعد خود ہمدان کی درس گاہ میں درس دینے لگے۔ ایک دن درس دے رہے تھے۔ کہ قلندروں کی ایک جماعت آئی ان میں ایک خوب رو قلندر بھی تھا۔ شیخ عراقیؒ کا دل اسے دیکھ کر ہاتھوں سے جاتا رہا اور وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے قلندروں کے ہمراہ ہو لئے ؎ چہ خوش باشد کہ دلدارم تو باشی ٭ ندیم و مونس و یارم تو باشی۔ قلندروں کے کہنے کے مطابق انھوں نے بھی چار ابرو کا صفایا کرا دیا۔ قلندروں کی جماعت سیر و سیاحت کرتی ہوئی ہندوستان پہنچی جب ملتان آئی تو خواجہ بہاؤ الدین زکریاؒ کی خانقاہ میں قیام کیا۔ یہاں خواجہ صاحبؒ اور شیخ عراقیؒ کی ملاقات ہوئی۔ شیخ عراقیؒ کو خواجہ صاحبؒ میں کشش محسوس ہوئی اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے "بمثال مقناطیس کہ آہن را کشد۔ شیخ مرا جذب می کند۔ ومقید خواہد کرد از ین جا زود تر باید رفت" چنانچہ یہ لوگ ملتان سے دہلی آئے وہاں سے سومنات کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ہولناک آندھی نے سب کو منتشر کر دیا۔ شیخ عراقیؒ ساتھیوں سے جدا ہو کر پھر ملتان گئے خواجہ صاحبؒ نے ان کو سینے سے لگا لیا۔ اور ان کے دل میں عشق الٰہی کے سوا کچھ نہ رہنے دیا۔

اہلِ خانقاہ نے شیخ عراقیؒ کی اس غزل سرائی پر اعتراض کیا اور مرشد کو اطلاع دی کہ خانقاہ میں تو ذکر و مراقبہ کے سوا کوئی چیز جائز نہیں۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔

"شمارا ازیں چیز ہا منع است او را منع نیست"

اس واقعہ کے چند دن بعد خواجہ صاحبؒ کے ایک مرید شیخ عماد الدینؒ شہر میں پھر رہے تھے ایک میخانہ میں رندوں کو چنگ و رباب کے ساتھ شیخ عراقیؒ کی مندرجہ بالا غزل گاتے سنا۔ انھوں نے خواجہ صاحبؒ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا

"کار او (عراقی) تمام شد"

پھر آپ شیخ عراقیؒ کے حجرہ کے باہر پہنچے اور فرمایا۔ اب اپنی مناجات ختم کرو اور باہر آؤ" شیخ عراقیؒ روتے ہوئے باہر آئے۔ خواجہ صاحبؒ ان سے بغلگیر ہو گئے اور فیوض روحانی سے مالا مال کر دیا۔ اس وقت شیخ عراقیؒ نے ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے۔

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است　　　ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

خواجہ صاحبؒ نے اسی مجلس میں اپنا خرقہ شیخ عراقیؒ کو عطا فرمایا اور اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے پڑھا دیا۔ شیخ عراقیؒ مرشد کے وصال کے بعد عدن تشریف لے گئے پھر حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اس کے بعد اقصائے روم کی سیاحت کی۔ ایک عرصہ تک مصر میں مقیم رہے پھر دمشق تشریف لے گئے اور وہاں اٹھاسی سال کی عمر میں ۶۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۸)

خواجہ صاحبؒ کا ذوقِ سماع

سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ سماع کے معاملہ میں ہمیشہ بہت محتاط رہے ہیں۔ یا تو وہ سماع سنتے ہی نہ تھے اور اگر سنتے تھے تو نہایت اعتدال سے۔ خواجہ بہاؤ الدین ذکریاؒ بھی کبھی کبھار سماع سن لیتے تھے۔ ایک دفعہ عبداللہ رومی ایک قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری قوالی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے بھی سنی ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر ہم بھی سنیں گے۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد آپ ایک خاص حجرہ میں بیٹھ گئے دو پارے کلام پاک کے تلاوت کیے اور پھر قوال کو حکم دیا کہ کچھ سنائے قوال نے غزل شروع کی ؎

مستاں کہ شرابِ ناب خوردند　　　از پہلوئے خود کباب کردند

خواجہ صاحبؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ آپ نے چراغ گل کر دیا۔ اور حالتِ کیف میں گردش

کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد حجرہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئے اور دوسرے دن قوال کو خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوائے۔

(۹)

محاسنِ اخلاق حضرت خواجہ صاحبؒ اخلاقِ حسنہ کا ایک پیکرِ جمیل تھے۔ طبیعت میں حلم وانکسار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنی تعظیم وتکریم سے مریدوں کو منع فرماتے تھے۔ اللہ نے دولتِ باطنی کے ساتھ بے انتہا دولتِ دنیوی سے بھی آپ کو نوازا تھا لیکن آپ نے یہ دولت عوام کی خدمت اور بھلائی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اپنی خانقاہ میں ایک وسیع لنگر جاری کر رکھا تھا جس میں پُرتکلف کھانے پکتے تھے اور ہزار ہا مسافر، غربا و مساکین روزانہ اس لنگر سے مستفیض ہوتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ لوگوں کو لنگر سے کھانا کھاتے دیکھ کر بے حد مسرت محسوس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ملتان میں قحط پڑا تو خواجہ صاحبؒ نے نہ صرف سینکڑوں من غلہ لوگوں میں مفت تقسیم کیا بلکہ بیشمار ضرورت مندوں کی زرِ نقد سے بھی امداد کی بعض اوقات تو آپ کئی کئی ہزار دینار غربا و مساکین کو تقسیم کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ "راہِ خدا میں مال صرف کرنا بہترین عبادت ہے۔ فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔" آپ کی فیاضی اور سیر چشمی کی داستانیں آجتک زبانِ زدِ خلائق ہیں۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کو عبادات وریاضات میں کمال درجہ کا انہماک تھا بعض اوقات ایک رکعت میں پورا کلام مجید پڑھ جاتے تھے "سیر العارفین" کی ایک روایت کے مطابق آپ کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتے اور نماز فجر تک تیسوں پارے ختم کر لیتے۔

مختلف تذکروں میں بے شمار کرامات وخوارق عادات آپ سے منسوب ہیں۔

(۱۰)

وصال حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ وفات کے دن حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ اپنے حجرہ میں مشغولِ عبادت تھے کہ حجرہ کے باہر یکایک ایک پیکرِ نورانی نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں ایک سربمہر لفافہ تھا۔ وہ لفافہ اس نے حضرت کے صاحبزادہ شیخ صدرالدین عارفؒ کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ اسے فوراً اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں پہنچا دیں۔ شیخ عارفؒ خط کو لے کر نہایت حیران اور متفکر ہوئے۔ اور حجرہ کے اندر جا کر والد ماجد کو خط دیا۔ باہر آئے تو اس پیکرِ نورانی کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ ادھر خط پڑھتے ہی حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ

معبودِ حقیقی سے جاملے اور حجرہ کے اندر اور باہر آواز بلند ہوئی "دوست بدوست رسید" یہ آواز سن کر شیخ صدرالدین عارفؒ فوراً حجرہ کے اندر گئے دیکھا تو والد بزرگوار عالمِ فانی سے عالمِ ابدی میں پہنچ چکے ہیں۔ فرشتہ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ ۷ صفر المظفر ۶۶۶ھ کے دن پیش آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جس دن خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کا وصال ہوا۔ اجودھن میں حضرت باباصاحبؒ اپنے مشاغل کے دوران یکایک بے ہوش ہو گئے۔ جب بڑی دیر تک ہوش میں نہ آئے تو خرقۂ مرشد ان کے جسم مبارک پر ڈالا گیا۔ آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "برادرم بہاؤالدین زکریاؒ ازیں بیابانِ فنا بہ شہرستانِ بقا بردند" پھر اٹھ کر احباب کے ساتھ غائبانہ جنازے کی نماز پڑھی۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کا مزار ملتان میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

(۱۱)

ازواج و اولاد

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ نے اپنی زندگی میں دو نکاح کیے۔ پہلی بیوی سے آپ کے جانشین شیخ صدرالدین عارفؒ پیدا ہوئے۔ ہند و پاکستان کے سہروردی مشائخ میں انھیں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ میر حسینیؒ نے ان کی نسبت لکھا ہے ؎

آں بلند آوازۂ عالم پناہ   سرورِ عصر افتخار صدر گاہ

صدرِ دین و دولت آں مقبولِ حق   نہ فلک بر خوانِ جودش یک طبق

دوسری بیوی کے بطن سے چھ لڑکے پیدا ہوئے لیکن ان میں سے کوئی شیخ عارفؒ کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکا۔ حضرت خواجہؒ کی دو لڑکیاں بھی تھیں ایک شیخ عراقیؒ کے عقد نکاح میں تھیں۔ دوسری صاحبزادی کے مستند حالات کسی تذکرہ میں درج نہیں ہیں۔

(۱۲)

خلفائے عظام

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے بے شمار خلفائے کرام میں آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارفؒ۔ شیخ حسن افغانیؒ۔ شیخ ابراہیم عراقیؒ۔ شیخ امیر حسینیؒ۔ شیخ جمال خنداںؒ اور شیخ نجیب الدین علی برغشؒ بہت مشہور ہیں۔ شیخ ابراہیم عراقیؒ اور شیخ امیر حسینیؒ فارسی کے قادر الکلام شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ شیخ عراقیؒ کی تصانیف میں لمعات، مثنوی عشاق نامہ اور ایک دیوان ہے۔ شیخ امیر حسینیؒ کی تصانیف کے نام یہ ہیں (۱) کنز الرموز (۲) صراط المستقیم (۳) الارواح (۴) نزہت الارواح (۵) زاد المسافرین (۶) طرب المجالس (۷) سوالات (۸) دیوان خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کی مدح میں کنز الرموز کے چند اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیاء | واصل حضرت ندیم کبریا
مفخر ملت بہائے شرع ودیں | جانِ پاکش منبع صدق ویقین
از وجودِ او بہ نزدِ دوستان | جنت الماوی شدہ ہندوستان
من کہ ردو از نیک واز بدتافتم | ایں سعادت از قبولش یافتم

(۱۴)

بدایوں کے اولیائے سہروردی

جن دنوں اجودھن اور ملتان حضرت باباصاحبؒ اور خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے انوار سے جگمگا رہے تھے۔ بدایوں کا شہر بھی کئی جلیل القدر سہروردی اولیاء اللہ کی موجودگی سے بقعۂ نور بن گیا تھا اور عالم اسلام میں مدینۃ الاولیاء پیرانِ شہر اور قبۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔

مولوی عبدالحیٔ صفا بدایونی (صاحب عمدۃ التواریخ) کے بیان کے مطابق سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں بدایوں کی آبادی تقریباً سات لاکھ نفوس پر مشتمل تھی اور شہر میں باون محلے باون سرائیں اور باون پختہ کنوئیں تھے۔ حضرت باباصاحبؒ کے ہمعصر چند مشہور بدایونی اولیائے سہروردی کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ اعظم سہروردیؒ

آپ شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے پوتے تھے۔ ۶۲۰ھ میں بدایوں تشریف لائے۔ اکل حلال کے لئے قوس سازی کا پیشہ اختیار کیا۔ اور ساری عمر یہیں گذار دی۔ ہزار ہا لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا۔ مولانا عبدالقادر بدایونیؒ نے یہ شعر آپ کے متعلق ہی کہا ہے ؎

شیخ اعظم سہروردیؒ از مضافات یمین | قوس ساز و سہم انداز یئے ہر فن را اسلام

۲۔ حضرت قاضی حمیدالدین ناگوریؒ

ہندوستان کے اولیائے سہروردہیں آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں ان کی بابت لکھا ہے کہ "در تجرید و تفرید یگانۂ عصر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند"، آپ مدتوں بدایوں میں رہنے اور پھر سلطان التمش کے عہدِ حکومت میں دہلی آگئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے آپ کے نہایت گہرے تعلقات تھے۔ اسی بنا پر بعض لوگ انھیں چشتی سمجھتے ہیں حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے وصال کے بعد ان کا خرقہ آپ نے ہی حضرت باباصاحبؒ کے سپرد کیا تھا حضرت

باباصاحبؒ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کا غایت درجہ احترام کرتے تھے اور اپنے ملفوظات میں باربار قاضی صاحبؒ کی تصانیف کا حوالہ دیتے تھے۔ ایک بار قاضی صاحبؒ نے ایک خط لکھا جس میں یہ رباعی بھی تھی۔

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد | واں روح کجا کہ در جمال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال | آں دیدہ کجا کہ بر جمال تو رسد

حضرت باباصاحبؒ باربار اس رباعی کو پڑھتے تھے اور ان پر حالت وجد طاری ہوجاتی تھی۔ سال وصال باختلاف روایت ۶۴۲ھ یا ۶۷۳ھ ہے۔ طوامع الشموس مشہور تصنیف ہے۔

۳۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ آپ کے حالات اس کتاب میں ایک اور جگہ درج ہیں مدتوں بدایوں میں رہ کر اصلاح خلق میں مصروف رہے۔ اس کے بعد پنڈوہ (بنگالہ) تشریف لے گئے۔ اور وہیں زندگی گذاردی۔

۴۔ حضرت سلطان العارفین خواجہ حسن شیخ شاہی روشن ضمیر رسن تابؒ بدایوں کے جلیل القدر مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ رسیاں بٹ کر اپنے معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ سے خرقۂ خلافت اور روشن ضمیر خطاب پایا۔ ۶۳۲ھ میں حجرے کو آگ لگ جانے کی وجہ سے شہادت پائی۔ تاریخ وصال اس شعر سے ظاہر ہے۔

شیخ شاہی جناب پیر کبیر | مقتدائے جہاں حبیب اللہ
رفت چوں از جہاں بہ خلد بریں | سال وصلش بداں خدا آگاہ

۶۳۲ ہجری

۵۔ حضرت خواجہ عثمان رسن تاب سہروردیؒ آپ خواجہ حسن شیخ شاہی روشن ضمیرؒ کے حقیقی بھائی تھے۔ نہایت زاہد و متقی اور عارف کامل تھے۔ آپ کا ذریعۂ معاش بھی رسیاں بٹنا تھا حضرت شیخ شاہیؒ کے وصال کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں دہلی تشریف لے گئے۔ وہ نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے اور اپنے فیض باطنی سے نوازا۔ سال وفات کسی تذکرہ میں درج نہیں ہے۔ مزار بدایوں میں ہے۔

۶۔ حضرت خواجہ ابوبکر بدرالدین موئے تاب سہروردیؒ آپ کا شمار بڑے جلیل القدر

اور صاحبِ کمال اولیاء میں ہوتا ہے۔ شیخ شاہی روشن ضمیرؒ اور خواجہ عثمان رسن تابؒ آپ کے حقیقی بھائی تھے۔ شیخ شاہی روشن ضمیرؒ اور خواجہ بختیار کاکیؒ دونوں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اپنے برادر بزرگ شیخ شاہیؒ کی وفات کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں دہلی تشریف لے گئے انھوں نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "بیا بدرالدین شاہِ ولایت بدایوں" کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہ کر خواجہ بختیار کاکیؒ سے کسبِ فیض کیا اور پھر بدایوں آ گئے۔ آپ کے ارشاد و ہدایت سے ہزار ہا لوگ متفیض ہوئے وصال سے کچھ دیر پہلے خواجہ ضیاء الدین نقشوی بدایونیؒ عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ کی زبان پر یہ شعر جاری تھا ؎

قالب چو غبار است میان من و تو — امید کہ اینک زمیاں برخیزد

"باقیات الصالحات" میں "عظمت الاولیاء" کے حوالہ سے آپ کی تاریخ وصال ۲۲ر رمضان المبارک ۶۹۰ھ لکھی ہے۔ اس قطعہ سے آپ کا سالِ وصال ظاہر ہوتا ہے ؎

کرد از دنیا چو بدرِ دیں سفر — سالِ وصلِ او بگو بے قیل و قال

بدر دیں ہدیٰ دیں بدریکسال — شہ ولایت شاہِ بدرالدین جمال

۶۹۰ ہجری

۷۔ مولانا حسام الدین المعروف بہ جمال الدین ملتانیؒ

آپ کا شمار اپنے دور کے سر آمد روزگار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے

آپ حضرت خواجہ صدرالدین عارفؒ کے خلیفہ تھے اور انہی کے حکم کے مطابق بدایوں تشریف لے گئے۔ بعض تذکروں میں ہے کہ آپ سلطان العارفین شیخ شاہی روشن ضمیرؒ اور خواجہ بدرالدین موئے تابؒ کے استاد تھے۔ خزینۃ الاصفیاء میں آپ کا سالِ وفات ۶۸۷ھ درج ہے۔ سالِ وصال اس قطعہ سے نکلتا ہے ؎

رفت از دنیا بفردوس بریں — چوں حسام الدین شہ دارِ زماں

رحلتش بدر تمام آمد دگر — نیرِ اکبر حسام الدیں بخواں

۶۸۷ھ — ۶۸۷ھ

۸۔ حضرت شیخ احمد خیاط سہروردیؒ

تذکرہ نگاروں نے آپ کو بدایوں کے سہروردی اولیاء کا شہباز لکھا ہے۔ خیاطی آپ کا ذریعۂ معاش تھا۔ کسی کے کپڑے کی ایک دھجی یا دھاگے کے بھی روادار نہ تھے۔ مجاہدات و ریاضات میں درجۂ کمال

تک پہنچے ہوئے تھے۔ ۹ر رمضان المبارک ۶۹۳ھ کو وفات پائی۔

۹۔ حضرت شیخ احمد بودلہ سہروردیؒ آپ اپنے زمانہ کے ابدال میں تھے۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ صاحبِ کشف و کمال تھے۔ ساری عمر تجرّد میں گذار دی۔ شیخ صدرالدین عارفؒ کے مرید تھے۔ ان کا قول تھا کہ حقیقی مسرت نماز پنجگانہ باجماعت ادا ہو جانے میں ہے۔ ۲۷ر رمضان المبارک ۶۸۴ھ کو وفات پائی۔

۱۰۔ حضرت شیخ احمد ذکی نہر والی سہروردیؒ آپ نہر والا علاقہ گجرات (مغربی پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کے ساتھ مدتوں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں رہے۔ جن دنوں حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ دہلی میں چلہ کاٹ رہے تھے۔ شیخ احمد ذکیؒ بھی وہاں ہی تھے۔ حضرت قطب الاقطابؒ کے وصال کے بعد آپ بدایوں تشریف لے گئے۔ اور باقی عمر وہاں اصلاحِ خلق میں گذار دی۔ اکلِ حلال کے لئے آپ نے کپڑا بُننے کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گذرتا۔ آخر میں مرشد کے حکم سے کپڑا بننا ترک کر دیا تھا۔ ہزار ہا لوگوں نے آپ کے ذریعہ ہدایت پائی۔ تاریخ وصال ۱۵ر رمضان المبارک ۶۶۱ھ ہے۔

۱۱۔ حضرت شیخ احمد خنداں سہروردیؒ آپ کا نام احمد اور لقب "شکر وہاں" ہے۔ اپنی شیریں کلامی اور خندہ روئی کی بدولت "احمد خنداں" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خواجہ زکریاؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ متقدمین اولیاء اللہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔

۱۲۔ حضرت شیخ احمد بھرتول سہروردیؒ آپ شیخ ضیاء الدین رومی دہلویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ کے نامور اولیاء اللہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۶۶۳ھ میں وفات پائی۔ طبقات الاولیاء میں قطعۂ تاریخ وصال اس طرح درج ہے ؎

یافت چوں زیں غمکدہ در خلد جا — احمد بھرتول فرشتہ نہاد
اہلِ جناں خوش شد و رضواں بگفت — سالِ بخوانید زروش قباد

۶۶۳ھ

۱۳۔ حضرت شیخ احمد نفتہ سہروردیؒ

آپ شہر نفت (علاقہ یزد) کے باشندے تھے۔ سیر و سیاحت کرتے ہندوستان پہنچے اور بدایوں میں حضرت سلطان العارفین شیخ شاہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ایک نظر میں ہی آپ کو اپنا دالہ و شیفتہ بنالیا۔ مدتوں مرشد کا فیض صحبت اٹھایا اور صاحبانِ معرفت میں شمار ہوئے۔ ۶۳۵ھ میں وفات پائی۔ قطعۂ تاریخ وصال حسب ذیل ہے ؎

احمد نفت آں بہ تخت شمرد — زیں جہان رفت ذاکر و شاغل
بر ضمیرم ز غیب القا شد — سالِ ترحیل مرشدِ کامل

۶۳۵ھ

ہمعصر بادشاہ

ایں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند (اقبالؒ)

(۱)

خاندانِ غلامان

برکوچک ہند و پاکستان پر ۶۰۲ھ سے ۶۸۸ھ تک "خاندانِ غلامان" کا پرچم اقتدار لہراتا رہا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

نام بادشاہ	سالِ جلوس
سلطان قطب الدین ایبک	۶۰۲ھ
آرام شاہ	۶۰۷ھ
سلطان شمس الدین التمش	۶۰۷ھ
رکن الدین فیروز شاہ اول	۶۳۳ھ
سلطانہ رضیہ	۶۳۴ھ
معز الدین بہرام شاہ	۶۳۷ھ
علاؤ الدین مسعود شاہ	۶۳۹ھ
سلطان ناصر الدین محمودؒ	۶۴۴ھ
سلطان غیاث الدین بلبن	۶۶۴ھ
معز الدین کیقباد	۶۸۶ھ تا ۶۸۸ھ

(اس کے بعد خلجی خاندان برسرِ اقتدار آگیا)

خاندانِ غلامان میں سلطان قطب الدین ایبک۔ سلطان شمس الدین التمش۔ سلطان ناصر الدین محمود۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن خاص شہرت رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ اس خاندان کے دوسرے حکمرانوں کا وقت زیادہ تر شورش و ہنگامہ دور کرنے میں صرف ہوا۔ سلطان شمس الدین التمشؒ کی بیٹی سلطانہ رضیہ نے اس حیثیت میں بڑا نام پایا کہ وہ ہندوستان و پاکستان کی تاریخ میں واحد خاتون ہے جو تخت دہلی پر خود مختارانہ متمکن ہوئی۔ لیکن اس کا انجام بڑا حسرتناک ہوا اور وہ سازشوں کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہوئی۔

سلطان قطب الدین ایبک کا دورِ حکومت بہت مختصر تھا لیکن اس نے اپنی بے مثال فیاضی شجاعت اور علم دوستی کی بدولت بڑا نام پایا۔ وہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا عقیدت مند تھا۔ اور علماء و مشائخ کا نہایت احترام کرتا تھا۔ اپنی سخاوت کی وجہ سے عوام میں لک (لکھ) بخش کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

سلطان شمس الدین التمشؒ نہایت صالح اور عادل بادشاہ تھا۔ مشائخ اور علماء سے اس کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مریدِ خاص تھا اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ اس نے خواجہ خواجگان حضرت غریب نوازؒ سے بھی براہ راست استفاضہ کیا تھا۔ کئی تذکروں میں سلطان التمش کو اولیائے کامل میں شمار کیا گیا ہے۔ اس نے اپنے پیرانِ عظام کی ہدایت کے مطابق ایک عظیم الشان درس گاہ تعمیر کرائی تھی۔ جہاں دور دور سے طلباء آتے تھے۔ اور سرکاری خرچ پر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے محل کے دروازے پر زنجیروں میں گھنٹیاں باندھ کر لٹکا دی تھیں اور اعلان کر دیا تھا کہ جس کسی پر ظلم ہو وہ رات ہو یا دن ہر وقت آ کر گھنٹی بجا سکتا ہے میں اسی وقت اس کی دادرسی کروں گا۔ چنانچہ وہ مظلوموں کی فریادیں سننے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتا۔ اس کے علاوہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ فریادی اور دادخواہ کے سوا کوئی شخص رنگین کپڑے نہ پہنے اگر کسی شخص کو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دیکھتا تو فوراً اسے بلا کر حالات دریافت کرتا اور جب تک اس کی دادرسی نہ کر لیتا آرام نہ کرتا۔

سلطان التمش اہلِ علم کی بیحد قدر کرتا تھا۔ فخر الملک عطائی۔ امیر روحانی اور نور الدین محمد عوفی (مصنف جوامع الحکایات) جیسے نادرۂ روزگار اصحاب اس کے دربار میں ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ سلطان کی ایک فتح کے موقع پر امیر روحانی نے اس کی شان میں یہ اشعار کہے۔

خبر بہ اہلِ سما برد جبرئیلِ امین | ز فتحنامۂ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسمان ہا را | بدیں بشارتے بندید کلہ و آئین
کہ از بلادِ سوالک شہنشہ اسلام | کشاد یاد دگر قلعۂ سپہر آئین
شہ مجاہد و غازی کہ دستِ تیغش را | روانِ حیدر کرار می کند تحسین

سلطان التمش حضرت بابا صاحبؒ کا پیر بھائی تھا۔ اگرچہ بابا صاحبؒ نے اس کا عہدِ حکومت بھی دیکھا لیکن اس کا زیادہ تعلق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے رہا۔ اس لئے اسے بابا صاحبؒ کی بجائے خواجہ بختیار کاکیؒ کا ہمعصر کہنا زیادہ موزوں ہے۔ بابا صاحبؒ کے ہمعصر بادشاہوں میں سلطان ناصر الدین محمودؒ اور سلطان غیاث الدین بلبن کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں بادشاہ حضرت بابا صاحبؒ کے عقیدت مند تھے اور آپ کے فیوض و برکات سے کما حقہٗ متمتع ہوئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختصر حال یہاں درج کیا جائے۔

(۲)

سلطان ناصر الدین محمود

سلطان ناصر الدین محمود، سلطان شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ ۶۴۴ھ میں تختِ ہندوستان پر بیٹھا وہ ایک نیک خصال اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ اپنی بدروزی کلامِ مجید لکھ کر کماتا تھا اور خزانۂ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا حرام سمجھتا تھا۔ صرف دربار کے وقت شاہی لباس پہنتا ورنہ عام طور پر نہایت سادہ پیوند لگے کپڑے پہنے رہتا۔ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ بیوی ہی گھر کا سارا کام کاج کرتی تھی۔ ایک دن اس نے شکایت کی کہ روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھ جل گئے ہیں اگر ایک خادمہ مجھے دیدیں تو کیا حرج ہے۔ سلطان نے جواب دیا۔

"بیت المال اللہ کی امانت ہے اور اس پر صرف بندگانِ خدا کا حق ہے۔ میں اس امانت میں خیانت کرنے کی جراءت نہیں کر سکتا ورنہ کوئی خادمہ تمہیں دیدیتا۔ صبر کرو اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں اجر دے گا۔"

جہاں خوابست پیشِ چشم بیدار | بخوابے دل نہ بندد مردِ ہوشیار

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود ایک سال میں دو کلام مجید لکھتا۔ ایک بار اس کا لکھا ہوا مصحف کسی امیر نے زیادہ ہدیہ دے کر لے لیا۔ سلطان کو معلوم ہوا تو خوفِ خدا سے لرز گیا اور حکم دیا کہ میرے لکھے ہوئے قرآنِ مجید مخفی طور پر بازار کے معمولی ہدیہ پر ضرورت مندوں کو دیئے جائیں

سلطان کو سرورِ کائنات سے بے پناہ محبت تھی اور پاک وصاف ہوئے بغیر کبھی حضورؐ کا اسم گرامی زبان سے نہ نکالتا۔ سلطان کا ایک ندیم محمد نامی تھا۔ سلطان کو جب کوئی کام ہوتا تو ہمیشہ اس کا نام لے کر پکارتا اور جو کام ہوتا اسے بتاتا۔ ایک دن اس ندیم کو سلطان نے تاج الدین کہہ کر پکارا۔ ندیم فوراً حاضر ہوا اور سلطان کے حکم کی تعمیل کر کے گھر چلا گیا۔ جب تین دن تک نہ آیا تو سلطان نے بلا بھیجا اور غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ ندیم نے جواب دیا کہ سلطان ہمیشہ میرا نام لے کر پکارتے تھے لیکن اس دن معمول کے خلاف تاج الدین کہہ کر آواز دی تو میں سمجھا کہ سلطان مجھ سے ناراض ہیں اس لیئے خوفزدہ ہو کر گھر چلا گیا اور سلطان کا عتاب دور ہونے کا منتظر رہا۔

سلطان نے قسم کھا کر کہا "میں تم سے مطلق خفا نہیں ہوں۔ اس دن تمہارا نام نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ میں باوضو نہ تھا اور بغیر طہارتِ کامل کے لفظ مُحَمَّدْ اپنی زبان پر نہ لا سکتا تھا"

سلطان نہایت حلیم الطبع اور خوش خلق تھا۔ کسی کی دلآزاری کرنا اس کے نزدیک گناہ عظیم تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ ایک دن سلطان قرآن مجید کی کتابت کر رہا تھا کہ ایک اجنبی اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک کتابت شدہ صفحے پر اس کی نظر پڑی تو کہا کہ فلاں جگہ لفظ "فیہ" زائد لکھا گیا ہے۔ سلطان نے اس لفظ کے گرد فوراً دائرہ کھینچ دیا۔ اور اس شخص کی حاجت روائی کر کے اسے خوش دلی سے رخصت کیا۔ اس کے جانے کے بعد سلطان نے قلم تراش سے "فیہ" کے گرد کھینچے ہوئے حلقے کو مٹا دیا۔ اس وقت ایک غلام حاضر تھا اس نے سلطان سے دریافت کیا کہ دائرہ کھینچنے اور پھر اس کے مٹا دینے کا کیا سبب ہے۔

سلطان نے جواب دیا کہ یہ شخص احتیاج لے کر آیا تھا۔ اگر میں اس کی بات کی تردید کرتا تو وہ نادم ہو جاتا۔ اس لیئے میں نے اس کو خفت سے بچانے کے لیئے "فیہ" کے لفظ کے گرد حلقہ کھینچ دیا۔ فی الحقیقت اس کا اعتراض غلط تھا اس لیئے اس کے جانے کے بعد میں نے حلقہ مٹا دیا۔ میرے نزدیک اس طرح حلقہ مٹا دینا دل کا غبار دور کرنے کی نسبت آسان ہے۔ غرض سلطان زہد واتقا اور اخلاقِ حسنہ کا ایک مثالی پیکر تھا۔ بدایونی لکھتا ہے۔

"وحکایات دیگر غریب کہ مشابہ احوال خلفائے راشد باشد ازو نقل می کنند"

کہا جاتا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود کا بیس سالہ کامیاب دورِ حکومت اس کے بیدار مغز وزیر الغ خان (غیاث الدین بلبن) کا مرہونِ منت تھا۔ سلطان نے اسے منصبِ وزارت پر فائز

کرتے ہوئے نصیحت کی کہ میں نے تمہیں ہر قسم کے اختیارات دے دیئے ہیں۔ اپنے ہر کام میں خوف خدا ملحوظ رکھنا اور کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کے سبب تمہیں اور مجھے آخرت میں حق تعالیٰ کے حضور شرمندہ ہونا پڑے۔

سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا صاحبؒ سے بہت عقیدت تھی اور وہ آپ کا غایت درجہ احترام کرتا تھا۔ اظہار عقیدت کے طور پر اس نے ایک دو موقعوں پر حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں کثیر رقم اور جاگیر کا فرمان بھیجا یہ الگ بات ہے کہ حضرتؒ نے جاگیر قبول نہ فرمائی اور زر نقد درویشوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی۔ بہر صورت بابا صاحبؒ کی دعائیں ہمیشہ اس درویش منش بادشاہ کے شامل حال رہیں۔

(۳)

سلطان غیاث الدین بلبن

سلطان ناصر الدین محمودؒ نے تمام امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے سپرد کر رکھے تھے۔ ۶۶۴ھ میں سلطان ناصر الدین محمود کی وفات پر سب لوگوں نے بلبن کو بالاتفاق اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ ہندو پاکستان کی تاریخ میں بلبن اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ایک طرف تو اس کی ہیبت، دبدبہ اور شان و شکوہ کا یہ عالم تھا کہ اسے دیکھ کر غیر ممالک کے سفیر غش کھا جاتے دوسری طرف مشائخ و علماء سے اس کی عقیدت کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے آستانوں پر خود چل کر جاتا اور ہر طرح سے ان کی خدمت کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا۔ اس کی ایک بیٹی حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نکاح میں تھی اور وہ خود حضرتؒ کے حلقہ ارادت میں شامل تھا۔ اپنے عہد وزارت میں ایک دفعہ وہ اجودھن حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؒ نے اس کو سلطنت دہلی کی بشارت دی تھی۔ بلبن نے حضرت بابا صاحبؒ کے فیوض و برکات سے وافر حصہ پایا اور اس نے عدل و انصاف، فیاضی، غریب پروری رحم و کرم، ہنر شناسی اور علم پروری کا ایسا معیار قائم کیا کہ تمام بلاد اسلامیہ اس پر رشک کرنے لگے۔

بلبن اصل میں ایک ترک رئیس زادہ تھا۔ چنگیزی حملہ میں گرفتار ہوا اور غلام بنا لیا گیا۔ دست بدست فروخت ہوتے سلطان شمس الدین التمش کے روبرو لایا گیا۔ سلطان نے اس کی پستہ قامتی اور بدصورتی کی وجہ سے خریدنے سے انکار کر دیا۔ بلبن نے جراءت کر کے عرض کی "حضور آپ نے دوسرے غلام کس کے لئے خریدے ہیں" التمش نے ہنس کر

جواب دیا "اپنے لئے" بلبن نے دست بستہ عرض کیا "تو پھر مجھے خدا کے لئے خرید لیجئے"۔

التمش کو اس کا اندازِ گفتگو پسند آیا اور اس کو خرید کر بہشتی کی خدمت سپرد کر دی۔ چونکہ بلبن کی تربیت نہایت عمدہ طریقہ سے ہوئی تھی۔ وہ اپنی فرض شناسی اور حسن لیاقت کی بدولت ترقی کے زینوں پر چڑھتا گیا۔ سلطانہ رضیہ کے عہد میں میر شکار مقرر ہوا۔ اور سلطان علاؤالدین مسعود کے عہد میں امیر حاجب بنا دیا گیا۔ سلطان ناصرالدین محمود کے عہد میں نائب السلطنت بن کر حکومت کے تمام سیاہ سفید کا مالک ہو گیا۔ حتیٰ کہ سلطان کی وفات پر بغیر کسی مزاحمت کے تخت ہندوستان کا مالک بن گیا۔ تخت نشین ہو کر اس نے سب سے پہلے فوج کی تہذیب و تربیت پر توجہ دی اور ایسی زبردست اور وفادار فوج منظم کی کہ کسی قوی سے قوی دشمن کو بھی اس پر حملہ کرنے کی جراءت نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد اس نے انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی۔ تمام عہدیداروں کی جانچ پڑتال (SCREENING) کی جس ملازم کو دیانت داری امانت اور صلاح و تقویٰ سے عاری پایا یا اپنے کام کا اہل نہ دیکھا اسے معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ کسی قابل اور خداترس شخص کا تقرر کر دیا۔ اس کے دربار میں سنجیدہ اور معقول لوگوں کے سوا کسی دوسرے کی باریابی ناممکن تھی۔ اس نے اپنی آہنی تدبیروں سے ملک بھر میں لوٹ مار کا خاتمہ کر دیا۔ جگہ جگہ قلعے تعمیر کرائے چوکیاں قائم کیں اور جو راستے سالہا سال سے قزاقوں کا مسکن بنے ہوئے تھے۔ ان کو صاف کر دیا۔ لوگ بلاخوف و خطر ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتے تھے۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں وہ مطلق کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے لڑکوں سے بھی کہہ دیا تھا کہ تم نے کسی پر ناجائز سختی کی تو میں سزا دیئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ اس کا قول تھا کہ ایک بادشاہ کی نجات چار باتوں پر منحصر ہے (۱) وہ خوف خدا رکھتا ہو اور رعایا کے آرام سکون سے کبھی غافل نہ ہو (۲) ملک میں کسی پر ظلم نہ ہونے دے اور انصاف کے معاملہ میں کسی کی رو و رعایت نہ کرے (۳) ملک سے ہر قسم کی برائیوں کا انسداد کرے (۴) حکومت کے عہدوں پر ہمیشہ نیک سیرت۔ شائستہ۔ دیانتدار اور متدین آدمیوں کو مقرر کرے۔

بلبن علم و ہنر کا قدردان تھا اور علماء و مشائخ کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتا تھا اس کے عہد میں شہر دہلی علم و ہنر کا ایک عظیم مرکز بن گیا تھا۔ وسط ایشیا اور اس کے جوار میں فتنۂ چنگیز خانی نے جو ابتری پھیلا رکھی تھی۔ اس سے پریشان ہو کر جو لوگ ہندوستان کا رخ کرتے بلبن ان کو نہایت خوش دلی سے پناہ دیتا اور ہر طرح سے ان کی سرپرستی کرتا تھا۔ ان میں سے جو لوگ وہاں کے شاہی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے ان کو ان کے حسب مراتب وظائف دیتا تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے۔

"زبدہ ونخبہ وخلاصۂ عالم از اصحاب سیف وقلم وسازندہ وخوانندہ وارباب ہنر کہ درربعِ سکون عدیل ونظیر نہ داشتند در درگاہ بلبن جمع شدہ بودند در درگاہ اوراہ بر درگاہِ محمودی وسنجری ترجیح می دادند"

سلطان کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ باوضو رہتا۔ نماز پنجگانہ کی سختی سے پابندی کرتا حتیٰ کہ اشراق اور تہجد کی نماز بھی ترک نہ کرتا۔ اس کے دسترخوان پر جب تک علماء ومشائخ موجود نہ ہوں کھانا نہ کھاتا تھا۔ قدم قدم پر ان سے مشورے لیتا اور شرعی مسائل دریافت کرتا۔ بزرگوں کے آستانوں پر خود حاضر ہوتا۔ اکابر کے جنازوں کو کندھا دیتا۔ لوگوں کی تعزیت کرتا۔ راستہ میں کہیں مجلس وعظ برپا ہوتی تو تعظیماً سواری سے اتر پڑتا اور کچھ دیر وہاں ٹھہر کر وعظ سے مستفیض ہوتا۔ اس نے ملک بھر میں شراب خوری قمار بازی اور دوسرے خلاف شرع کاموں کی نہایت سختی سے ممانعت کردی تھی۔ اپنی سلطنت کے صحیح حالات سے آگاہ رہنے کے لیئے ایک وسیع محکمہ سراغرسانی قائم کیا تھا۔ اس محکمہ کے ملازموں پر نہایت کڑی نظر رکھتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی جاسوس اس کو غلط خبر پہنچانے کی جراءت نہ کرسکتا تھا۔ اور نہ ہی حکام کسی پر ظلم وستم کرسکتے تھے۔ اس کی حیاداری کی یہ کیفیت تھی کہ محل کے اندر بھی پورے ملبوس میں رہتا تھا کبھی کسی نے اس کا زانو تک برہنہ نہیں دیکھا۔ وہ نہ کبھی خود قہقہہ مار کر ہنستا اور نہ کسی دوسرے کو جراءت تھی کہ اس کے سامنے کھل کھلا کر ہنسے۔ بلبن نے رفاہِ عام کے بیشمار کام کئے اور بیسیوں جنگل کٹوا کر سڑکیں بنوادیں۔ جگہ جگہ پل اور مہمان خانے بنوائے۔ باغیوں اور سرکشوں کے حق میں وہ قہرِ مجسم تھا۔ طغرل اور میواتیوں کی بغاوت کو نہایت سختی سے کچل دیا نقضِ امن خواہ کسی رنگ میں ہو اسے بلبن بالکل برداشت نہیں کرتا تھا۔ غرض اس کا عہدِ حکومت عجیب خیر وبرکت کا زمانہ تھا۔ مسٹر لین پول کی رائے ہے کہ سلطان بلبن سے زیادہ کسی بادشاہ نے نہیں سمجھا کہ ہندوستان پر حکومت کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہوسکتا ہے اور یہاں کی رعایا کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے۔

حضرت باباصاحبؒ کا وصال سلطان بلبن کے عہدِ حکومت میں ہی ہوا۔ سلطان نے آپ کے مزار کی تعمیر میں خاص دلچسپی لی اور اس مقصد کے لئے ایک کثیر رقم صرف کی۔

بلبن کے دو بیٹے تھے۔ محمد سلطان اور بغرا خان۔ محمد سلطان مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اوصاف میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ وہ بلبن کی امیدوں کا مرکز تھا جب منگولوں نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کے مقابلہ کے لیئے بلبن نے محمد سلطان ہی کو روانہ کیا۔ اس جنگ میں منگولوں کو شکست ہوئی

لیکن افسوس کہ محمد سلطان شہید ہو گیا چنانچہ وہ تاریخ میں "خان شہید" کے نام سے مشہور ہے اس کی شہادت سے ملک بھر میں ماتم بپا ہو گیا امیر خسرو اور دوسرے شعراء نے نہایت پُردرد مرثیے لکھے۔ سلطان بلبن کی تو کمر ٹوٹ گئی۔ اور اس کی صحت بگڑنے لگی۔ چند دن کے بعد اپنے دوسرے بیٹے بغرا خان کو بنگال سے بلا بھیجا۔ وہ چند دن دہلی رہ کر بادشاہ کی اجازت کے بغیر واپس بنگال چلا گیا سلطان کو اس کی بے رُخی سے اور بھی صدمہ پہنچا اس کی صحت بالکل تباہ ہو گئی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اٹھارھواں باب
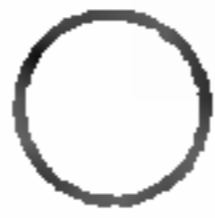
آستانۂ فریدی کے دو درویش

(۱)

خواجہ شمس الدین ترکؒ

ساتویں صدی ہجری کے مشائخ عظام میں خواجہ شمس الدین ترکؒ بڑے صاحبِ تصرف بزرگ گذرے ہیں۔ آپ ترکستان کے ایک معزز سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زندگی ترکستان ہی میں گذری۔ وہاں تفسیر و قرآن حدیث و فقہ منطق و ریاضی اور دیگر علوم ظاہری میں کمال حاصل کرنے کے بعد راہِ طریقت میں قدم رکھا۔ ماوراالنہر کے کئی جلیل القدر بزرگوں سے استفاضہ کیا لیکن طبیعت کہیں نہ جمی اور مرشد کامل کی تلاش میں ہندوستان کا رُخ کیا۔ ان دنوں باباصاحبؒ کا آفتاب ولایت نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ خواجہ شمس الدین ملتان سے ہوتے ہوئے سیدھے اجودھن پہنچے اور حضرت باباصاحبؒ کے آستانہ کے درویشوں میں شامل ہو گئے۔ ایک عرصہ تک باباصاحبؒ کے فیوض روحانی سے متمتع ہوتے رہتے۔ جب تربیت مکمل ہو گئی تو حضرت باباصاحبؒ نے انھیں حضرت مخدوم علاؤالدین صابرؒ کی خدمت میں کلیر بھیج دیا۔ مخدوم صابرؒ نے انھیں دیکھ کر فرمایا۔

"شمس الدین تو مرا فرزندی، از حق سبحانہٗ تعالیٰ خواستہ ام کہ ایں سلسلۂ ما از تو جاری باشد و تا قیامت برپا ماند"

اس کے بعد بیعت لے کر اپنی کلاہ چہار ترکی ان کے سر پر رکھ دی۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ بیس سال (اور بعض روایتوں کے مطابق گیارہ سال) تک مخدوم صابرؒ کی خدمت میں رہے۔ مرشد گرامی

کو خود وضو کراتے نہلاتے کھانا کھلاتے اور رات دن ان کے احکام کی بجا آوری پر کمر بستہ رہتے۔ مرشد نے اپنے فیوض باطنی سے انھیں مالامال کر دیا اور پھر خرقۂ خلافت عطا کر کے پانی پت جانے کی ہدایت کی۔ خواجہ صاحبؒ نے عرض کی کہ ابھی کچھ عرصہ فقیر کو محنت مزدوری کی اجازت مرحمت فرمائیں حضرت مخدومؒ نے بخوشی اجازت دیدی اور خواجہ صاحبؒ دہلی آکر سلطان بلبن کے شاہی رسالہ میں ملازم ہو گئے۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ سلطان علاؤ الدین خلجی کی فوج میں سواروں کے ایک دستے کے افسر ہو گئے۔) آپ اپنے مفوضہ فرائض کو نہایت جاں فشانی سے سرانجام دیتے تھے۔ اور اپنے کمالات باطنی کو مخفی رکھتے تھے۔ فرصت کا جو وقت ملتا خلوت میں جاکر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کے زمانۂ ملازمت کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بادشاہ نے ایک قلعہ پر حملہ کیا۔ دشمن نے قلعہ بند ہو کر نہایت بے جگری سے مقابلہ کیا۔ اور قلعہ پر متصرف ہونے کی تمام شاہی کوششیں ناکام بنادیں کئی ماہ اسی حالت میں گذر گئے اور بادشاہ محاصرہ کی طوالت سے اکتا گیا۔ اسی دوران میں ایک رات ہولناک طوفان باد و باراں آیا۔ اس سے محاصر فوج کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور ہر جگہ پانی بھر گیا۔ کسی جگہ آگ باقی نہ رہی ادھر سردی کی وہ شدت ہوئی کہ دانت سے دانت بجنے لگا۔ بادشاہ کا خادمِ خاص (یا سقہ) بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہا تھا۔ اسے دور ایک جگہ روشنی نظر آئی۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک خیمہ کھڑا ہے اور اس میں چراغ جل رہا ہے اس کی روشنی میں خواجہ شمس الدین ترکؒ کلام پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔ خادم پر ہیبت چھا گئی اور اسے آگ مانگنے کا یارا نہ رہا۔ خواجہ صاحبؒ نے خود ہی سر اٹھا کر پوچھا "کیوں بھائی آگ کی ضرورت ہے؟" خادم نے عرض کیا "بیشک جناب آگ کی تلاش میں ہی آیا ہوں" خواجہ صاحبؒ نے فرمایا "بہتر ہے جتنی آگ چاہتے ہو لے جاؤ"، خادم نے ایک لکڑی سلگائی اور آبدار خانہ میں آکر حمام گرم کیا۔ اس واقعہ سے خادم کے دل میں بڑی بے قراری پیدا ہو گئی۔ صبح کو مشکیزہ لے کر پھر خواجہ صاحبؒ کے خیمے پر گیا۔ آپ وہاں موجود نہ تھے۔ بہت حیران ہوا۔ ادھر ادھر دیکھا تو پاس کے تالاب پر خواجہ صاحبؒ وضو کرتے نظر آئے۔ ایک گوشہ میں کھڑا ہو گیا۔ خواجہ صاحبؒ نے وضو کر کے نماز فجر ادا کی اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ خادم اب تالاب پر پہنچا تو دیکھا کہ جس جگہ آپ نے وضو کیا تھا وہاں کا پانی گرم تھا حالانکہ سردی کی شدت سے ارد گرد کا سب پانی جما ہوا تھا خادم نے پانی بھرا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ سب انہی بزرگ کی کرامت ہے۔ لیکن اس راز کو دل میں ہی

رکھا۔ دوسرے دن نماز فجر سے بہت دیر پہلے تالاب پر پہنچا۔ تالاب کا پانی برف کی طرح منجمد تھا خادم ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں خواجہ صاحب تشریف لائے اور تالاب پر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ وہاں کے پانی نے اسی وقت جوش مارا آپ نے وضو کیا نماز ادا کی اور تشریف لے گئے۔ خادم نے وہاں سے گرم پانی مشکیزہ میں بھرا اور سیدھا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اسے اب تابِ ضبط نہ رہی تھی۔ تمام واقعات من وعن بادشاہ کے گوش گذار کر دیئے۔ بادشاہ بہت حیران ہوا اور خادم سے کہا کل ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ دوسری رات وقتِ معینہ پر بادشاہ مسلح ہو کر خادم کے ہمراہ تالاب پر آیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ خواجہ صاحبؒ حسب معمول تشریف لائے۔ وضو کیا اور نماز پڑھ کر واپس تشریف لے گئے۔ سلطان نے پانی کو ہاتھ لگایا تو گرم تھا۔ خواجہ صاحبؒ کی عظمت اس کے دل پر نقش ہو گئی۔ اسی وقت خادم کو ساتھ لے کر آپ کے خیمے پر پہنچا۔ آپ قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے تھے۔ بادشاہ دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ عجیب منظر تھا۔ ہندوستان کا شہنشاہ جس کی ہیبت و جبروت کا اکناف عالم میں ڈنکا بج رہا تھا۔ ایک بوریہ نشین فقیر کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور زبان سے بات نہ نکلتی تھی۔ خواجہ ترکؒ کی نظر بادشاہ پر پڑی تو تعظیم کے لئے اٹھے اور سلام کیا۔ بادشاہ نے مؤدبانہ عرض کیا کہ یہ میری خوش بختی اور سعادت ہے کہ آپ جیسے بزرگ میرے عہد میں موجود ہیں۔ دعا فرمایئے کہ یہ قلعہ فتح ہو۔"

خواجہ صاحبؒ نے اپنے آپ کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن بادشاہ جو بچشم خود آپ کی کرامت دیکھ چکا تھا کسی طرح نہ مانا۔ آخر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر فرمایا "اسی وقت حملہ کرو اللہ تعالیٰ فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا" بادشاہ نے حسب الارشاد اسی وقت قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ محصورین نے بہت جلد ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ دوسرے دن بادشاہ نے برہنہ پا حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ آپ کو معلوم ہوا تو اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ کمبل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے اور سیدھے اپنے مرشد کی خدمت میں کلیر پہنچے۔ چند دن کے بعد مرشد کی طرف سے پانی پت جانے کا حکم ہوا۔ پانی پت ان دنوں حضرت شیخ بو علی قلندرؒ کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ خواجہ صاحبؒ پانی پت پہنچے تو اپنے خادم کے ہاتھ دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ شیخ بو علی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ قلندرؒ دودھ سے لبریز پیالہ دیکھ کر متبسم ہوئے اور اس میں گلاب کی چند پنکھڑیاں ڈال کر پیالہ واپس کر دیا۔ خواجہ صاحبؒ پیالے میں گلاب کی پنکھڑیاں دیکھ کر مسکرا دیئے۔ استفسار پر انھوں نے بتایا کہ ہمیں

نے شیخ صاحبؒ کو پیغام بھیجا تھا کہ یہ ملک میرے مرشد نے مجھے عطا کر دیا ہے شیخ صاحب نے مجھے یہ جواب دیا ہے کہ وہ میرے دائرۂ کار میں دخل نہیں دیں گے اور دودھ میں گلاب کی پتیوں کی طرح رہیں گے۔ چنانچہ دونوں بزرگوں میں آخر تک دوستی اور اخلاص کا رشتہ قائم رہا۔

خواجہ شمس الدین ترکؒ نے سالہا سال تک اصلاح و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے کے بعد ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک پانی پت میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۲)

سیدی مولہؒ سیدی مولہ جرجان کے رہنے والے تھے۔ (بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام "سیدی مولیٰ" بھی لکھا ہے) سیدی مولہؒ کی عمر کا بیشتر حصہ ممالک اسلامیہ کی سیاحت میں گذرا۔ دورانِ سیاحت انھوں نے اس دور کے نامور مشائخ عظام سے استفاضہ کیا اور پھر پاک پٹن آکر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مہمان ہوئے۔ ایک مدت تک آستانۂ فریدیؒ میں حضرت بابا صاحبؒ کے فیوض باطنی سے متمتع ہوتے رہے اور پھر آپ سے دہلی جانے اور وہاں خانقاہ تعمیر کرانے کی اجازت چاہی۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا لیکن تمہارے ارادے میں مزاحم بھی نہیں ہونا چاہتا۔ ایک نصیحت البتہ ضرور کرتا ہوں کہ بادشاہوں اور متوسلین حکومت کی صحبت سے حتی الوسع اجتناب کرنا کیونکہ ان لوگوں سے زیادہ اختلاط درویشی کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

سیدی مولہؒ بابا صاحبؒ سے رخصت ہو کر دہلی پہنچے اور وہاں ایک وسیع خانقاہ تعمیر کرائی۔ یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا عہدِ حکومت تھا۔ سیدی مولہؒ کی خانقاہ شاہی مہمان خانے پر بھی سبقت لے گئی ہزارہا مسافر اور حاجتمند خانقاہ میں آتے اور سیدی مولہؒ کے لنگر سے سیر ہو کر کھاتے۔ مسافروں کو آرام و آسائش کا ہر طرح کا سامان مہیا کیا جاتا اور انھیں دونوں وقت ایسا کھانا دیا جاتا جو بڑے بڑے امراء کو میسر نہ تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سیدی مولہؒ کی خانقاہ میں روزانہ ہزار من میدہ، پانچ سو من گوشت، دو سو من مصری، دو سو من شکر اور کئی من گھی صرف ہوتا تھا۔ پُر تکلف کھانا کھلانے کے علاوہ اکثر اہلِ حاجت کو سینکڑوں ہزاروں چاندی یا سونے کے ٹنکے بخش دیتے تھے جب کوئی چیز خریدتے تو فروخت کرنے والے سے کہہ دیتے کہ جاؤ فلاں طاق سے یا اینٹ وغیرہ کے نیچے سے اتنی رقم لے لو۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ کے ارشاد کے مطابق رقم نہ ملی ہو۔ آپ کے عطا کردہ سکے بالکل نئے ہوتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی ٹکسال سے ڈھل کر آئے ہوں۔ لوگ آپ کا خرچ اور ز

داد و دہش دیکھ کر حیران تھے اور ان میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ سیدی مولہؒ علم کیمیا کے ماہر ہیں کیونکہ بظاہر ان کی آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ نہ ان کے پاس کوئی جاگیر تھی اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے۔ ان کا لباس صرف ایک چادر اور پاجامہ ہوتا تھا۔ کوئی عورت یا خادمہ ان کے پاس نہ تھی۔ مجاہدہ و ریاضت بے انتہا کرتے تھے۔ خوراک میں صرف چاول کی روٹی اور معمولی سالن ہوتا تھا۔ وہ صوم و صلوٰۃ کے پورے پابند تھے۔ لیکن عجیب بات تھی کہ لوگوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ نہ جماعت میں شریک ہوتے اور نہ جمعہ کی نماز کے لئے جاتے۔

خاندان غلامان کے بعد خلجی دورِ حکومت شروع ہوا تو سیدی مولہؒ کا خرچ پہلے سے بھی بڑھ گیا۔ اکثر امراء و حکام ان کے عقیدت مند ہو گئے۔ حتیٰ کہ سلطان جلال الدین خلجی کا فرزند اکبر خانخانان بھی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا اور اپنے آپ کو سیدی مولہؒ کا فرزند کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگا۔ غرض خانقاہ مولائی میں ہر وقت امرائے ذی اقتدار کا ہجوم رہنے لگا۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو عہد بلبنی میں بڑی حشمت وجاہ کے مالک تھے لیکن انقلابِ حکومت کی وجہ سے تہیدست ہو گئے تھے۔ یہ لوگ سیدی مولہؒ کی داد و دہش سے فیض اٹھاتے اور رات کو ان کی خانقاہ ہی میں سوتے۔ سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں قاضی جلال الدین کاشانی قاضی القضاۃ تھا۔ وہ ایک چرب زبان اور فتنہ انگیز شخص تھا۔ اس نے بادشاہ سے نمک حرامی کی اور سیدی مولی کو ترغیب دینی شروع کی کہ بادشاہ ظالم ہے کیا ہی خوب ہو اگر آپ سلطنت کو اس کے پنجہ سے نکال کر خلقِ خدا کو عدل و انصاف سے شاد کام کریں اور شریعتِ رسول کو رواج دیں۔ سیدی مولہؒ کو بادشاہت کی آرزو کیا ہوتی تھی۔ البتہ انھوں نے اپنے معتقدین کو خطاب اور منصب دینا شروع کر دیا۔ چند روز بعد ان میں سے کچھ لوگوں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی۔ اس کا راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔ بادشاہ نے سیدی مولہؒ، قاضی جلال الدین کاشانی اور دوسرے معتقدین خاص کو دربار میں طلب کیا۔ اور حقیقت حال دریافت کی۔ سب نے سازش سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ سیدی مولہؒ فی الحقیقت اس سازش سے بالکل بے خبر تھے اور لوگوں نے سارا منصوبہ ان سے درپردہ تیار کیا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بہادر پور میں آگ کا ایک الاؤ تیار کیا جائے اور یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں سے گذریں اگر سچے ہوئے تو آگ ان کا بال بھی بیکا نہ کرے گی۔

جب الاؤ تیار ہو گیا تو سیدی مولہؒ فوراً اس میں کودنے کے لئے تیار ہو گئے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے آگ کی طرف بڑھے۔ اس وقت بادشاہ کا دل پسیج گیا اور اس نے علماء سے استفسار کیا کہ اس بارے

میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ تمام علماء نے بالاتفاق کہا کہ آگ بالطبع ایک جلانے والی چیز ہے۔ کسی شخص کو اس میں ڈالنے سے اس کی راست گوئی یا دروغ گوئی کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں تبدیل کر دیا اور دوسرے سازشیوں کو جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد سیدی مولہؒ کو باندھ کر بادشاہ کے قریب لائے۔ بادشاہ نے ان سے متعدد سوالات کئے اور ہر ایک کا معقول جواب پایا۔ جب بادشاہ سیدی مولہؒ کو مجرم ثابت کرنے میں عاجز ہو گیا تو اس نے شیخ ابو بکر طوسی کو جو حیدری فقیروں کا پیر تھا اور اپنے بہت سے درویشوں کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔ قریب بلایا اور کہا کہ "اے درویشان! دادِ من ایں مولہؒ بستانید۔"

یہ سن کر سنجری (یا بحری) نامی ایک ایک درویش نے آگے بڑھ کر سیدی مولہؒ کو استرے سے مجروح کر دیا۔ سوئیاں چبھوئیں اور زبردستی ڈاڑھی مونڈ ڈالی۔ اتنے میں بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلی خاں نے جو اپنے بڑے بھائی خان خاناں کی عداوت کی وجہ سے سیدی مولہؒ سے بھی عناد رکھتا تھا۔ ایک فیل بان کو اشارہ کیا اس نے اپنا ہاتھی مظلوم اور بے کس سیدی مولہؒ پر دھکیل دیا۔ اور وہ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلے گئے۔ شہادت سے کچھ مدت پہلے اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے ؎

در مطبخ عشق جز نکو را نکشند — لاغر صفتان زشت خو را نکشند

در عاشق صادقی ز کشتن مگریز — مردار بود ہر آں کہ او را نکشند

"تاریخ فیروز شاہی کے مصنف مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ سیدی مولہؒ کے قتل کے دن میں دہلی میں تھا۔ اس دن ایسی سیاہ آندھی آئی کہ جہان تاریک ہو گیا اس سال دہلی اور اس کے قرب وجوار میں بارش کی کمی کی وجہ سے ہولناک قحط پڑا۔ ہزاروں آدمیوں نے بھوک سے تنگ آکر دریائے جمنا میں کود کر جان دیدی اور پھر پے در پے ایسے قضیہ نامرضیہ پیش آئے کہ پانچ ہی برس کے بعد بادشاہ کا خاتمہ دردناک طریقے سے ہو گیا۔"

کہتے ہیں کہ سیدی مولہؒ کو قتل کرنے کے بعد بادشاہ بہت پچھتایا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مظلوم درویش کا قتل اسے اور اس کی حکومت کو لے ڈوبا۔ حالات کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ سلطان جلال الدین خلجی جیسا بادشاہ جو نہایت رحم دل اور فقیر دوست تھا۔ سیدی مولہؒ جیسے منبع جود و سخا درویش کے ظالمانہ قتل کا باعث ہوا۔ اس واقعہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ سیدی مولہ حضرت بابا صاحبؒ کی نصیحت یاد نہ رکھ سکے کہ بادشاہوں اور متوسلینِ حکومت سے زیادہ اختلاط درویشوں کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے۔

انیسواں باب

خلفائے عظامؒ

حضرت بابا صاحبؒ نے اصلاح خلق کے لئے جو عظیم الشان جماعت تیار کی اس کا اجمالی تذکرہ اس کتاب کے گیارھویں باب میں آپ کی تبلیغی مساعی کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔ مختلف تذکروں کی روایات کے مطابق آپ کے خلفاء کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اللہ کے یہ مقدس بندے آپ سے تربیت پاکر ہند و پاکستان کے طول و عرض میں پھیل گئے تھے۔ اور پوری سرگرمی کے ساتھ اصلاح و تبلیغ میں سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ ان کی والہانہ جد و جہد اور جوش اخلاص کی بدولت اس برکوچک میں ایک عظیم انقلاب نے جنم لیا اور ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں۔ آستانۂ فریدی کے تربیت یافتہ خلفاء میں سے چند کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) شیخ جمال الدین ہانسویؒ (۲) شیخ نجیب الدین متوکلؒ (۳) خواجہ بدر الدین اسحاقؒ (۴) سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ (۵) مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیریؒ (۶) شیخ منتخب الدین زری زر بخشؒ (۷) امام علی الحق سیالکوٹیؒ (۸) شیخ زکریا سندھیؒ (۹) شیخ دھارو خادمؒ (۱۰) شیخ علی شکر ریزؒ (۱۱) شیخ جمال کابلیؒ (۱۲) شیخ دھنیؒ (۱۳) شیخ علی شکر بارانؒ (۱۴) شیخ محمد سراجؒ (۱۵) شیخ زین الدین دمشقیؒ (۱۶) شیخ شہاب الدینؒ (۱۷) شیخ بدر الدینؒ (۱۸) شیخ یعقوبؒ (۱۹) شیخ نظام الدینؒ (۲۰) شیخ برہان الدینؒ محمود (۲۱) شیخ محمد نیشاپوریؒ (۲۲) شیخ محمد بن سید محمود کرمانیؒ (۲۳) شیخ حمید الدین مکانیؒ (۲۴) شیخ شہاب الدین ملجیؒ (۲۵) شیخ برہان الدین ہانسویؒ۔

اس کتاب میں حضرت بابا صاحبؒ کے تمام خلفائے کرام کے حالات درج کرنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم اوپر کی فہرست کے پہلے سات خلفائے عظام کے مختصر حالات بطور تبرک پیش خدمت ہیں۔ ان میں سے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے سلسلۂ نظامیہ۔ مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیریؒ سے سلسلۂ صابریہ اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے سلسلۂ جمالیہ جاری ہوا۔ بعد میں سلسلۂ جمالیہ سلسلۂ نظامیہ میں مدغم ہو گیا۔

حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ

(۱)

حسب و نسب

حضرت شیخ جمال الدین ہانسی کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت سیدنا سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ سے ملتا ہے۔ تاریخ ولادت کسی تذکرہ میں درج نہیں ہے۔ حصولِ علم کے لئے آپ کو جن مراحل سے گذرنا پڑا ان کی تفصیل بھی تذکروں میں نہیں ملتی۔ البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ آپ علومِ ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔

(۲)

بیعت اور خدمتِ مرشد

جب حضرت باباصاحبؒ ہانسی تشریف لائے تو آپ کی کشش شیخ جمال الدینؒ کو بے اختیار آپ کی خدمت میں کھینچ لائی۔ اپنی والہانہ خدمت اور خلوص کی بدولت وہ بہت جلد حضرت باباصاحبؒ کے منظورِ نظر بن گئے۔ کہتے ہیں کہ دہلی سے واپس ہوکر باباصاحبؒ نے محض شیخ جمال الدینؒ کی خاطر بارہ برس تک ہانسی میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہیں شیخ جمالؒ آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ جب باباصاحبؒ اجودھن تشریف لے گئے۔ تو شیخ جمالؒ بھی اجودھن پہنچ کر آستانۂ فریدی کے درویش بن گئے اور ایک طویل مدت تک مرشدِ گرامی کی والہانہ خدمت کرتے رہے۔ خانقاہِ فریدی کے تمام درویشوں نے کوئی نہ کوئی کام اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ شیخ جمال الدینؒ کے سپرد لنگر کے لئے جنگل سے ڈیلہ (ایک قسم کا جنگلی پھل) لانے کی خدمت تھی۔ آپ اس کام کو نہایت مستعدی سے سرانجام دیتے تھے۔ مرشد گرامی آپ پر اس قدر

قدر مہربان تھے کہ فرمایا کرتے "جمال الدین جمالِ ماست"، کبھی فرماتے "جمال می خواہم کہ گرد سر تو بگردم"۔

(۳)

ایک عجیب روایت "سیر الاقطاب" میں حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے بارے میں ایک عجیب روایت درج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریاؒ نے حضرت بابا صاحبؒ سے کئی بار شیخ جمال الدینؒ کو مانگا لیکن بابا صاحبؒ ہر بار یہی جواب دیتے کہ "جمال الدین جمالِ ماست و کسے شخص جمال خویش بہ دیگرے نمی دہد" آخر خواجہ بہاؤ الدین زکریاؒ نے اپنے جذب باطنی سے شیخ جمال الدینؒ کو اپنی طرف کھینچا۔ شیخ صاحبؒ کے دل میں اضطراب پیدا ہو گیا اور انھوں نے بار بار مرشد گرامیؒ سے خواجہ بہاؤ الدین زکریاؒ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔ بابا صاحبؒ کو ان کا اصرار ناگوار گذرا اور ایک دن حالتِ جلال میں شیخ جمال الدینؒ سے فرمایا "برو روئے خود سیاہ کن" آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہی شیخ جمال الدینؒ کا جمالِ صورت اور کمالاتِ باطنی سلب ہو گئے۔ اور وہ خانقاہِ فریدی سے نکل کر دیوانہ وار دشت نوردی کرنے لگے۔ مرشدِ گرامی کی ناخوشی ان کے لئے سوہانِ روح بن گئی تھی۔ ہر وقت روتے تھے توبہ کرتے تھے اور مرشد کو یاد کرتے تھے۔ حالتِ جذب و جنون میں کبھی جسم کے کپڑے پھاڑ ڈالتے اور کبھی سر پر خاک ڈالتے۔ اسی حالت میں ایک سال گذر گیا۔ ایک دن شیخ عالم نامی ایک سوداگر کا قافلہ اس جنگل سے گذرا۔ جہاں شیخ جمال الدینؒ پریشان حال پھر رہے تھے۔ شیخ عالم حضرت بابا صاحبؒ کا عقیدت مند تھا اس نے شیخ جمال الدینؒ کو پہچان لیا اور ان کے حال پر نہایت تعجب اور افسوس کا اظہار کیا۔ شیخ جمالؒ "ہائے فرید" کا نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ چند ساعت بعد ہوش آیا تو شیخ عالم سے التجا کی کہ دربار فریدی میں پہنچو تو میری طرف سے اتنا عرض کر دینا ؎

حضرتِ گنج شکر قطبِ زماں قطبِ زمیں
چشمِ رحمت بکشا جانبِ درویش بہ بیں

شیخ عالم نے حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر رقت انگیز پیرائے میں شیخ جمال الدینؒ کا حال بیان کیا اور ان کے لئے عفو کی التجا کی۔ آپ کو رحم آ گیا اور یہ رباعی ایک رقعہ میں تحریر کر کے شیخ عالم کے حوالے کی کہ جمال الدین کو پہنچا دو ؎

رو گرد جہاں بگرد و پا آبلہ کن   گر ہیچ منی یابی و ما را گلہ کن

یک صبح باخلاص بیا بر درِ ما　　گر کار تو بر نیاید آنگاه گلہ کن

شیخ جمال الدینؒ کو یہ رقعہ پہنچا تو فرطِ مسرت سے بے خود ہوگئے اسے بار بار چومتے اور آنکھوں سے لگاتے تھے۔ اسی وقت اجودھن کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ مرشد گرامیؒ کی خدمت میں پہنچ کر ان کے قدموں پر گر پڑے۔ اور اس قدر روئے کہ گھگی بندھ گئی۔ بابا صاحبؒ نے سینے سے لگا لیا۔ اور تمام سلب کردہ کمالات واپس عطا کر دیئے[۱]۔ اس کے بعد شیخ جمال الدینؒ نے اس ذوق و شوق سے مرشد کی خدمت کی کہ پہلے سے بھی زیادہ حضرت بابا صاحبؒ کے محبوب ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت بابا صاحبؒ نے شیخ جمال الدینؒ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور قطب ہانسی کا خطاب دیکر ہانسی جانے کا حکم دیا۔ ارشادِ مرشد کی تعمیل میں شیخ جمال الدینؒ ہانسی تشریف لائے اور ساری عمر اسی جگہ مقیم رہ کر اصلاحِ خلق میں مشغول رہے۔

(۴)

مصدّقِ خلافت

حضرت بابا صاحبؒ کے تمام مریدوں اور خلفاء میں حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو یہ عظیم الشان اعزاز حاصل ہوا کہ آپ مرشدِ گرامی کی طرف سے "خلافتِ فریدی" کے مصدق مقرر کئے گئے۔ چنانچہ جس مرید کو حضرت بابا صاحبؒ سندِ خلافت عطا فرماتے اسے حکم دیتے کہ جب تک اس سندِ خلافت کی تصدیق و توثیق شیخ جمال الدین ہانسویؒ نہیں کریں گے یہ مؤثر نہ ہوگی۔ اگر کبھی شیخ جمال الدین کسی سند کی تصدیق نہ کرتے اور صاحبِ سند بابا صاحبؒ کے پاس فریاد کرتے تو آپ فرماتے

"پارہ کردہ جمال الدین را فرید نتواں دوخت"

حضرت بابا صاحبؒ کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ آپ سندِ خلافت کی تجدید کرنے سے عاجز تھے فی الحقیقت آپ کے ارشاد کا مطلب تھا کہ جمال الدین میرا محب صادق اور محبوب ہے اور اس کی پسند اور ناپسند میری پسند اور ناپسند ہے۔ "سیر الاقطاب" اور "خزینۃ الاصفیا" میں روایت ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے اپنے بھانجے مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیریؒ کو سندِ خلافت عطا کر کے دہلی جانے کا حکم دیا تو ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ پہلے ہانسی جا کر شیخ جمال الدینؒ سے اپنی سند کی تصدیق کرا لو۔ مخدوم علاؤ الدینؒ بڑے صاحبِ جلال بزرگ تھے۔ ہانسی پہنچ کر شیخ جمال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رات کا وقت تھا۔ حجرے کا چراغ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے بجھ گیا۔ مخدوم علاؤ الدینؒ نے اپنی انگلی

---

[۱] بعض اصحاب کے نزدیک یہ روایت پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہے اور قابلِ تسلیم نہیں۔

کھڑی کی اندر وہ چراغ کی طرح روشنی دینے لگی شیخ جلال الدینؒ کو ان کا اظہارِ کرامت پسند نہ آیا۔ اور انھوں نے مخدوم علاؤالدین کی سندِ خلافت چاک کر دی[1]۔ مخدوم علاؤالدینؒ نے حالتِ جلال میں فرمایا "آپ نے میری سند چاک کی میں نے آپ کا سلسلہ چاک کر دیا" یہ کہکر حضرت صابرؒ واپس باباصاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا کہ "تیر پہلوانانِ دیں خطائی رود" یہ بتاؤ کہ تم نے جمال الدین کا سلسلہ کس طرف سے چاک کیا۔ مخدوم صابرؒ نے جواب دیا "اول سے" باباصاحبؒ نے فرمایا "یہ بھی اچھا ہوا اللہ تعالیٰ کچھ مدت بعد تمہارے ایک مرید کی دعا سے جمال الدین کا سلسلہ درست کر دے گا تمہیں میں نئی سند لکھ دیتا ہوں"۔

اسی طرح روایت ہے کہ حضرت باباصاحبؒ نے اپنے خلیفۂ اعظم سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو سندِ خلافت عطا کر کے فرمایا کہ شیخ جمال الدین سے اپنی سند کی تصدیق کرا کر دہلی میں سکونت اختیار کرو۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ شیخ جمال الدین کی خدمت میں ہانسی پہنچے تو وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے سندِ خلافت کی تصدیق کی اور اس پر اپنی طرف سے یہ شعر درج کیا ؎

ہزاراں درود و ہزاراں سپاس[2]
کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

(۵)

ایک عظیم کرامت

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ لیکن اظہارِ کرامت سے حتی الوسع مجتنب رہتے۔ "جواہرِ فریدی" میں آپ کی ایک عظیم کرامت کا حال درج ہے۔ ایک دفعہ شیخ جمال الدینؒ، خواجہ شمس الدین دبیرؒ اور کچھ دوسرے احباب کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ اثنائے سفر ایک گاؤں میں پہنچے وہاں کے حاکم نے نہایت خوشدلی سے ان کا استقبال کیا اور بہت خاطر تواضع کی۔ ان ایام میں اس علاقہ میں سخت خشک سالی تھی اور مدت سے لوگ بارش کو ترس رہے تھے۔ شیخ جمال الدینؒ حاکم کی میزبانی سے بہت مسرور ہوئے اور دوسرے دن اس سے رخصت چاہی۔

---

[1] "اقتباس الانوار" میں ہے کہ سند چاک کرتے وقت شیخ جمال الدینؒ نے یہ الفاظ کہے "چندیں سرعت چیست۔ صاحبِ ولایت دہلی را ہمہ باری باید و شما طاقت نشستن یک ساعت ندارید۔ ایں کار چہ طور پیش خواہد رفتن"۔

[2] بعض جگہ یہ مصرعہ اس طرح درج ہے۔ خدائے جہاں را ہزاراں سپاس

حاکم نے استدعا کی کہ بارگاہ رب العزت میں بارش کے لئے دعا فرمایئے۔ شیخ جمال الدینؒ اس کی استدعا سن کر خاموش ہوگئے اور دل ہی دل میں بارش کے لئے دعا کی چند لمحوں کے اندر آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھاگئیں۔ اور اس قدر بارش ہوئی کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ وہاں کے لوگ اس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے ہر ایک مہمان کی خدمت میں ایک ایک گھوڑا مع سازو سامان نذر کیا۔

(۶)

وصال حضرت جمال الدینؒ نے ۶۵۹ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جواہر فریدی میں ہے کہ شیخ قطب الدین منور نواسۂ شیخ جمال الدینؒ نے جس دن سے یہ حدیث پاک سنی کہ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفرات النیران (یعنی قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں سے یا ایک گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں سے) تو بہت رنجیدہ رہتے تھے اور ہر وقت عذاب قبر کے خوف سے بیقرار رہتے تھے۔ وصال کے بعد لوگوں نے قبر پر گنبد تعمیر کرنا چاہا۔ اس مقصد کیلئے زمین کھودی تو ایک جگہ سے لحد ننگی ہوگئی۔ وہاں سے بہشتی خوشبو کی لپٹیں آرہی تھی۔ لوگوں نے اس جگہ کو بند کردیا اور گنبد کی تعمیر بھی روک دی۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ میں نے شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو وصال کے بعد خواب میں دیکھا فرماتے تھے کہ میں ہمیشہ نماز مغرب کی سنتوں کے ساتھ صلوٰۃ الروح اور فرضوں کے متصل آیۃ الکرسی پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی عمل کے سبب بخشدیا۔ (جواہر فریدی)

حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ

(۱)

حسب ونسب حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ، حضرت باباصاحبؒ کے برادرِ حقیقی تھے جس سے نسب ظاہر ہے۔

(۲)

علوِ مرتبت شیخ متوکلؒ حضرت باباصاحبؒ کے مرید تھے اور خرقۂ خلافت بھی انہی سے حاصل کیا تھا۔ علومِ ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ شیخ جمالیؒ نے "سیر العارفین" میں ان کی شان میں یہ اشعار لکھے ہیں۔

آں شہنشاہ مملکتِ تجرید — حامی از خویش باقی از تفرید
رہبر داور خدا جویاں — از توکل براہِ حق پویاں
راہ عرفان خار وخس رفتہ — گوہر معرفت بجاں سفتہ
باطن از حق تمام نور شدہ — ظاہر از شرع پر سرور شدہ
پاک دین پاک ذات پاک خصال — گشتہ از جام حق مالا مال
کردہ روشن تمام روئے زمین — آفتاب جہاں نجیب الدین

چوں جمالے از صفا دریافت
متوکل براہِ حق بشناخت

(۳)

دہلی میں قیام

حضرت بابا صاحبؒ سے خرقۂ خلافت پانے کے بعد شیخ نجیب الدین متوکلؒ مرشدِ گرامیؒ کے حکم کے مطابق دہلی آکر قیام پذیر ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کی بیعت نہیں کی تھی۔ دہلی پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر شیخ متوکلؒ کے کمالات کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور ہزارہا لوگ آپ کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے لگے۔ شیخ متوکلؒ عبادت و ریاضت میں کمال انہماک رکھتے تھے۔ اور بالعموم ایک بند حجرہ میں عبادتِ حق میں مشغول رہتے تھے۔ استغراق کا یہ عالم تھا کہ انھیں مہینہ، دن اور شہر میں غلہ کے نرخ کی خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ امیر اور غریب سب ان کے نزدیک یکساں تھے۔ ممکن نہ تھا کہ وہ کسی امیر سے امتیازی سلوک کریں۔ عوام میں وہ شیخ نجیب الدین شیر سوار کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ شیخ نورالدین محمد غزنویؒ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ شیخ فریدالدینؒ کے بھائی ہیں۔ شیخ متوکل نے جواب دیا کہ برادر صوری تو ہوں۔ برادر معنوی کون ہے؟ اس کی حقیقت خدا جانے پھر شیخ نورالدین نے پوچھا "شیخ نجیب الدین متوکلؒ لوگ آپ کو کہتے ہیں" جواب دیا "نجیب الدین تو میں ہوں۔ متوکل کون ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے اکثر شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کی زبانی بابا صاحبؒ کے حالات و کمالات سن کر غائبانہ بابا صاحبؒ کے عقیدت مند ہو گئے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی صحبت کی بدولت اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

(۴)

زہد و قناعت

"جواہر فریدی" میں شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ سے منقول ہے کہ ایک بار عید کا دن تھا۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ بھی عیدگاہ میں تشریف لائے لوگ ہر طرف سے آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ خراسان کے کچھ قلندر بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے شیخ متوکلؒ کا اس قدر احترام ہوتے دیکھا تو دل میں ٹھان لی کہ آج اس بزرگ ہستی کے مہمان بنیں گے۔ چنانچہ نماز عید کے بعد وہ شیخ متوکلؒ کے مکان پر گئے اور آپ کے

ہاں ٹھہرنے کی خواہش کی۔حضرت شیخ نے فرمایا "مرحبا۔خوش آمدید" انھیں جماعت خانہ میں بٹھایا اور گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ زوجۂ محترمہ سے کہا کہ کچھ درویش آج ہمارے مہمان ہیں ان کے طعام کا انتظام کرو۔ زوجہ نے عرض کی کہ گھر کا حال آپ پر روشن ہے آج دو دن سے ہم سب فاقے سے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر کوئی چادر یا سرپوش ہو تو وہی دے دو تاکہ بازار میں فروخت کر کے مہمان کے لئے کھانا مہیا کروں۔ نیک بخت بیوی نے فوراً اپنا سرپوش (دوپٹہ) آپ کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن اس میں بیشمار پیوند لگے ہوئے تھے اور اس قابل نہ تھا کہ فروخت ہو سکے۔ مجبوراً شیخ متوکلؒ نے پانی کا کوزہ اٹھایا اور باہر آکر مہمانوں سے فرمایا "درویشو ہمیں معذور جانو کہ ماحضر یہی ہے۔" درویش اہلِ دل تھے۔ انھوں نے اس پانی کو متبرک سمجھا اور اسے پی کر حضرت کے پاؤں چومے۔ حضرت شیخ اپنے حجرہ کے اندر جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ دل میں خیال آیا کہ آج عید کا دن کیسا گزرا کہ بچوں پر دو دن کا فاقہ ہے اور مہمانوں کو کھانا کھلانے کی توفیق بھی نہیں ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ نورانی صورت کے ایک بزرگ حجرہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ باہر آؤ۔ شیخ متوکلؒ باہر آئے تو دیکھا کہ صحن خانہ میں ایک خوان کھانے کا رکھا ہے۔ اور وہ بزرگ کہیں نظر نہیں آتے۔ سمجھ گئے کہ یہ عطیۂ خداوندی ہے۔ چنانچہ یہ کھانا مہمانوں کو کھلایا اور خود بھی اہل و عیال سمیت کھایا۔

(۵)

وصال | شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے دہلی میں وفات پائی۔ تاریخ وصال کسی تذکرہ میں درج نہیں ہے۔ مزارِ مبارک دہلی میں مرجعِ خلائق ہے۔

(۶)

اولاد | شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے تین فرزند تھے۔ شیخ اسماعیلؒ۔ شیخ احمدؒ اور شیخ محمدؒ۔ ان کی اولاد ہند و پاکستان کے متفرق شہروں میں پائی جاتی ہے۔

حضرت خواجہ بدرالدین اسحاقؒ

(۱)

نام ونسب نام بدرالدین اسحاق ہے سلسلۂ نسب پندرہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ تک پہنچتا ہے۔ جو اس طرح ہے۔

خواجہ بدرالدین اسحاقؒ بن خواجہ علیؒ بن خواجہ اسحاقؒ بن سید معین الدین (منہاج الدینؒ) بن سید احمدؒ بن سید محمودؒ بن سید احمدؒ بن سید محمدؒ بن سید فتح الدینؒ بن سید جلال الدینؒ بن سید صدرالدینؒ بن سید قطب الدینؒ بن سید زکریاؒ بن سید عمرؒ بن حضرت امام زین العابدینؓ بن حضرت امام حسینؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہٗ۔

کافی عرصہ سے آبا واجداد دہلی آکر مقیم ہو گئے تھے۔

(۲)

تحصیل علم اور بیعت خواجہ بدرالدین اسحاقؒ نے دہلی کے نامور علماء سے تعلیم حاصل کی اور تھوڑی ہی مدت میں ہر قسم کے علوم پر حاوی ہو گئے۔ ایک دفعہ ایک پیچیدہ علمی مسئلہ کے حل میں اشکل پیش آئی۔ علمائے دہلی اسے حل کرنے سے قاصر رہے۔ خواجہ اسحاقؒ اجودھن پہنچے حضرت بابا صاحبؒ نے باتوں ہی باتوں میں اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ (اس واقعہ کی تفصیل ایک دوسری جگہ بیان کی جا چکی ہے) خواجہ اسحاقؒ دل وجان سے بابا صاحبؒ کے معتقد ہو گئے۔ اسی وقت آپ کی بیعت کی اور اپنے آپ کو ہمہ تن مرشد گرامی کی خدمت کے لئے

وقف کر دیا۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ "مولانا بدر الدین اسحاقؒ نے حضرت باباصاحبؒ کی اس طرح خدمت کی کہ خدمت کا حق ادا کر دیا" وہ سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت مرشد کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا تھا کہ وہ مرشد کی خدمت پر کمربستہ نہ ہوں۔ خانقاہ فریدی کے درویشوں میں ان کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ جنگل میں جاکر لنگر خانہ کے لئے ایندھن لائیں۔ مرشد کی خوشنودی کے لئے سالہا سال تک اس خدمت کو نہایت جاں فشانی سے سرانجام دیتے رہے۔

(۳)

شرفِ عظیم خواجہ بدر الدین اسحاقؒ نے اپنی بے مثال خدمت کی بدولت مرشد کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ حضرت باباصاحبؒ انھیں اس قدر عزیز جانتے تھے کہ اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ کا نکاح ان سے کر دیا تھا اور اس طرح انھیں اپنے گھر کا فرد بنالیا تھا۔ حضرت باباصاحبؒ سے اس تعلق کی بنا پر خانقاہ فریدی کے تمام درویش خواجہ اسحاقؒ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ بالخصوص سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو تو ان سے بے پناہ محبت تھی کبھی کبھی حضرت باباصاحبؒ خواجہ اسحاقؒ پر عجیب طریقے سے اظہار شفقت فرماتے وہ یوں کہ بیعت کے خواہشمندوں کو کہہ دیتے کہ اپنا دستِ بیعت خواجہ اسحاقؒ کے ہاتھ میں دے دو کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔

(۴)

رقتِ قلب خواجہ بدر الدین اسحاقؒ بے حد رقیق القلب تھے اور ان پر ہر وقت خشیتِ الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو کبھی تھمتے ہی نہ تھے۔

س۔ اے ز عشقت خانۂ عقلم خراب مردم چشم ز گریہ غرق آب

جواہر فریدی میں ہے کہ کثرتِ گریہ سے خواجہ اسحاقؒ کی دونوں آنکھوں میں گل پڑ گئے تھے۔ سید محمد مبارک کرمانیؒ کی بہن نے ایک دفعہ خواجہ اسحاقؒ سے کہا کہ اے بھائی اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے آنسو بہانا بند کر دیں تو میں آپ کی آنکھوں کا علاج کروں۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اے بہن آنسو میرے اختیار میں نہیں ہیں۔

(۵)

دو کرامات تذکروں میں خواجہ بدر الدین اسحاقؒ کی متعدد کرامات درج ہیں ان میں سے دو یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) ایک دفعہ خواجہ اسحاقؒ لنگرخانہ کے لئے ایندھن لانے کے لئے جنگل گئے تو حضرت باباصاحبؒ کے دو نو عمر صاحبزادے بھی آپ کے ہمراہ ہولئے۔ ناگہاں جنگل سے ایک شیر نمودار ہوا۔ صاحبزادے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ خواجہ اسحاقؒ نے اپنی آستین اس شیر کے منہ پر ماری اور فرمایا "اے سگ یہاں سے دور ہوجا"۔ شیر نے اپنا سر زمین پر رکھا اور پھر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

(۲) ملک شرف الدین حاکم دیپالپور خواجہ بدرالدین اسحاقؒ کی وساطت سے حضرت باباصاحبؒ کا مرید ہوا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ کا عتاب ملک شرف الدین پر نازل ہوا اور شاہی پیادے اسے گرفتار کرکے دیپالپور سے لے چلے۔ اس نے خواجہ اسحاقؒ کے نام ایک رقعہ لکھا جس میں اپنی مصیبت کا حال بیان کیا اور اپنے ایک خادم کو دے کر کہا کہ یہ خواجہ اسحاقؒ کی خدمت میں پہنچا دینا اور آجکل خربوزوں کا موسم ہے کچھ خربوزے بھی خواجہ صاحبؒ کی نذر کے لئے لیتے جانا۔ خادم نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ خواجہ صاحبؒ نے رقعہ پڑھا اور پھر اجودھن کے قاضی صدرالدین سے جو وہاں موجود تھے فرمایا کہ حاضرین مجلس میں خربوزے تقسیم کرو۔ انھوں نے خربوزے تقسیم کرنے شروع کئے تو فرمایا شرف الدین کا حصہ بھی نکالو۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کی۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنی دستار مبارک اتاری اور اس پر ملک شرف الدین کے حصے کا خربوزہ رکھ کر فرمایا "جب تک شرف الدین نہیں آئے گا ہم خربوزہ نہیں کھائیں گے"۔ تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ ملک شرف الدین آکر قدم بوس ہوا اور کہا "مجھے شاہی پیادے گرفتار کرکے لے جارہے تھے کہ راستہ میں بادشاہ کا حکم پہنچا کہ ملک شرف الدین بے قصور ہے اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ میں رہا ہوکر سیدھا یہاں آرہا ہوں"۔

(۶)

وصال تاریخ وصال تذکروں میں درج نہیں ہے۔ حضرت باباصاحبؒ کے وصال کے چند سال بعد رحلت فرمائی۔ چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں رحمت حق سے جا ملے۔ مزار مسجد قدیم اجودھن (پاک پٹن) میں ہے۔

(۷)

اولاد سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے آپ کے دو فرزند خواجہ محمدؒ اور خواجہ موسیٰؒ تھے۔ آپ کے وصال کے بعد محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے انھیں دہلی بلالیا۔ اور اپنے سایۂ عاطفت میں ان کی پرورش اور تعلیم کا انتظام کیا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی اولادمیں

بڑی برکت دی۔

(۸)

تصانیف خواجہ بدرالدین اسحاقؒ کی یادگار ان کی دو تصانیف ہیں۔ ایک علمِ صَرف کی کتاب ہے جو نظم میں ہے۔ دوسری اسرار الاولیاء ہے جس میں حضرت باباصاحبؒ کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہی

(۱)

نام و نسب اسمِ گرامی مُحمّدؔ تھا۔ دادا سید علیؒ اور نانا سید عربؒ ہم جد تھے۔ اس لئے نجیب الطرفین سید تھے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبد اللہ غلمی بن سید حسن غلمی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقیؓ بن امام محمد تقیؓ بن امام علی رضاؓ بن امام موسیٰ کاظمؓ بن امام جعفر صادقؓ بن امام محمد باقرؓ بن امام علی زین العابدینؓ بن سید الشہداء امام حسینؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔

(۲)

القاب و علوِ مرتبت تذکرہ نگاروں نے آپ کو بے شمار عظیم الشان القاب سے یاد کیا ہے ان میں محبوب الٰہی سلطان المشائخ۔ نظام الدین اولیاء اور سلطان الاولیاء مشہور القاب ہیں۔

فرشتہ نے اپنی تاریخ میں آپ کی شان میں یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

شہنشاہِ اورنگ عرفانِ حق — دلش صدر دیوانِ ایوانِ حق

ملک بردہ دریوزہ از شانِ او — فلک کاسۂ سبز در خوانِ او

قدم راندہ زاں گو نہ در راہ فقر | کہ شد شاہ اورنگ درگاہ فقر
بباطن ز تکوین اطوار محو | بظاہر ز تمکین نگہدار سہو
دلش ساکن ملک ذات صفات | زہے پاک دین و زہے نیک ذات
نظام الحق آں شیخ علی مقام | کز و کار ارباب دیں شد تمام

(۳)

ولادت اور ابتدائی عمر

آپ کے آباؤ اجداد سلطان شمس الدین التمش کے ابتدائی عہد حکومت میں بخارا سے ہجرت کرکے لاہور وارد ہوئے اور پھر وہاں سے نقل مکان کرکے بدایوں میں آباد ہوگئے۔ بدایوں اس وقت علماء و صلحاء کا مسکن ہونے کی وجہ سے "قبۃ الاسلام" کہلاتا تھا یہیں آپ کے والد ماجد سید احمدؒ اور والدہ بی بی زلیخاؒ کا عقد ہوا اور اسی شہر میں ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی بعض تذکروں میں آپ کا سال ولادت ۶۳۶ھ اور ۶۳۴ھ بھی درج ہے۔

پانچ سال کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا۔ والدہ بی بی زلیخاؒ بڑی جلیل القدر خاتون تھیں۔ اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے حضرت رابعہ بصریؒ کی مثیل تھیں۔ سرتاج کی وفات کے بعد انھوں نے نہایت صبر اور حوصلہ سے کام لیا اور سوت کات کات کر اپنے لختِ جگر کی پرورش کرنے لگیں۔ عسرت کے ان دنوں میں کبھی کبھی ماں بیٹوں پر فاقہ آجاتا۔ اس دن بی بی زلیخاؒ فرزند سے فرماتیں "بابا محمد آج ہم لوگ خدا کے مہمان ہیں" شروع شروع میں نوعمر فرزند والدہ کے ارشاد کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ جب سمجھے تو اس میں لذت محسوس کرنے لگے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں کئی کئی دن فاقہ کے انتظار میں رہتا کہ اس دن والدہ صاحبہ مجھ سے فرمائیں "بابا محمد ہم لوگ آج خدا کے مہمان ہیں"

(۴)

تحصیل علم

بی بی زلیخاؒ نے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ اور ان کو تعلیم کیلئے بدایوں کے نامور عالم مولانا سید علاؤالدین اصولیؒ کے سپرد کیا۔ مولانا اصولیؒ نے نہایت توجہ اور محبت باطنی سے آپ کو تعلیم دی۔ چند سال بعد جب آپ فارغ التحصیل ہوگئے تو والدہ ماجدہ نے شہر کے علماء و مشائخ کو بلا کر جلسۂ دستار بندی منعقد فرمایا۔ بدایوں کے ایک صاحب کمال درویش حضرت علی مولا بدایونیؒ نے آپ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی اور دعا

دی کہ اللہ تعالیٰ تم کو علم کی وافر دولت عطا فرمائے۔ کہتے ہیں اسی مجلس میں بعض بزرگوں نے پیشین گوئی کی کہ اس لڑکے کا سر کسی انسان کے آگے نہیں جھکے گا۔ اس کے بعد آپ کا شمار بدایوں کے نامور علماء میں ہونے لگا۔ قرآن مجید بھی یہیں حفظ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ذہانت اور ذکاوت عطا کی تھی۔ بحث و مباحثہ میں کمال مہارت رکھتے تھے اس وجہ سے لوگوں میں نظام الدین بحاث یا محفل شکن مشہور ہو گئے تھے۔

کچھ عرصہ بعد مزید تعلیم کے لئے والدہ ماجدہ کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے ایک روایت کے مطابق اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی۔ دہلی میں آپ نے مولانا شمس الدین خوارزمیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا وہ اس دور کے سرآمد روزگار علماء میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت سلطان المشائخؒ پر خاص نظرِ عنایت مبذول کی اور آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں سے سندِ فضیلت حاصل کر لی بعض روایات کے مطابق آپ نے دہلی میں مولانا کمال الدین زاہدؒ سے بھی استفاضہ کیا اور ان سے مشارق الانوار کا درس لیا۔

(۵)

والدہ کی وفات جن دنوں حضرت سلطان المشائخ دہلی میں تحصیلِ علم میں مشغول تھے۔ آپ کو اپنی والدہ محترمہ کی وفات کا صدمۂ جانکاہ اٹھانا پڑا۔ وہ صاحب نسبت اور مستجاب الدعوات تھیں خشیت الٰہی کے غلبہ سے ہر وقت روتی رہتیں۔ وفات سے چند دن پہلے کھانا پینا چھوٹ گیا اور انھیں معلوم ہو گیا کہ اب خالقِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آیا ہی چاہتا ہے۔ سلطان المشائخ جمادی الثانی کا چاند دیکھ کر سلام کے لئے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے اختیار منہ سے نکل گیا "میرے بچے آئندہ مہینہ کس کے سلام کو آؤ گے اور کس سے دعائیں لو گے"۔ سلطان المشائخ بیتاب ہو گئے اور رو کر کہا کہ اماں جان ہم آپ کے بغیر کیسے جئیں گے۔ والدہ نے تسلی دی اور فرمایا کہ اس وقت جا کر سو رہو اور صبح آنا۔ سلطان المشائخؒ نے رات نہایت بے چینی سے گذاری۔ علی الصبح والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے آپ کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا "الٰہی یہ بے کس یتیم اب تیرے حوالے ہے" یہ کہا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی بی بی زلیخاؒ کا مزار نواح دہلی میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔

(۶)

بیعت اور خدمتِ مرشد حضرت سلطان المشائخؒ جن ایام میں بدایوں میں پڑھ رہے تھے دیا

ایک دفعہ ابوبکر قوال کی زبانی حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے کمالات کا حال سنا۔اسی وقت آپ کے دل میں حضرت باباصاحبؒ کی محبت اور کشش پیدا ہوگئی۔کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لے گئے تو حضرت باباصاحبؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا پڑوس ملا۔ان کی صحبت میں باباصاحبؒ سے عقیدت اور بڑھ گئی۔ایک دن جامع مسجد دہلی میں ایک خوش الحان قاری سے یہ آیت سنی۔

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ

(کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ایمان لانے والوں کے دل ذکر الٰہی کے آگے جھک جائیں)

یہ آیت سن کر بے قرار ہوگئے اور اسی وقت اجودھن کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ایک روایت میں ہے کہ اجودھن جانے سے پہلے ایک رات آپ کو رسول اکرمؐ کی زیارت نصیب ہوئی اور حضورؐ نے حکم دیا کہ اجودھن جاؤ۔چنانچہ اجودھن پہنچے تو حضرت باباصاحبؒ نے دیکھتے ہی فرمایا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

اسی وقت حضرتؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔اس کے بعد ایک عرصہ تک مرشد گرامیؒ کی والہانہ خدمت کی۔خانقاہ فریدی میں آپ کے ذمہ ہنڈیا پکانے کی خدمت تھی۔حضرت باباصاحبؒ سے آپ نے نہ صرف علوم باطنی بلکہ علوم ظاہری بھی حاصل کئے۔عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی آپ نے باباصاحبؒ سے ہی پڑھی۔جب آپ کی تربیت پوری ہوگئی تو حضرت باباصاحبؒ نے سند خلافت عطا کی اور دہلی جانے کا حکم دیا۔ارشاد مرشد کی تعمیل میں پہلے ہانسی گئے اور شیخ جمال الدین ہانویؒ سے سند خلافت کی تصدیق کرائی اور پھر دہلی جاکر اصلاح خلق میں مشغول ہوگئے۔اپنی زندگی میں آپ نے اجودھن کے دس سفر کئے۔تین مرشدؒ کی زندگی میں اور سات ان کے وصال کے بعد۔کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت باباصاحبؒ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ "مولائے کریم نظام الدینؒ کا ہر سوال پورا کیا کر" یہ دعا قبول ہوئی اور آپ نے "محبوب الٰہی" کے لقب سے شہرت پائی۔حضرت باباصاحبؒ کو آپ اس قدر عزیز تھے کہ انھوں نے وصال سے پہلے اپنا عصا اور خرقہ (جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے انھیں ملا تھا) خواجہ بدرالدین اسحاقؒ کے ہاتھ آپ کے پاس دہلی بھیج دیا۔گویا اپنے تمام خلفاء میں سے آپ کو اپنا جانشین روحانی منتخب فرمایا۔

(۷)

دہلی میں قیام

سند خلافت پانے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے تمام زندگی دہلی میں گذار دی۔صرف چند مواقع پر تھوڑے عرصہ کے لئے دہلی سے باہر تشریف لے گئے۔

شروع شروع میں دہلی پہنچ کر کسی مستقل جگہ قیام نہ کیا۔ متعدد جگہوں پر تھوڑے تھوڑے دن رہ کر مجاہدات و ریاضات کرتے رہے۔ جب شہر میں ہجوم خلائق بڑھا تو شہر سے باہر غیاث پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہی جگہ اب بستی نظام الدین اولیاؒ کہلاتی ہے۔

قیام غیاث پور کا ابتدائی زمانہ بڑی عسرت میں گذرا۔ کئی کئی دن کا فاقہ ہو جاتا۔ آپ کے دو مرید مولانا برہان الدین غریبؒ اور مولانا کمال الدین یعقوب پٹنیؒ بھی اس حال میں آپ کے شریک تھے۔ چند سال بعد مرشد گرامیؒ (حضرت بابا صاحبؒ) کی توجہ اور دعا سے فتوح کی وہ کثرت ہوئی کہ بادشاہوں کو بھی رشک آتا تھا۔ اس ضمن میں تذکروں میں کچھ اور روایات بھی درج ہیں۔ ایک دلچسپ روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہی اور آپ کے مریدوں پر چار دن کا فاقہ گذر گیا۔ پانچویں دن ایک بڑھیا کچھ آٹا لائی۔ شیخ کمال الدین یعقوبؒ نے اسے ایک ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اتفاق سے ایک گدڑی پوش فقیر آ پہنچا اور اس نے کھانا طلب کیا۔ محبوب الٰہی نے وہ ہنڈیا اُس کے سامنے رکھ دی کہ ما حضر تناول فرمایئے۔ درویش نے ہنڈیا سے چند گرم گرم لقمے منہ میں ڈالے اور پھر اسے یہ کہتے ہوئے زمین پر دے مارا۔

"شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت و من دیگ فقر ظاہری او بشکستم۔ حالا سلطان ظاہری و باطنی شد ی" اتنا کہہ کر یہ درویش وہاں سے غائب ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرتؒ کی ظاہری حالت میں یکسر انقلاب آ گیا جس خانقاہ میں کئی کئی دن چولھا گرم نہ ہوتا تھا۔ وہاں رات دن لنگر جاری رہتا تھا۔ اور باورچی خانہ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ ہزارہا لوگ نہ صرف لنگر سے مستفیض ہوتے بلکہ حضرتؒ سے بہت کچھ نقد بھی پاتے شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دولت کا ایک دریا ہے جو محبوب الٰہی کے دروازے کے آگے بہہ رہا ہے۔ صبح سے عشاء تک لوگ نذریں پیش کرتے رہتے لیکن ان سے زیادہ سائل آتے اور کوئی آپ کے در سے محروم نہ جاتا۔ غرض آپ کی ذات منبع جود و سخا بن گئی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا اثر و اقتدار عطا فرمایا کہ بادشاہانِ وقت بھی آپ سے خم کھاتے تھے۔ باوجود اس قدر فارغ البالی کے آپ نے اپنی درویشانہ وضع آخر دم تک ترک نہ کی۔ نہایت کثرت سے روزے رکھتے۔ لنگر میں مہمانوں کے لئے عمدہ سے عمدہ کھانے پکواتے لیکن خود نہایت معمولی اور قلیل غذا تناول فرماتے۔ خادموں کو سخت تاکید تھی کہ مال جمع نہ ہونے پائے۔ ہزاروں روپے روزانہ آتے تھے اور روزانہ خرچ ہو جاتے تھے۔ ہر جمعہ کو توشہ خانہ۔ مال اور غلہ سے بالکل خالی کرا دیتے تھے اور اس کے

بعد نماز جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے عبادات میں آپ کے شغف کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر صائم الدہر رہے اور دن رات میں کئی سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے۔ پنجگانہ نمازیں ہمیشہ باجماعت ادا کرتے اور تہجد، اشراق اور چاشت کی نمازوں کی نہایت التزام سے پابندی فرماتے۔ آپ کی خانقاہ میں ہر وقت قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونجتیں اور انوار الٰہی کی بارش ہوتی رہتی۔

فی الحقیقت آپ کی خانقاہ ایک عظیم الشان دینی یونیورسٹی بن گئی تھی۔ جہاں سے ہزاروں تشنگانِ علم اپنی علمی پیاس بجھاتے اور ہزاروں فساق و فجار تائب ہو کر ہدایت کی راہ پر گامزن ہو جاتے۔

مولانا ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ "سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی تبلیغی مساعی کی بدولت ہزاروں بے نماز نماز کے پابند ہو گئے۔ اور ہزاروں بدکار بدکاری سے تائب ہو کر احکامِ الٰہی کے سختی سے پابند ہو گئے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ کو دیکھ کر ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ ان کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی اور وہ کثرت سے عبادات میں مشغول رہنے لگے۔ آپ کا درِ کرم ہر ایک کے لئے کھلا ہوا تھا اس میں غریب و امیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، بادشاہ و فقیر کسی کی تمیز نہ تھی سب کو نیکی اور توبہ کی تلقین فرماتے۔ آپ کی برکات و فیوض کی بدولت شراب، دروغ گوئی، سود، جوا، کم تولنے اور آمیزش کرنے اور اس طرح کی دوسری برائیوں کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا۔ عوام الناس کا تمام رجحان دین کی طرف ہو گیا تھا۔ مسجدیں نمازیوں سے پُر رہتی تھیں۔ اور صوفیوں کی کثرت کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت مہنگے ہو گئے تھے۔ غرض حضرت محبوبِ الٰہیؒ اپنے دور کے جنیدؒ اور بایزیدؒ تھے۔"

(۸۰)

سلطان المشائخؒ اور سلاطین وقت

حضرت سلطان المشائخؒ کے عقیدت مندوں میں عوام، امراء، وزراء، درویش بھی شامل تھے لیکن آپ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ خود کبھی کسی امیر یا وزیر حتیٰ کہ کسی بادشاہ تک کے ہاں تشریف نہیں لے گئے۔ سلطان جلال الدین خلجی آپ سے ملاقات کا خواہشمند تھا لیکن آپ بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر اجودھن روانہ ہو گئے کیونکہ انھیں کسی بادشاہ کا تقرب پسند نہیں تھا۔ سلطان علاؤ الدین خلجی بھی آپ کا عقیدت مند تھا جب اس نے ورنگل پر فوج کشی کی تو محبوب الٰہیؒ نے فتح کی بشارت دی۔ اپنے ایک خادم کو سلطان نے ہدایت کر رکھی تھی کہ محفل سماع میں محبوب الٰہی کو جس شعر پر وجد آئے نوٹ کیا کرے چنانچہ بادشاہ برکت کے لئے وہ اشعار سنا کرتا تھا اور اس پر

عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی۔ اس کے دو فرزند خضر خان اور شادی خان حضرت محبوب الٰہی کے مخلص مریدوں میں شامل تھے۔ سلطان علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین خلجی خضر خان اور شادی خان کو قتل کر کے تخت نشین ہوا (۷۱۶ھ) اس کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے سوءِ ظن تھا چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آئندہ کوئی سرکاری ملازم سلطان المشائخؒ کے ہاں نہ جائے اور نہ ہی کوئی نذر آپ کو بھیجے۔ سلطان المشائخؒ کو بادشاہ کے حکم کا علم ہوا تو آپ نے خدام درگاہ سے فرمایا کہ آج سے خانقاہ کے اندر و باہر دو لنگر کر دو (یا لنگر کا خرچ دگنا کر دو) چنانچہ اس دن سے لنگر کا خرچ دگنا ہو گیا اور روزانہ سولہ سترہ ہزار آدمی آپ کے یہاں کھانا کھاتے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی تو پیچ و تاب کھا کر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے محبوب الٰہی کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن حضرتؒ نے معذوری کا اظہار فرمایا۔ بادشاہ کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی اس نے ایک تحریری حکم سلطان المشائخؒ کو ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے بھیجا۔ سلطان المشائخؒ نے فرمایا میں اپنے پیرانِ عظام کے طریقہ کے خلاف کوئی عمل نہ کروں گا دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے " خدا کی قدرت کہ مہینہ کی آخری رات کو محل کے اندر شورش ہوئی اور قطب الدین اپنے منظورِ نظر غلام خسرو خان کے ہاتھ سے مارا گیا۔

خسرو خان نے تخت نشین ہو کر سلطان المشائخؒ کی خدمت میں پانچ لاکھ ٹنکے بھیجے۔ آپ نے یہ رقم اسی وقت غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی۔ چار ماہ بعد سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خان کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا۔ اسے بھی سلطان المشائخؒ سے چشمک تھی چنانچہ اس نے محبوب الٰہیؒ کو پیغام بھیجا کہ خسرو خان نے جو رقم آپ کو بھیجی تھی وہ خزانۂ شاہی میں جمع کرائیں۔ حضرتؒ نے کہلا بھیجا کہ جس وقت میرے پاس یہ رقم آئی تھی میں نے اسی وقت حاجتمندوں میں تقسیم کر دی تھی اور اپنے پاس ایک حبہ بھی باقی نہ رکھا تھا۔ اب میرے پاس کیا ہے جو خزانہ شاہی میں جمع کراؤں۔ اس کے بعد بادشاہ نے مسئلہ سماع میں سلطان المشائخؒ سے اختلاف کیا اور بڑے بڑے علماء و مشائخ کو مناظرے کے لئے بلایا۔ اس مجلس میں سلطان المشائخؒ بھی شریک ہوئے۔ سارا دن بحث جاری رہی۔ سلطان المشائخؒ نے نفس غنا کے جواز میں حدیثیں پیش کیں تو مخالف علماء نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول پیش کرو۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث کے مقابلے میں حضرت امام اعظمؒ کا قول کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اتفاق سے اس مجلس میں مولانا بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے نواسے مولانا علم الدینؒ بھی تشریف لے آئے۔ وہ ایک عالم متبحر تھے اور شام عراق فلسطین وماوراء النہر وغیرہ

کی سیاحت کر چکے تھے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ وہاں کے علماء و مشائخ کا کیا مسلک ہے۔ مولینا علم الدینؒ نے فرمایا "وہاں کے لوگ عام طور پر سماع کی حلت کے قائل ہیں" بادشاہ نے ان کا ارشاد سن کر سلطان المشائخؒ سے مزید تعرض نہ کیا اور آپ کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ آپ جیسے لوگ سماع سن سکتے ہیں۔

ایک بار حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنی خانقاہ میں ایک باؤلی بنوانی شروع کی (یہ باؤلی آجکل بھی درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں موجود ہے) غیاث الدین تغلق نے تمام مزدوروں کو اپنے یہاں بلا کر کام پر لگا دیا لیکن مزدوروں کی سلطان المشائخؒ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ شاہی کام سے فارغ ہونے کے بعد رات کو مشعل جلا کر باؤلی کھودتے۔ بادشاہ حضرتؒ کے اثر سے بہت خائف ہوا چند دن بعد لکھنوتی (بنگالہ) کی مہم پر گیا واپسی سفر کے دوران اس نے حضرتؒ کو پیغام بھیجا کہ میرے دہلی پہنچنے سے قبل آپ غیاث پور سے باہر چلے جائیں کیونکہ آپ کی وجہ سے وہاں لوگوں کا بہت ہجوم رہتا ہے اور شاہی ملازمین کو جائے رہائش تلاش کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے بادشاہ کا پیغام پڑھ کر فرمایا "ہنوز دلی دور است"

خدا کی قدرت کہ بادشاہ ابھی دہلی سے تین میل دور تھا کہ اس کی جائے قیام کی چھت یکایک گر پڑی اور وہ اس کے نیچے دب کر مر گیا۔ غرض سلطان المشائخؒ کی پوری زندگی اس طرح گذری کہ نہ کسی بادشاہ کے دربار میں حاضری دی اور نہ کسی بادشاہ سے مرعوب ہوئے۔

(۹)

محاسن اخلاق

حضرت سلطان المشائخؒ کی بے مثل جود و سخا، مہمان نوازی اور عبادت کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ آپ کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک موقع پر سلطان جلال الدین خلجی اور دوسرے مواقع پر عقیدت مند امراء کی طرف سے آپ کی خدمت میں جاگیریں (گاؤں، زمین، باغات وغیرہ) پیش کی گئیں لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا

"از خواجگانِ ما و مشائخانِ ما ہیچ کس این چنین قبول نہ کردہ است"

وسعتِ قلب کی یہ کیفیت تھی کہ بد ترین مخالفوں کو بھی معاف کر دیتے تھے اور ان کے خلاف کسی قسم کا کینہ دل میں نہیں رکھتے تھے۔ مخالفوں کی گستاخانہ باتیں سن کر مسکرا دیتے تھے رسول اکرمؐ سے بے پناہ محبت تھی حضورؐ کا ذکر سنتے ہی چشم پُر آب ہو جاتے۔

مرشد گرامیؒ سے بھی والہانہ محبت تھی۔ ان کے وصال کے بعد صاحبزادوں اور دوسرے پیر بھائیوں

کی مقدور بھر خدمت کرتے رہے۔ لوگوں کو آپ کی درگاہ سے ہزار ہا روپے کے کپڑے تقسیم ہوتے لیکن آپ کے اپنے لباس میں بے شمار پیوند لگے ہوتے۔ لنگر میں عمدہ سے عمدہ کھانے تیار ہوتے اور لوگوں کو کھلائے جاتے لیکن خود ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلے کے ساتھ کھا کر روزہ افطار فرماتے۔ غرض آپ کی ذاتِ گرامی زہد و اتقا۔ صبر و قناعت۔ جود و سخا حلم و عفو اور فقر و استغنا کا مجموعہ تھی۔

(۱۰)

ذوقِ سماع

حضرت محبوب الٰہیؒ نے سماع کا ذوق اپنے پیرانِ عظام سے ورثے میں پایا تھا لیکن آپ کے نزدیک سماع کی جو حدود و شرائط تھیں ان کی پابندی صرف عارفانِ حق ہی کر سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل اس کتاب کے دسویں باب میں حضرت باباصاحبؒ کے ذوقِ سماع کے سلسلہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ آپ کا ذوقِ سماع صرف نعتیہ اور عارفانہ کلام تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ کلامِ پاک کی تلاوت اس ذوق و شوق سے سنتے تھے کہ تن بدن کا ہوش نہ رہتا تھا حضرت باباصاحبؒ کے ایک نواسے خواجہ سید محمد امامؒ نہایت خوش الحان قاری تھے۔ جب وہ کلامِ پاک پڑھتے تو سلطان المشائخؒ پر رقت طاری ہو جاتی۔ ان کو محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔ اور بالعموم ان کی اقتدا میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔

(۱۱)

کرامات

حضرت محبوب الٰہی عام طور پر کشف و کرامات کے اظہار سے اجتناب فرماتے تھے پھر بھی مجبوری کی حالت میں آپ سے بیشمار کرامات کا اظہار رہا۔ آپ کے کشف و کرامت کے جستہ جستہ واقعات اوپر کے حالات میں آچکے ہیں۔ تین چار واقعات اور درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) سلطان فیروز شاہ بن سالار کم سنی میں آپ کی زیارت کے لئے غیاث پور آیا آپ نے اس سے پوچھا "بابا چہ نام داری" اس نے جواب دیا "فدوی بہ اسم کمال الدین مشہور است" حضرتؒ نے فرمایا "عمر بہ کمال۔ دولت بہ کمال نعمت بہ کمال"

حضرتؒ کے ارشاد کی تمام باتیں بعد کو ظہور میں آئیں۔ فیروز شاہ نے نوے برس کی طویل عمر پائی۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ملک گجرات و سندھ کا فرماں روا بن گیا اور نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اور ہر قسم کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیں۔

(۲) تاریخ فرشتہ میں ہے کہ دکن کی بہمنی سلطنت کا بانی سلطان علاؤالدین حسن ابتداء میں نہایت مفلوک الحال تھا۔ اور دہلی میں ایک برہمن کی ملازمت اختیار کر رکھی تھی۔ ایک دن وہ حضرت محبوب الٰہی

کی خانقاہ کے دروازہ پر مجسمۂ حسرت بنا ہوا کھڑا تھا اور لوگ بکثرت خانقاہ سے کھانا کھا کر باہر نکل رہے تھے ان میں شہزادہ محمد تغلق بھی تھا۔ آپ نے یکایک فرمایا "یک شاہ رفت و دیگرے بر آستانہ موجود" لوگ آپ کے ارشاد کا مطلب نہ سمجھے۔ آپ نے فرمایا دروازے کے باہر ایک محتاج شخص کھڑا ہے۔ اسے اندر لے آؤ۔ وہی (مستقبل کا) دوسرا بادشاہ ہے۔ حسن کو اندر لائے تو کھانا ختم ہو چکا تھا۔ صرف ایک کلچہ پڑا تھا محبوب الٰہیؒ نے اپنی انگشتِ مبارک پر اس کلچہ کو بشکل چتر رکھ کر فرمایا "حسن دیکھو یہ ایک سلطنت کا چترِ شاہی ہے جو تمہارے نصیب میں ہے" اس واقعہ کے بعد حسن کے دن پھرنے لگے اور ایک دن وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا بن گیا۔

(۳) سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخؒ کو وضو کرنے کے بعد ریش مبارک میں کنگھا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کنگھا طاق میں کافی دور پڑا ہوا تھا۔ آپ نے ادھر دیکھا تو کنگھا فی الفور اڑ کر آپ کے پاس آ گیا۔

(۴) ایک روز آپ نے چند مخصوص مریدوں کے حلقے میں محفل سماع منعقد فرمائی۔ سماع شروع ہوا تو اتفاق سے ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو گیا۔ اس وقت صرف پچاس ساٹھ آدمیوں کا کھانا موجود تھا۔ آپ نے اپنے خادم کو بلا کر حکم دیا کہ سب کے ہاتھ دھلواؤ اور دس دس آدمیوں کو ایک جگہ بٹھا کر ایک ایک روٹی کے چار چار ٹکڑے کر کے بسم اللہ پڑھ کر ان کے سامنے رکھتے جاؤ۔ خادم نے تعمیل ارشاد کی۔ اس کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ ہزاروں لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی کھانا بچ رہا۔

(۱۲)

وصال جب حضرت سلطان المشائخؒ کی عمر نوے برس کے قریب ہوئی تو آپ بیمار رہنے لگے۔ وفات سے چالیس دن پہلے غذا بالکل ترک کر دی۔ ہر وقت گریہ وزاری اور عبادت میں مشغول رہتے مرض کی شدت بڑھی تو اپنے خادم خواجہ اقبالؒ کو بلا کر حکم دیا کہ خانقاہ اور لنگر کا تمام سامان اور غلہ وغیرہ خیرات کر دو اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو۔ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔ وصال صحیح تر روایت کے مطابق چہار شنبہ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو نواسی سال کی عمر میں طلوعِ آفتاب کے وقت ہوا۔ دہلی میں کہرام مچ گیا۔ ہر گھر سے نالہ و فغاں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ سرزمین دہلی میں اس سے پہلے کبھی اتنا عظیم الشان جنازہ نہیں اٹھا تھا۔ نماز جنازہ خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردی ملتانیؒ نے پڑھائی اور اس آفتاب علم و عرفان کو آغوش لحد میں اتار دیا گیا۔ مزار مبارک دہلی میں مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے تمام عمر شادی نہیں کی اس لئے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ آپ کے خلفاء میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغؒ دہلی حضرت امیر خسروؒ۔ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ۔ حضرت شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر پانی پتیؒ حضرت شیخ حسام الدین سوختہؒ حضرت شیخ اخی سراج الدینؒ اور حضرت شیخ حسام الدین ملتانیؒ بہت مشہور ہیں۔

(۱۳)

امیر خسروؒ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا تذکرہ نامکمل رہے گا اگر ہم آپ کے عاشق زار اور محبوب ترین مرید کے اجمالی حالات یہاں درج نہ کریں۔ ہماری مراد امیر خسروؒ سے ہے۔ ان کا نام ابوالحسن یمین الدین تھا۔ ۱۲۵۳ء میں موضع پٹیالی ضلع ایٹہ (کمشنری آگرہ) میں پیدا ہوئے والد کا نام سیف الدین محمود تھا جو ترکستان کے ایک شہر کش میں اپنے قبیلہ "لاچین" کے رئیس تھے چنگیز خاں کے عہد میں ہندوستان آئے اور سلطان محمد تغلق کے دربار میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہوگئے۔ والدہ ایک سربرآوردہ شاہی امیر عماد الملک کی بیٹی تھیں۔ امیر خسروؒ نے ہوش سنبھالا تو ان کے والدین نے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی اور وہ پندرہ بیس سال کی عمر میں تمام درسی علوم و فنون سے فارغ ہوگئے۔ بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا جو عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ نکھرتا گیا اور وہ اپنے دور کے مایۂ ناز شاعر ہوئے۔ ابتداء میں سلطانی تخلص رکھتے تھے بعد میں خسرو مستقل تخلص اختیار کر لیا۔ سن رشد کو پہنچے تو دربار شاہی سے تعلق پیدا ہوگیا چنانچہ سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ کے زمانے سے سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ کے زمانے تک دہلی میں دربار شاہی سے منسلک رہے اس لئے بعض مورخین ان کو دہلوی بھی لکھتے ہیں۔ امیر خسروؒ کی ذات جامع کمالات تھی وہ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں کے نامور شاعر تھے اور ان کی شہرت علی ہندوستان سے باہر ایشیا کے دوسرے ممالک میں بھی پھیل گئی تھی اس وقت اُن کے پانچ لاکھ اشعار مرتب صورت میں موجود ہیں۔ ادب و انشاء پر بھی انھیں بے مثال قدرت حاصل تھی۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ آپ نے تقریباً نوے تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں۔ چند مشہور تصنیفات کے نام یہ ہیں۔ دیوان تحفۃ الصغر۔ دیوان وسط الحیات۔ دیوان غرۃ الکمال۔ مثنوی قران السعدین۔ مثنوی شیریں خسرو۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں۔ مثنوی مطلع الانوار۔ مثنوی نہ سپہر۔ افضل الفوائد (ملفوظات محبوب الٰہیؒ) تغلق نامہ۔ اعجاز خسروی (نثر نویسی کے اصول و قواعد) انشائے خسرو۔ خالق باری۔ قصہ چہار درویش۔ جواہر البحر (علم عروض اور علم کلام میں) مناقب ہند۔ خضر نامہ وغیرہ۔

شعر العجم حصہ دوم میں علامہ شبلیؒ امیر خسروؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آجتک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع، ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے صرف ایک شاعری کو لو تو ان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی۔ سعدی۔ انوری۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم و کے ہیں لیکن ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتے۔ فردوسی مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل۔ مثنوی۔ قصیدہ۔ رباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہیں۔ تعداد کے لحاظ سے دیکھو تو اس خصوصیت میں کسی کو ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ فردوسی کے اشعار کی تعداد کم و بیش ستر ہزار ہے۔ صائب نے ایک لاکھ شعر سے زیادہ کہا ہے لیکن امیر خسرو کا کلام کئی لاکھ سے کم نہیں۔" اس کے بعد امیر خسرو کی زبان دانی اور موسیقی میں مہارت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مختلف زبانوں کی زبان دانی کا یہ حال ہے کہ ترکی اور فارسی اصلی زبان ہے۔ عربی میں ادبائے عرب کے ہمسر ہیں ــــــ سنسکرت کے ماہر ہیں چنانچہ مثنوی نہ سپہر میں تواضع کے لہجہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ع

من قدرے برسر ایں کار شدم

"شاعری کے بعد نثاری کا نمبر ہے۔ اس وقت تک کسی نے نثر لکھنے کے اصول اور قاعدے نہیں مرتب کئے تھے۔ انھوں نے ایک مستقل کتاب اعجاز خسروی تین جلدوں میں لکھی۔"

"موسیقی میں یہ کمال پیدا کیا کہ "نایک" کا خطاب ان کے بعد آجتک پھر کوئی شخص حاصل نہ کر سکا۔ .... ان مختلف الحیثیات مشغلوں کے ساتھ فقر و تصوف کا یہ رنگ ہے کہ گویا عالم قدس کے سوا دنیائے فانی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔"

حضرت محبوب الٰہیؒ سے امیر خسروؒ کا تعلق آٹھ برس کی عمر میں قائم ہوا۔ جب کہ ان کے نانا۔ اور والد دونوں کے خاندان حضرتؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ سلطان المشائخؒ نے نہایت محبت اور توجہ سے ان کی باطنی تربیت فرمائی۔ سعادت مند مرید کو مرشد سے ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا کہ مرشد اس پر خود فخر کرتے تھے اور ان سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے۔

"از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم"

حضرتؒ نے امیر خسروؒ کو "ترک اللہ" کا خطاب دیا تھا اور فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے ہو مجھ سے پوچھا جائے گا تو کہوں گا کہ اس "ترک اللہ" کے سینہ کا سوز لایا ہوں مرشدؒ کی شان میں ایک مدحیہ قصیدے میں امیر خسرو اپنے اس خطاب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں

ے برزبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت　　دست ترک اللہ گیر و ہم بہ اللہش سپار

امیر خسروؒ نے سالہا سال تک محبوب الٰہی کی خلوت و جلوت میں ایسی والہانہ خدمت کی کہ آپ انھیں اپنی جان اور جگر کا ٹکڑا سمجھتے تھے اور امیر خسرو مرشدؒ کا جمال دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ ان کی عقیدت عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ ایک موقع پر سلطان المشائخؒ کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی۔ امیر نے اس کی طرف اشارہ کرکے برجستہ کہا۔

ع　ما قبلہ راست کردیم بر طرف کجکلاہے

محبوب الٰہیؒ عشاء کی نماز کے بعد مجلس برخاست کرکے خلوت میں چلے جاتے۔ اس وقت امیر خسرو کے سوا کسی کو آپ کے پاس جانے کی اجازت نہیں تھی۔ انھوں نے محض مرشدؒ کے لئے موسیقی میں کمال پیدا کر لیا تھا حضرتؒ کو اپنے اشعار سناتے جو شعر آپ کو پسند آجاتا اسے بیخود ہو کر خوش الحانی سے بار بار پڑھتے۔ مرشد کی مجلس میں ایک ادنیٰ خادم بن کر رہتے۔ ایک دفعہ سلطان المشائخؒ کی خدمت میں ایک درویش سائل بن کر آیا۔ اس وقت سلطان المشائخ بالکل خالی ہاتھ تھے۔ درویش آپ کے ارشاد کے مطابق تین دن تک خانقاہ میں ٹھہرا لیکن کوئی چیز فتوح میں نہ آئی آخر آپ نے اسے اپنے جوتے اتار کر دیدیئے۔ اس وقت امیر خسرؒ بادشاہ کے ساتھ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ درویش شہر سے باہر نکلا تو امیر واپس آرہے تھے درویش سے ملاقات ہوئی تو فرمایا "مجھے تم سے اپنے مرشد کی خوشبو آتی ہے کیا تمہارے پاس میرے مرشد کی کوئی نشانی ہے؟" درویش نے سلطان المشائخ کے جوتے دکھلائے۔ امیر خسروؒ تڑپ اٹھے اس وقت ان کے پاس پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے۔ یہ ساری رقم درویش کو دے کر مرشد کے جوتے اس سے لے لئے اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ درویش نے صرف پانچ لاکھ ٹنکوں پر اکتفا کی ہے اگر وہ ان جوتوں کے عوض میرا مال اور میری جان بھی طلب کرتا تو میں پیش کر دیتا۔ انہی جان نثاریوں کی وجہ سے محبوب الٰہیؒ کو بھی امیر خسروؒ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ فرمایا کرتے تھے "اگر شریعت اجازت دیتی تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری ہی قبر میں دفن کیا جائے بہر صورت اسے میری قبر کے پہلو میں دفن کرنا۔"

سلطان غیاث الدین تغلق جب اخیر عمر میں لکھنوتی (بنگال) گیا تو امیر خسرؒو بھی اس کے ساتھ گئے۔ سلطان تو واپس آ گیا لیکن امیر خسرؒو کچھ عرصہ کے لئے وہیں ٹھہر گئے۔ اسی اثناء میں حضرت سلطان المشائخؒ نے وصال فرمایا۔ امیر خسرؒو کو اطلاع ملی تو دیوانہ وار دہلی کی طرف اُٹھ دوڑے۔ جو کچھ زر و مال پاس تھا مرشد کے ایصال ثواب کے لئے راہِ خدا میں لٹا دیا اور ماتمی سیاہ کپڑے پہنے ہوئے دہلی پہنچے۔ مرشد گرامی کے مزار پر پہنچے تو زار زار روتے ہوئے کہا۔

"سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ"

پھر سر کو مزار مبارک سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو وہیں مجاور بن کر بیٹھ گئے اور مرشدؒ کے غم میں چھ ماہ بعد ذیقعدہ ۷۲۵ھ میں پیک اجل کو لبیک کہا۔ لوگوں نے سلطان المشائخؒ کی وصیت کے مطابق ان کے مزار کے پہلو میں دفن کرنا چاہا لیکن ایک صاحبِ اثر خواجہ سرا کے ایماء سے حضرتؒ کے پائنتی دفن کیا گیا۔ مقبرہ شاہ بابر کے ایک امیر مہدی خواجہ نے تعمیر کرایا اور ملا شہاب معمائیؒ نے لوحِ مزار پر یہ تاریخ کندہ کرائی۔

شد عدیم المثل یک تاریخ او   واں دگر شد طوطی شکر مقال

مولانا ضیاء الدین برنیؒ تاریخ فیروز شاہی میں امیر خسرؒو کی نسبت یوں رقمطراز ہیں۔

"و مع ذالک الفضل والکمال والفنون والبلاغ صوفیئے مستقیم الحال بود و بیشتر عمر او در صیام و قیام و تعبد و قرآن خوانی گذشتہ است و بطاعات متعدیہ ملازم یگانہ شدہ بود۔ و دائم روزہ داشتے و از مریدان خاصہ شیخ بود و آں چناں مرید معتقد من دیگرے ندیدہ ام"

فی الحقیقت امیر خسرؒو کی حضرت محبوب الٰہیؒ سے والہانہ محبت تاریخ میں ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔

مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ

(۱)

حالات کی کمیابی مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر حضرت بابا صاحبؒ کے حقیقی بھانجے تھے اور اپنے دور کے سرآمد روزگار اولیاء اللہ میں سے تھے لیکن عجیب بات ہے کہ قدیم اور مستند کتابوں میں آپ کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ آپ کے حالات کی اس کمیابی کی بہت سی تاویلات کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے جمع کئے چونکہ وہ مخدوم صابرؒ سے ناخوش تھے اس لئے انھوں نے آپ کا ذکر نہ کیا لیکن ہمیں یہ تاویل دل کو لگتی معلوم نہیں ہوتی۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ بڑے وسیع القلب بزرگ تھے۔ باور نہیں کیا جا سکتا کہ محض اپنے تکدر کی بنا پر وہ مخدوم صابرؒ کا ذکر بابا صاحبؒ کے ملفوظات سے محو کر دیں۔ مخدوم صابرؒ کے حالات کی کمیابی کی وجہ ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ خود اپنے حالات کو پردۂ اخفا میں رکھنا چاہتے تھے اور ان کی تشہیر ناپسند کرتے تھے۔ اس کے باوجود بعد کے تذکروں میں آپ کے حالات شرح وبسط سے درج ہیں۔

(۲)

نام ونسب اسم گرامی کے متعلق تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ کسی نے آپ کا نام علی لکھا ہے اور کسی نے احمد اور علاؤالدین بہر صورت عوام میں آپ علاؤالدین علی احمد کے نام سے مشہور رہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب بھی دو طریقوں سے بیان کیا جاتا ہے ایک روایت کے مطابق آپ سیدنا غوث الاعظمؓ کے پڑپوتے تھے سلسلۂ نسب حضرت غوث الاعظمؓ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

مخدوم علاؤالدین علی احمدؒ بن شاہ عبدالرحیم عبدالسلامؒ بن حضرت سیف الدین عبدالوہابؒ بن غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

دوسری روایت کے مطابق آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

مخدوم علاؤالدین علی احمدؒ بن سید عبداللہؒ بن سید فتح اللہؒ بن سید نور محمدؒ بن سید امیؒ بن سید غیاث الدینؒ بن سید بہاؤالدینؒ بن سید داؤدؒ بن سید تاج الدینؒ بن سید محمد علی ضیاءالدینؒ بن سید اسمٰعیلؒ بن امام جعفر صادقؒ بن امام محمد باقرؒ بن امام زین العابدینؒ بن سیدنا امام حسینؓ بن امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

والدہ ماجدہ بی بی جمیلہ خاتون حضرت بابا صاحبؒ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ اُن کا شجرۂ نسب ظاہر ہے۔ گویا نسبی لحاظ سے آپ آسمانِ فضیلت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ والد زہد و اتقا میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور اپنے وطن ہرات سے ہجرت کر کے کھوتوال آ بسے تھے ان کا تشرع اور اتقاء دیکھ کر حضرت بابا صاحبؒ کے والد ماجد نے اپنی دختر بی بی جمیلہ خاتونؒ کا عقد ان سے کر دیا تھا۔ وہ بھی نہایت عبادت گذار و متقی بی بی تھیں۔

(۳)

ولادت مخدوم صابرؒ ۵۹۲ھ میں ۱۹ ربیع الاول شب پنجشنبہ کو تہجد کے وقت بمقام کھوتوال منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت سے پہلے خواب میں آقائے دوجہاں رسول اکرمؐ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی زیارت کی انھوں نے بشارت دی کہ تیرے بطن سے ایک مبارک بچہ پیدا ہوگا چنانچہ آپ مادر زاد ولی تھے۔

(۴)

ابتدائی عمر مخدوم صابرؒ سات سال کی عمر میں یتیم ہو گئے کچھ عرصہ بعد والدہ ماجدہ نے آپ کو حضرت بابا صاحبؒ کی سرپرستی میں دیدیا حضرت صاحبؒ نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی اور آپ تین ہی سال کے اندر فارغ التحصیل ہو گئے کہتے ہیں بی بی جمیلہ خاتونؒ آپ کو باباصاحبؒ کے پاس چھوڑ کر ہرات تشریف لے گئیں۔ حضرت بابا صاحبؒ نے سعادت مند بھانجے کے سپرد لنگر کی تقسیم کا کام کر دیا۔ مخدوم صابرؒ سالہا سال تک اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر مجاہدات و ریاضات میں مشغول ہو جاتے لنگر سے کبھی آپ نے ایک لقمہ تک بھی نہ کھایا حتیٰ کہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔ کئی سال بعد والدہ ماجدہ پاک پٹن تشریف لائیں بیٹے کو اس حال میں دیکھا تو باباصاحبؒ کے پاس شکایت کی۔ باباصاحبؒ نے مخدوم صابرؒ کو بلا کر فرمایا

"اے بیٹے میں نے تو تمہارے سپرد لنگر کا کام کر رکھا تھا" مخدوم صابرؒ نے عرض کی "آپ نے مجھے لنگر کی تقسیم کا حکم دیا تھا نہ کہ کھانے کا"

حضرت بابا صاحبؒ کی پیشانی نورِ مسرت سے چمک اٹھی جلیل القدر بھانجے کو سینے سے لگالیا اور فرمایا "علاؤالدین ما صابر است" اسی دن سے "صابر" کا لقب آپ کے نام کا جزو بن گیا۔

چند دن بعد حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح مخدوم صابرؒ سے کر دیا۔ لیکن آپ کی اہلیہ شادی کے جلد ہی بعد وفات پاگئیں۔ والدہ ماجدہ بھی چند دن بعد عالمِ فانی سے عالمِ بقا کو سدھاریں۔ اس ضمن میں بہت سے واقعات مخدوم صابرؒ سے منسوب کیے جاتے ہیں مثلاً آپ کی اہلیہ آپ کی جلالی نظر کا شکار ہو گئیں۔ والدہ محترمہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے آپ کی پیٹھ پر دو ہتڑ مارا اسی وقت بخار میں مبتلا ہو گئیں جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اسی طرح بابا صاحبؒ کے تین بچے آپ کی نظرِ جلال کا شکار ہو گئے۔ لیکن اکثر محققین ان روایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ کسی مستند کتاب میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال زوجۂ محترمہ اور والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد مخدوم صابرؒ حجرہ نشین ہو گئے اور پورے نو سال تک یادِ الٰہی میں مستغرق رہے۔

(۵)

سندِ خلافت

نو سال کے بعد حضرت بابا صاحبؒ مخدوم صابرؒ کے حجرہ کے اندر گئے۔ اس وقت وہ مراقبۂ فنا میں تھے حضرت بابا صاحبؒ نے بلند آواز سے کلمۂ اثبات پڑھا۔ مخدوم صاحب فوراً عالمِ بقا میں آگئے۔ مرشدِ گرامیؒ کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بابا صاحبؒ ہاتھ پکڑ کر باہر لائے اور اسی وقت سندِ خلافت لکھ کر دہلی جانے کا حکم دیا۔ نیز ہدایت کی کہ اس سند کی تصدیق شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے کرالینا۔ مخدوم صابرؒ ہانسی پہنچے تو ان کی جلالی طبیعت کا رنگ دیکھ کر شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے سند کی تصدیق کرنے کی بجائے اسے چاک کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل شیخ جمال الدینؒ کے حالات میں دی جاچکی ہے۔ مخدوم صاحبؒ واپس بابا صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے دوبارہ سندِ خلافت لکھ کر مخدوم صاحب کو دہلی کی بجائے کلیر جانے کا حکم دیا۔

(۶)

کلیر میں ورود

جس وقت مخدوم صابرؒ کا کلیر میں نزولِ اجلال ہوا تو یہ ایک نہایت پر رونق شہر تھا۔ امراء اور علماء کی بہت کثرت تھی۔ لیکن عام طور پر لوگ فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے تھے۔ رؤساء اور علماء کے تکبر کا یہ حال تھا کہ نماز جمعہ کے لئے پالکیوں پر سوار ہو کر آتے اور اگلی

صفوں پر قابض ہو جاتے۔ کسی غریب کی جراءت نہ تھی کہ اگلی صفوں میں بیٹھ جائے۔ کہتے ہیں کہ ہر جمعہ کو امراء و علماء کی تقریباً چار سو پالکیاں جامع مسجد میں آتی تھیں۔ مخدوم صاحبؒ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ایک جمعہ کو اپنی درویشانہ وضع قطع کے ساتھ اپنے خدام کے ہمراہ جامع مسجد میں اگلی صفوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ متکبر امراء اور علماء ان درویشوں کو اگلی صفوں میں بیٹھا دیکھ کر سخت چیں بہ جبیں ہوئے۔ اور انھوں نے زبردستی ان سب کو اگلی صفوں سے اٹھا کر پیچھے بھیج دیا۔ اس وقت مخدوم صابرؒ کو جلال آ گیا۔ آپ نے مسجد کو اشارہ کیا کہ تو ہمیشہ قیام کی حالت میں رہتی ہے۔ آج تو بھی سجدہ کر۔ معاً مسجد کی عمارت دھڑام سے اگلی صفوں پر آ گری اور تمام متکبر علماء اور امراء اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔

با صاف دل مجادلہ باخویش شومی ست
ہر کو کشد بر آئینہ خنجر بخود کشد

اس واقعہ کے بعد کلیر میں ایک ہولناک وبا پھیل گئی۔ ہزارہا لوگ اس کا شکار ہو گئے اور ہزاروں شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حتیٰ کہ کلیر کا پُررونق شہر جلال صابری کی چمک سے ایک دہشت ناک ویرانہ کی صورت اختیار کر گیا۔ مخدوم صابرؒ اس ہُو کے عالم میں گولر کے ایک درخت کی ایک شاخ پکڑ کر مراقبۂ فنا میں مستغرق ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک مدت[1] گذر گئی حتیٰ کہ خواجہ شمس الدین ترکؒ کا ورود کلیر میں ہوا۔ انھوں نے مخدومؒ کے قریب پہنچ کر کلام پاک کی قراءت شروع کر دی۔ کلام پاک کی تلاوت کی آواز کانوں میں پڑتے ہی مخدوم صابرؒ ہوش میں آئے۔ گولر کی شاخ چھوڑ دی۔ زمین پر بیٹھ گئے اور خواجہ ترکؒ کو بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ تلاوت جاری رکھو۔ خواجہ ترکؒ نے اس سوز و گداز سے چند آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی کہ مخدوم صابرؒ نے انھیں سینے سے لگا لیا اور فیوض باطنی سے مالا مال کر دیا۔ اس کے بعد ایک مدت تک خواجہ ترکؒ نہایت تن دہی سے مخدوم صابرؒ کی خدمت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مخدوم صاحبؒ نے انھیں خرقۂ خلافت عطا فرما کر پانی پت جانے کا حکم دیا۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ کے حالات ایک دوسرے باب میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

(۷)

ایک عظیم کرامت مخدوم صابرؒ اپنے پیر بھائی حضرت سلطان المشائخ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک دفعہ مخدوم صاحبؒ کلیر میں مراقبہ میں مستغرق تھے کہ ایک برات شور و غل کرتی ہوئی آپ کی قیام گاہ کے قریب سے گذری۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ

---

[1] یہ مدت بعض روایات میں بیس سال بیان کی گئی ہے۔

نے انھیں شور و غل کرنے سے منع کیا لیکن وہ نہ مانے۔ مخدوم صابرؒ کو جلال آگیا۔ آپ نے قریب پڑے ہوئے ایک پیالے کو اوندھا کر دیا۔ برات والے راستہ بھول گئے اور جنگلوں میں بھٹکنے لگے۔ جب برات تاریخ مقررہ پر اپنی منزل مقصود پر نہ پہنچی تو لڑکی والوں کو سخت پریشانی ہوئی۔ انھوں نے دولھا کے شہر آدمی بھیج کر حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ برات مقررہ تاریخ پر وہاں سے روانہ ہو گئی تھی۔ اب تو دونوں طرف کہرام مچ گیا۔ لڑکی والے روتے دھوتے سلطان المشائخؒ کے پاس حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ سلطان المشائخؒ کو کشفی طور پر تمام حالات کا علم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا براتیوں نے مخدوم صابرؒ کی بے ادبی کی اور اس کی پاداش میں وہ راستہ بھٹک کر جنگلوں میں پریشان حال پھر رہے ہیں۔

لڑکی والوں نے محبوب الٰہیؒ سے التجا کی کہ آپ سفارش فرما کر ان بدقسمتوں کو رہائی دلائیں۔ محبوب الٰہیؒ نے امیر خسروؒ سے سفارشی رقعہ لکھوا کر مخدوم صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ نے مخدوم صاحبؒ کو یہ رقعہ پڑھ کر سنایا تو آپ نے فرمایا "محبوب الٰہی کا کہنا میں نہیں ٹال سکتا۔ اس پیالے کو سیدھا کر دو۔" خواجہ ترکؒ نے پیالہ سیدھا کیا تو برات والوں کو راستہ مل گیا اور وہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۸)

وصال مخدوم صابرؒ کے سالِ وصال کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ ۶۶۴ھ میں واصل بحق ہوئے اور آپ کی تاریخ وصال "جانِ شکر گنج بودہ" سے نکلتی ہے (سیر الاقطاب)

دوسری روایت کے مطابق آپ نے ۶۹۰ھ میں وفات پائی (معارج الولایت)۔ اس کے مطابق تاریخ وصال "مخدوم" اور "متقی" سے نکلتی ہے۔

قطعہ

چو صابر ز دنیائے دوں رخت بست	شدہ رونق افزا بخلد قدیم
شد از لفظِ مخدوم وصلش عیاں	دگر کن رقم متقی سلیم

مزارِ مبارک رڑکی (ضلع سہارنپور۔ بھارت) سے تین میل کے فاصلے پر کلیر شریف میں مرجع خلائق ہے۔ مخدوم صابرؒ سے سلسلہ چشت کی مشہور شاخ "صابریہ" کا آغاز ہوا۔

(۹)

جلال بعد از وصال کہا جاتا ہے کہ مخدوم صابرؒ کے وصال کے بعد ڈھائی سو سال تک

آپ کے مزار سے وقفہ وقفہ کے بعد ایک زبردست شعلۂ برق نمودار ہوتا رہا جس سے خوفزدہ ہو کر کوئی شخص آپ کے مزار کے قریب جانے کی جراءت نہ کرتا۔ آٹھویں صدی میں مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ دل کڑا کر کے کلام مجید پڑھتے ہوئے مزار کے قریب جا پہنچے۔ فاتحہ پڑھی اور سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ یکایک عالم روحانی میں مخدوم صابرؒ کی آواز آئی "عبدالقدوس تم کو یہاں پہنچنے کی اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ تم میرے طریقے پر تھے۔" شیخ صاحبؒ نے عرض کی "کہ تمام مخلوق آپ کے مزار کی زیارت کی مشتاق ہے۔ آپ برق جلال کو مستور فرمالیں تو ایک عالم فیضیاب اور دعاگو ہوگا" حضرت مخدومؒ نے شیخ گنگوہیؒ کی درخواست قبول فرمالی اور برق جلال کا چمکنا موقوف ہوگیا۔ اس کے بعد ہر خاص و عام مزار مبارک پر حاضر ہونے لگا۔ اور رفتہ رفتہ "پیران کلیر" کے نام سے ایک قصبہ آباد ہوگیا۔

(۱۰)

ذوقِ سماع "اقتباس الانوار" اور "مخزن مناقب چشت" میں ہے کہ مخدوم صابرؒ کو سماع سے بےحد شغف تھا اور آپ کا وصال بھی عین حالتِ سماع میں ہوا۔ سماع میں آپ انہی شرائط کے پابند تھے جو آپ کے پیرانِ عظام نے مقرر فرمائی تھیں۔

ے اسرار محبت را ہر دل نبود قابل   دُر نیست بہر دریا زر نیست بہر کارے

(۱۱)

کلامِ عارفانہ بعض روایات میں ہے کہ مخدوم صابرؒ کبھی کبھار فارسی میں فکر سخن بھی کیا کرتے تھے۔ اور احمد تخلص کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل فارسی غزل آپ سے منسوب کی جاتی ہے۔

امروز شاہ شاہاں مہمان شداست مارا   جبریل باملائک درباں شداست مارا
در جلوہ گاہِ وحدت کثرت کجا بگنجد   ہژدہ ہزار عالم یکساں شداست مارا
در محفل گدایانِ مرسل کجا بگنجد   بے برگ بے نوائی ساماں شداست مارا
ما خانہ جہاں را بسیار سیر کردیم   اے شیخ بت پرستی ایماں شداست مارا

احمد بہشت و دوزخ بر عاشقاں حرام ست
ایں جا رضائے جاناں رضواں شداست مارا

شیخ منتخب الدین زری زربخشؒ

(۱)

خاندان حضرت شیخ منتخب الدین زری زربخشؒ ہانسی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی بھانجے تھے۔

(۲)

بیعت اور خلافت شیخ منتخب الدینؒ نے اجودھن پہنچ کر حضرت باباصاحبؒ کی بیعت کی۔ اور ایک عرصہ تک آپ کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے۔ جب درجۂ کمال کو پہنچے تو حضرت باباصاحبؒ نے سندِ خلافت عطا کی اور ایک اشارۂ غیبی کے ماتحت انھیں دیوگیر (دولت آباد۔ دکن) جانے کا حکم دیا۔ وہاں اس وقت کفار کا بڑا زور . . . تھا۔ اور تبلیغ اسلام کی شدید ضرورت تھی۔

(۳)

دیوگیر میں قیام ارشادِ مرشدؒ کی تعمیل میں شیخ منتخب الدینؒ نے دیوگیر پہنچ کر بڑے جوش و خروش سے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ وہاں کے ہندو نہایت متعصب اور اسلام دشمن تھے۔ انھوں نے آپ کی تبلیغی مساعی میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں لیکن آپ نے اپنا کام بڑے استقلال سے جاری رکھا اور ہزارہا غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ دکن میں جن بزرگوں کی جد و جہد سے اسلام پھیلا ان میں شیخ منتخب الدینؒ کا نام سر فہرست ہے۔

(۴)

زری زربخش کا لقب

"خزینۃ الاصفیاء" میں بحوالہ "معارج الولایت" یہ روایت درج ہے کہ شیخ منتخب الدینؒ کا فقر و زہد اس انتہا تک پہنچ گیا تھا کہ ایک بوریہ اور گدڑی کے سوا آپ کے پاس کچھ بھی نہ رہا تھا۔ حتیٰ کہ گدڑی بھی تار تار ہو گئی۔ اس وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور ہر شب کو آپ کے حجرۂ عبادت میں غیب سے ایک زریں جبہ۔ ایک زریں دستار اور ایک زریں کمربند پہنچنے لگا۔ آپ قبا کو پیوند لگا کر زیبِ بدن فرما لیتے اور نمازِ تہجد پڑھ کر اتار دیتے۔ اور پھر آپ کی ہدایت کے مطابق خادم تمام زریں لباس کو قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے غرباء و مساکین کو تقسیم کر دیتا تھا۔ ہر ٹکڑے سے چار چار تولہ چاندی کے تار نکلتے۔ اس کرامت کی وجہ سے آپ لوگوں میں زری زربخش کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

(۵)

وصال

شیخ منتخب الدینؒ کے وصال کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق آپ ایک جنگ میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے طبعی طور پر رحلت فرمائی۔ تاریخِ وصال میں بھی اختلاف ہے۔ بقول صاحب معارج الولایت آپ نے ۷، ربیع الاول ۶۹۵ھ کو شہادت پائی۔ ایک دوسری روایت میں سالِ وفات ۷۰۹ھ بیان کیا گیا ہے۔ مزار مبارک دولت آباد دکن (آندھرا پردیش) میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔ شیخ برہان الدین غریبؒ آپ کے برادر حقیقی تھے اور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے محبوب مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت زری زربخشؒ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد شیخ برہان الدین غریبؒ دولت آباد تشریف لائے اور اپنے برادر بزرگ کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے بڑھایا۔

(۶)

رفعتِ شان

"خزینۃ الاصفیاء" میں شیخ منتخب الدینؒ کی شان میں یہ اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں حضرت کے لقب زری زربخش کی وجہ تسمیہ اور شیخ برہان الدینؒ کی دکن میں آمد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

منتخب شیخ زر زری زربخش ۔۔۔ کو شفیق کلاں بود بشمار

از مریدانِ خواجہ گنج شکرؒ ۔۔۔ کرد اول بہ دیو گیر قرار

خلعتِ زر زغیب می آمد — در صباح ور ولح ولیل ونہار
شد ازاں نام زر زری زربخش — می نمودش براہ خیر نثار
رخت زیں تنگنائے چوں بربست — بجز امید سوئے دار قرار
خواجہ برہانؒ سوئے دکن آمد — زندہ زو گشت سنت و آثار

○

حضرت امام علی الحق (لاحق) سیالکوٹی

(۱)

نام و نسب حضرت امام صاحب سیالکوٹیؒ کے اصلی نام کے متعلق تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے بعض تذکروں میں آپ کا نام علی لاحق اور بعض میں علی الحق درج ہے کسی تذکرہ میں حسب و نسب کی تصریح نہیں ہے۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ سادات کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے والد ماجد کا نام سید حسن مکی تھا مشہور بزرگ سیدنا امام ناصر الدینؒ جن کا مزار جالندھر میں ہے آپ کے حقیقی بھائی تھے۔

(۲)

ایک پُراسرار شخصیت حضرت امام صاحبؒ سیالکوٹ کی مشہور و معروف شخصیت ہیں اور دور و نزدیک سے بیشمار لوگ آپ کے مزار کی زیارت کے لئے سیالکوٹ آتے رہتے ہیں بالخصوص ہر جمعرات کو میلہ کا گمان ہوتا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اتنی جلیل القدر شخصیت کی حیات اقدس کے متعلق عوام میں ایسی عجیب و غریب روایات مشہور ہیں کہ حقیقت کا پتہ چلانا ناممکن ہو گیا ہے۔ مختلف تذکروں میں بھی آپ کے متعلق متضاد روایات ملتی ہیں بعض تذکروں میں ہے کہ حضرت امام صاحبؒ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مرید تھے۔ بابا صاحبؒ نے سالہا سال تک انہیں تعلیم و تربیت دی اور پھر خرقۂ خلافت دے کر سیالکوٹ جانے کا حکم دیا۔ سیالکوٹ میں آپ ایک طویل مدت تک اصلاح و تبلیغ میں مصروف رہے اور ۶۹۲ھ[۵] میں وفات پائی۔

---

[۵] آبِ کوثر شیخ محمد اکرام

وصال سے لے کر آج تک لوگ مزار کو نہایت مقدس جانتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد مزار امام صاحبؒ کے نواح میں دفن ہونا بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مزار کے اِرد گرد بے شمار قبریں بن گئی ہیں۔ لیکن دوسرے تذکروں میں امام صاحبؒ کی سیالکوٹ میں تشریف آوری کے متعلق ایک بالکل دوسری داستان بیان کی گئی ہے۔ اور عام لوگ اسی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۳)

داستانِ شہادت

حضرت امام صاحبؒ شاہی عہدہ دار تھے۔ دل میں عشقِ الٰہی کی آگ بھڑکی تو ملازمت ترک کر کے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ علم و عرفان کی انتہائی بلندیوں کو چھو لیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں انھوں نے کوہستان کانگڑہ کے نواح میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ان دنوں سیالکوٹ پر ایک ہندو راجہ سہنپال کی حکومت تھی۔ وہ پہلے تو دہلی کی (مرکزی) اسلامی حکومت کا باجگذار تھا لیکن آئے دن کے انقلاباتِ حکومت کا فائدہ اٹھا کر خود مختار بن بیٹھا تھا۔ ایک دفعہ نجومیوں نے اسے مشورہ دیا کہ اگر انسانی خون قلعۂ سیالکوٹ کی دیواروں پر چھڑکا جائے تو وہ ناقابلِ تسخیر ہو جائے گا۔ ظالم راجہ نے ایک بے گناہ مسلمان نوجوان کو اس مقصد کے لئے قتل کر ڈالا۔ اس نوجوان کی بوڑھی ماں بحالِ زار امام صاحبؒ کی خدمت میں پہنچی اور ان کو اپنی بپتا سنائی۔ امام صاحبؒ نے اس کی دل جوئی کی اور مدد کا وعدہ فرمایا۔ انہی ایام میں سلطان فیروز شاہ تغلق اپنے لشکر کے ہمراہ کوہستان کانگڑہ کے نواح میں وارد ہوا۔ امام صاحبؒ اسے ملے اور راجہ سہنپال کے ظلم و ستم کا حال بیان کیا۔ سلطان نے کچھ فوج امام صاحبؒ کے سپرد کر کے کہا کہ آپ سیالکوٹ جا کر راجہ کی گوشمالی کریں۔ امام صاحبؒ بڑی تیزی سے سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ پسرور کے قریب سہنپال کا بھائی راجہ جگت پال مزاحم ہوا۔ خونریز جنگ کے بعد اسے شکست ہوئی اور غازیانِ اسلام پسرور پر قابض ہو گئے۔ یہاں سے وہ سیالکوٹ کی طرف بڑھے۔ راجہ سہنپال نے زبردست حفاظتی اقدامات کر لئے اور اس نے مسلمانوں کو شہر سے باہر روکا۔ دو دن زبردست لڑائی ہوتی رہی آخر راجہ پسپا ہو کر قلعہ میں محصور ہو گیا۔ کئی دن کے محاصرہ کے بعد قلعہ بھی فتح ہو گیا لیکن مسلمانوں کے بڑے بڑے نامور افسر شہید ہو گئے۔ امام صاحبؒ بھی شدید زخمی ہوئے اور انہی زخموں کی وجہ سے داعی اجل کو لبیک کہا جس جگہ آپ نے جانِ جاں آفریں کے سپرد کی

وہیں آپ کا مزار بنادیا گیا۔ اسی طرح دوسرے شہداء کو بھی اسی جگہ دفن کر دیا گیا جہاں جہاں انھوں انھوں نے شہادت پائی تھی۔ تاریخ سیالکوٹ صمدی میں حضرت امام صاحبؒ کی وفات کا قطعۂ تاریخ اس طرح درج ہے۔[1]

چوں براہِ ذوالجلالِ ذوالکرام — داد جاں را آں علی لاحق امام

از پئے سالِ شہادت بانگِ حق — در رسید از لطف در گوشِ انام

از سرِ یادِ الٰہ و برتری — رفت از دنیا شہ دارالسلام

اگر حضرت امام صاحبؒ کا سالِ وصال ۸۶۰ھ کی بجائے ۸۵۰ھ مانا جائے تو آپ نے یقیناً بہت طویل عمر پائی ہوگی کیونکہ آپ کے مرشد گرامی حضرت بابا صاحبؒ ۶۶۹ھ میں وفات پاچکے تھے۔ اور آپ کئی سال تک ان کے زیر تربیت رہے تھے۔ گویا سیالکوٹ پر حملہ کے وقت آپ کی عمر سو سال سے اوپر ہوگی۔ اس ضعیف العمری میں عزم جہاد حضرت امام صاحبؒ جیسی جلیل القدر شخصیت کا کام ہی ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رتبۂ شہادت پر فائز کرکے آپ کی دلی آرزو پوری کردی۔

---

[1] یہ حوالہ ہم نے سوانحات عمر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی مؤلفہ منشی محمدالدین فوق سے اخذ کیا ہے۔

بیسواں باب

حضرت باباصاحبؒ کے ملفوظاتِ طیبات

سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں اکابر خواجگانِ چشتؒ کے ملفوظاتِ طیبات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خواجگان کرام مختلف مجلسوں میں جو کچھ ارشاد فرماتے تھے۔ مریدانِ باصفا انھیں قلمبند کرلیتے تھے۔ اور پھر مرتب کرکے انھیں کتابی صورت دے دیتے تھے۔ ملفوظات کے یہ مجموعے ان نقوشِ قدسی کی تعلیمات و ہدایات اور سیرتِ حسنہ کے مظہر ہیں۔ خواجۂ خواجگان حضرت غریب نواز اجمیریؒ نے اپنے مرشد گرامی حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات "انیس الارواح" کے نام سے مرتب فرمائے۔ حضرت خواجہ خواجگانؒ کے ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دلیل العارفین کی صورت میں مرتب فرمائے۔ حضرت قطب الاقطابؒ کے ملفوظات "فوائد السالکین" کے نام سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے مرتب فرمائے۔ شمع سے شمع اسی طرح روشن ہوتی رہی۔ اور اس شمع کی ضوفشانی سے آج بھی اہلِ دل کے سینے روشن ہیں۔ اصل ملفوظات فارسی زبان میں ہیں اور ان کے حقائق و معارف اور لطائف و نکات کا اصلی لطف فارسی ہی میں حاصل ہو سکتا ہے لیکن آجکل فارسی جاننے والے بہت کم رہ گئے ہیں اس لئے بعض بزرگوں نے ان ملفوظات کا اردو ترجمہ کردیا ہے۔ ملفوظات کے اردو تراجم عام طور پر دستیاب ہو جاتے ہیں۔ چونکہ زیرِ نظر کتاب حضرت باباؒ کی سیرتِ حسنہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے قلمبند کی گئی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ملفوظات

طیبات کا خلاصہ بھی اس میں پیش کر دیا جائے۔ ہم نے لفظی ترجمہ کی بجائے مفہوم کو سلیس اردو میں بیان کر دیا ہے تاکہ معمولی پڑھا لکھا طبقہ بھی بغیر کسی دقت کے ان ملفوظات سے استفادہ کر سکے۔ پہلے حصے میں راحت القلوب (مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) کا خلاصہ ہے اور دوسرے میں اسرار الاولیاء (مرتبہ خواجہ بدرالدین اسحقؒ) سیر الاولیاء۔ مرآۃ الاسرار اور اخبار الاخیار سے آپ کے چند اقوال منتخب کر کے درج کئے گئے ہیں۔ راحت القلوب میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے آخری حصے میں چشتیہ سلسلے کے اوراد و وظائف کا ذکر ہے۔ ہم نے ان اوراد و وظائف کو "اعمال و وظائف" کے نام سے ایک علیحدہ باب میں درج کر دیا ہے۔

(۱)

درویشی۔ زکوٰۃ اور اسراف

۵ ار رجب ۶۵۵ھ کو اپنی مجلس میں حضرت بابا صاحبؒ نے دورانِ گفتگو درویشی، زکوٰۃ اور اسراف کی تعریف اس طرح فرمائی۔

درویشی آپ نے فرمایا کہ درویشی نام ہے پردہ پوشی کا اور درویشی کا خرقہ اسی شخص پر سجتا ہے جو اپنے بھائی مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کے عیب بھی چھپائے اور عوام میں ان کی تشہیر نہ کرتا پھرے۔ اور درویش کی صفت یہ بھی ہے کہ دنیا کا جو مال اس کے ہاتھ آئے اسے راہ خدا میں صرف کر دے اور اپنے پاس ایک کوڑی بھی بچا کر نہ رکھے۔ اس کے بعد چند حکایات بیان کر کے آپ نے ارشاد فرمایا کہ درویش کو چاہیئے کہ یہ چار باتیں اختیار کرے۔ اول یہ کہ آنکھوں کو بند کرے تاکہ دوسروں کے عیوب کو نہ دیکھے دوم یہ کہ کان بہرے کرے تاکہ ناشنیدنی (لغو) باتیں نہ سنے۔ سوم یہ کہ زبان گونگی کرلے تاکہ سخن ناگفتنی زبان سے نہ نکلے چہارم یہ کہ پاؤں کو لنگڑا کرے تاکہ بلاضرورت اور ناجائز کسی جگہ نہ جائے۔ جو شخص ان چاروں صفات کا حامل ہے وہ درویش ہے ورنہ اس کے درویش ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

زکوٰۃ حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ اصحابِ طریقت اور مشائخ عظام اپنے فوائد میں لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں (۱) زکوٰۃ شریعت (۲) زکوٰۃ طریقت (۳) زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ دو سو درم پاس ہوں تو پانچ درم ان میں سے راہِ خدا میں دیدے۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو درم میں سے پانچ درم اپنے پاس رکھے اور ایک سو پچانوے راہِ خدا میں دیدے اور زکوٰۃ حقیقت

یہ ہے کہ ان دوسو درم میں سے ایک کوڑی بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ سب راہِ خدا میں لٹا دے۔ اس لئے کہ درویشی خود فروشی ہے۔

اسراف مولانا بدرالدین اسحاق ؒ نے پوچھا کہ اسراف کیا ہے اور اس کی حدود کیا ہیں حضرت بابا صاحب ؒ نے فرمایا کہ جو کچھ بلا سوچے سمجھے اور رضائے الٰہی کے خلاف خرچ ہو وہ اسراف ہے۔ اور راہِ خدا میں خواہ تمام دنیا کی چیزیں دیدی جائیں وہ اسراف نہیں ہے۔

---

(۲)

صلاحیتِ قلب اور استغنا

۲۰ رجب المرجب ۶۵۵ھ کو حضرت بابا صاحب ؒ نے اپنی مجلس خاص میں صلاحیتِ قلب اور استغنا کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی ؒ اپنے استاد کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تک آدمی صیقلِ محبت سے اپنے آئینۂ قلب کو زنگِ دنیا دی سے پاک نہیں کرتا اور ذکرِ حق سے موانست نہیں پکڑتا اور غیر کی ہستی کو درمیان سے نہیں ہٹاتا اس وقت تک قربِ الٰہی سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ دل کے لئے بھی زندگی اور موت ہے۔ دل اپنی زندگی اور موت علیٰحدہ رکھتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَمَنْ كَانَ مَيْتًا"، یعنی دنیا میں زیادہ مشغول رہنے سے دل مرجاتا ہے فَأَحْيَيْنَاهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ پس زندہ کرتے ہیں اُسے ذکرِ الٰہی سے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب دل لذاتِ دنیا شہواتِ ماکولات و مشروبات میں مبتلا ہوتا ہے تو غفلت اور حرص وہوا اس پر اثر کرتی ہے۔ اور دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ دل سیاہ ہو جاتا ہے اور دل کی سیاہی بمنزلہ اس کی موت کے ہے۔ کیونکہ دل کی مثال زمین کی ہے کہ بنجر ہو تو تخم قبول نہیں کرتی اور دل اگر ذکرِ الٰہی سے معمور ہو تو وہ زندہ ہے اور ہر طرح کی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ "تحفۃ العارفین" میں خواجہ ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ اصل صلاحیت دل سے ہے۔ دل زندہ ہے تو انسان خود بخود راہِ راست پر چلتا ہے اور کتاب "عمدہ" میں شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ اصل اس راہ میں دل کی صلاحیت ہے اور دل کی صلاحیت اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ اپنی ذات کو ہر قسم کے غل وغش دنیا دی اور حسد و نفاق اور بخل

سے پاک وصاف کرے۔ درویشوں کے یہی خواص ہیں۔

اس کے بعد آپ نے چشم پُر آب ہو کر فرمایا کہ جو درویش دنیا کی شان و شوکت کا طلبگار رہے اور دنیا میں مشغول رہتا ہو وہ درویش نہیں ہے بلکہ درویشی کو بدنام کرنے والا ہے اور مرتد طریقت ہے کیونکہ فقراء دنیا پرستی سے اعراض کرتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب میں بغداد میں تھا تو خواجہ اجل شیرازیؒ کتاب عمدہ کے حوالے سے فرماتے تھے کہ درویش کے لئے مطلق حرام ہے کہ وہ سلاطین و امراء کے دروازوں پر حاجتمند بن کر جائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ مشائخ طریقت کا قول ہے کہ صُحْبَۃُ الْاَغْنِیَاءِ لِلْفُقَرَاءِ سَمٌّ قَاتِلٌ یعنی امیروں کی ہمنشینی فقراء کے لئے زہر قاتل ہے پس جہاں تک ہو سکے امیروں کی صحبت سے بچنا چاہیئے کیونکہ امیروں کے دلوں میں دنیا کی محبت استوار ہوتی ہے اور یہ ان سے ملنے والوں کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہے وہ مردودِ طریقت ہے۔

بعدہٗ باباصاحبؒ نے فرمایا کہ راہِ سلوک میں اصل چیز صلاحیتِ قلب ہے۔ اور یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو لقمۂ حرام سے پرہیز کرتا ہے۔ اور اہلِ دنیا سے مجتنب رہتا ہے اور گلیم پہننا بھی ایسے ہی شخص کو روا ہے۔ دوسرا اس کا سزاوار نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ فرماتے تھے کہ میں حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کی خدمت میں دس سال تک رہا ہوں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ کسی بادشاہ یا امیر کی ملاقات کے لئے گئے ہوں۔ صرف نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے صومعہ سے جامع مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ خواجہ مودودؒ فرماتے تھے کہ جب کوئی درویش کسی بادشاہ یا امیر کے دروازہ پر جائے اس سے گلیم اور جملہ اسباب درویشی چھین لینا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا شخص درویش نہیں ہے بلکہ دروغ گو ہے۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ جو شخص بالوں کا جامہ پہنے (یعنی راہِ فقر اختیار کرے) اسے نہ تو چرب و شیریں لقمہ کھانا چاہیئے اور نہ ہی بادشاہوں اور امیروں سے میل جول رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ لباسِ درویشی پہننے کا حقدار نہیں ہے۔

---

(۳)

مرید کرنے اور مرید ہونیکے آداب

۱۰ ارشعبان المعظم ۱۳۵۵ھ کو حضرت باباصاحبؒ نے اپنی مجلسِ خاص میں پیر کی صفات اور مرید کرنے اور مرید ہونے کے آداب بتائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے "سیر العارفین" میں پڑھا ہے کہ جو شخص مرید ہونے کا ارادہ کرے اس کو چاہیئے کہ پہلے غسل کرے اور رات بھر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے۔ اگر رات بھر نہ جاگ سکے تو پنجشنبہ یا دوشنبہ کو چاشت کے وقت اپنے تمام عزیز و اقارب (اور اگر قریبی عزیز نہ ہوں تو صالح مسلمانوں) کو جمع کر کے مرشد کے پاس جائے پھر مرشد قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور دو رکعت نماز استخارہ پڑھے (راحت القلوب کے بعض نسخوں میں مرید کیلئے نماز استخارہ پڑھنا لکھا ہے) پھر اپنے دوسرے مریدوں کو بھی بلا کر اپنے روبرو بٹھلائے۔ اور آیات متبرکہ پڑھ کر اس مرید ہونے والے کے منہ پر دم کرے اور پھر اسے غسل کرنے کا حکم دے۔ جب وہ غسل کر کے آئے تو آیاتِ متبرکہ (قوارع) دوبارہ پڑھ کر اس کے منہ پر دم کرے پھر اس کو مستقبل قبلہ بٹھا کر قینچی ہاتھ میں لے اور تین مرتبہ بآوازِ بلند تکبیر کہہ کر ایک بال اس کی پیشانی کی دائیں طرف سے اور ایک بائیں طرف سے کترے۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف ایک ہی بال لینا کافی ہے۔

اس کے بعد باباصاحبؒ نے فرمایا کہ شیخ کو ایسا ہونا چاہیئے کہ جب کوئی اس کے پاس مرید ہونے کے لیے آئے تو وہ اپنی قوتِ باطنی سے اس کے سینے کی تمام کدورتیں دور کر دے اور اسے آئینہ کی طرح روشن کر دے۔ اگر اس میں یہ قوت نہیں ہے تو پھر مرید نہ کرے ورنہ دوسرے کو بھی گمراہ کرے گا۔

اسی محل میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ شیخ کو چاہیئے کہ مرید کرنے سے پہلے مرید کو جانچ لے پہلے یہ دیکھے کہ وہ نفسِ امارہ کے پنجے میں تو گرفتار نہیں ہے۔ پھر دیکھے کہ نفسِ لوامہ کے قبضے میں تو نہیں ہے پھر نفسِ مطمئنہ پر نظر کرے اور پھر دیکھے کہ مرید ہونے والے میں اوصافِ سلیم بھی ہیں یا نہیں۔ جب ہر طرح اطمینان کر لے تو پھر اسے حلقہ ارادت میں داخل کرے۔

اسی ضمن میں آپ نے فرمایا کہ جو شیخ اپنے مریدوں کو مذہب اہلِ سنت پر نہیں چلاتا اور خود بھی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ اس کی حیثیت ایک ٹھگ سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ دھوئیں سے آگ کا پتہ چلتا ہے اور مرید سے پیر کا۔ شیخ کی بے راہ روی ہی مریدوں

کی گمراہی کا باعث ہوتی ہے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر ایک مومن کے دل میں عظمت و کرامتِ الٰہی رکھی گئی ہے اور اس میں قربِ الٰہی حاصل کرنے کا مادہ موجود ہے لیکن افسوس کہ لوگ دل کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ راہِ راست سے بھٹک کر گمراہی کی دلدل میں جا پھنستے ہیں۔ اہل سلوک کا قول ہے کہ قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ یعنی مومن کا قلب اللہ تعالےٰ کا عرش ہے۔

بعدہٗ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ شیخ جس کے آگے ابھی ستر پردے (حجاب) ہوں جو نور معرفت سے بے بہرہ ہو اور مقراض چلانے اور عطائے خرقہ کے آداب سے بھی واقف نہ ہو اس کی مثال ایک رہزن کی ہے کہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ پس شیخ کیلئے ضروری ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم رکھتا ہو۔ مقراض چلانے اور عطائے خرقہ کے آداب سے آگاہ ہو اور طریقۂ سلف و اہل سنت والجماعت پر قائم ہو اگر وہ کسی کو مرید کرے تو درست ہے۔

اس کے بعد بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ خواجہ شقیق بلخیؒ نے "دلیل الشافی" میں لکھا ہے۔ کہ جو درویش لوگوں سے بہت زیادہ میل جول رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ خلق سے اختلاط خلل سے خالی نہیں ہے۔ اور خواجہ بایزید بسطامیؒ نے "رسالۂ سلوک" میں فرمایا ہے کہ درویش کو چاہیئے کہ ضرورت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالے اور اہل دنیا کے مجمعوں میں شامل نہ ہو البتہ علماء (اہل علم) کی صحبت میں بیٹھے تو کچھ مضائقہ نہیں اور بلا ضرورت گفتگو کرنے سے اجتناب بھی ضروری ہے کیونکہ اس سے روشن ضمیری جاتی رہتی ہے۔

اس کے بعد بابا صاحبؒ نے تلقینِ ذکر کے کچھ طریقے بتلائے اور پھر فرمایا کہ میں نے "شرح الاسرار" مصنفہ خواجہ ناصرالدین ابویوسف چشتی قدس سرہٗ حضرت ذوالنون مصریؒ کا یہ قول پڑھا ہے کہ مرشد مرید کے لیئے "انّا" کی حیثیت رکھتا ہے کہ بچہ بدخوئی کرتا ہے تو وہ اسے دوسرے کاموں میں مصروف کرکے نیک بنانے کی سعی کرتی ہے۔ اسی طرح مرشد بھی کبھی مرید کو تلقین ذکر کرتا ہے اور کبھی اسے قرآن مجید کی تلاوت کا حکم دیتا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً اسے اہل دنیا سے بچنے کی نصیحت کرتا ہے کیونکہ ان کی صحبت درویش کے حق میں سم قاتل ہے اور مالداروں کی صحبت سے بدتر کوئی صحبت نہیں۔

اس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو مرشد کامل نہ ملے اسے چاہیئے کہ کتب اہلِ سلوک اکثر مطالعہ میں رکھے اور ان کا اتباع کرے پھر فرمایا درمرشد کو چاہیئے کہ مرید کو وصیت کرے کہ بادشاہوں اور اہلِ دنیا سے دور رہے اور شہرت و ثروت کی خواہش نہ کرے۔ بلا ضرورت (فضول) بات نہ کرے اور ضرورت کے بغیر ادھر اُدھر نہ پھرے۔ حُبِ دنیا تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ"

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر شبلیؒ کا ارشاد ہے کہ بندگانِ خدا جمعے کی رات کو جاگ کر ذکر یا تلاوتِ کلام پاک یا نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ اس رات کو نماز پڑھنا البتہ افضل ہے کیونکہ ارشاد ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

اس کے بعد بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ راہ سلوک پر چلنے والے اہلِ دنیا کی صحبت سے بچتے ہیں اور صالحین کی صحبت اختیار کرتے ہیں کیونکہ رسولِ کریمؐ کا ارشاد ہے صُحْبَۃُ الصَّالِحِیْنَ نُوْرٌ وَّرَحْمَۃٌ لِلْعٰلَمِیْنَ یعنی صحبتِ صالحین اہل عالم کے لئے نور و رحمت ہے۔

---

(۴)

فضائل رمضان المبارک

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ۵ رمضان المبارک ۶۵۵ھ کو حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی مجلس حسنہ میں فرمایا۔ رمضان المبارک بڑا مقدس مہینہ ہے۔ اس میں شیطان مردود مقید کر دیا جاتا ہے اور رحمت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر مومن کے سر پر ایک فرشتہ خوانِ نعمت لئے کھڑا رہتا ہے اور صبح و شام فرشتوں کی آمد و رفت زمین اور آسمان کے درمیان جاری رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ روزہ افطار کرے تو فوراً ایک طبق رحمت اس پر ڈال دو۔

پھر ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر عبادت کی جزا مقرر فرمائی ہے لیکن روزہ کی کوئی جزا مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کی جزا کے بارہ میں فرمایا ہے۔

"اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ"

یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

(گویا ہر روزہ کا ثواب بےحد و حساب ہے اور اس کا اندازہ خداتعالیٰ ہی کو معلوم ہے)

پھر فرمایا کہ روزہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ایک راز ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حق عزوجل نے اس ماہِ مقدس کے تین حصے مقرر کئے ہیں اور ہر حصہ کا جداگانہ نام رکھا ہے۔

پہلے عشرہ (دس دن) کا نام "عشرۂ رحمت" ہے۔ اس عشرے میں رحمتِ عام نازل ہوتی ہے۔

دوسرے عشرہ کا نام "عشرۂ مغفرت" ہے۔ اس عشرے میں مغفرت اور بخشش عام نازل ہوتی ہے۔ اور ہر لمحہ لاکھوں مسلمانوں کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

تیسرے عشرہ کا نام "عشرۂ آزادی از دوزخ" ہے۔ اس عشرہ میں ہر مسلمان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل و کرم سے بخش دیتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص ماہِ رمضان کی آمد سے خوش ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو سال بھر رنجیدہ نہ کرے گا۔ اور اس کی روزی میں برکت دے گا۔ اور جو شخص ماہِ رمضان کے رخصت ہونے پر غمزدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دونوں جہان کی سعادتیں عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور بیشمار بدیاں روزہ دار کے نامۂ اعمال سے دھوئی جاتی ہیں۔

شبِ قدر اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں شبِ قدر ہوتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس عشرے کی ہر رات "شبِ قدر" ہے انسان کو چاہیئے کہ ان راتوں میں یادِ حق سے ہرگز غافل نہ رہے ایسا نہ ہو کہ شبِ قدر کی سعادت سے محروم ہو جائے۔ اور صوفیائے کرام کے گروہ میں تو ایسے ایسے مردانِ کامل ہیں کہ ان کے لئے سال کی ہر شب "شبِ قدر" ہے۔ کیونکہ اس شب کی نعمت تمام راتوں میں ملی ہوئی ہے۔ اور ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے اس ماہِ مبارک کی ہر شب کو ایک ایک بار قرآن کریم تراویح کی بیس رکعتوں میں ختم کیا ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ ہر شب تراویح میں دو بار قرآنِ کریم ختم فرماتے تھے۔

اس کے بعد آپ نے شیخ عبداللہ محمد باخرزیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کا کچھ حال بیان کیا اور پھر حاضرینِ مجلس سے فرمایا۔

"یہ ماہِ رمضان ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس میں ہر روز تراویح میں ختم قرآن کیا جائے تم میں سے کون کون میرا ساتھ دے گا"

سب نے عرض کی کہ زہے سعادت اس سے بڑھ کر ہماری کیا خوش نصیبی ہوگی۔ اس روز سے بابا صاحبؒ نے تراویح میں دو ختم قرآن شروع کئے بلکہ دس سیپارے زیادہ پڑھ جاتے اور تھوڑی رات رہے فارغ ہوتے۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا بیان ہے کہ اس رمضان میں دعاگو نے حضرت شیخ الاسلامؒ (بابا صاحبؒ) کی اقتداء کی۔

---

(۵)

ترکِ دنیا

بارہ ذیقعدہ ۶۵۵ھ کو بابا صاحبؒ کی مجلس میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے علاوہ مولانا بدرالدین غزنویؒ شیخ جمال الدین ہانسویؒ اور بہت سے دوسرے مریدان عقیدت کیش موجود تھے۔ آپ نے ترک دنیا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس دن سے خداوند کریم نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اس دن سے آجتک ایک مرتبہ بھی اس پر نظر رحمت نہیں ڈالی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ مومنوں کو دو چیزوں سے ڈرنا چاہیئے ایک درازئ امل (امید یا آرزو) سے اور دوم متابعت دنیا و ہوائے نفس سے۔ کیونکہ درازئ امل آخرت کو فراموش کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اور ہوائے نفس بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے۔ اور میں نے غزنی میں ایک بزرگ سے سنا تھا کہ دنیا کی انسان کی طرف پشت ہے اور آخرت کا منہ۔ اور زندگی میں یہ دونوں ساتھ ہیں۔ آدمی کو چاہیئے کہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دے۔ آخرت ہی اس کے کام آئے گی۔ یہاں نیک عمل کروگے تو آخرت میں کام آئیں گے۔ کیونکہ وہاں نیک عمل کرنے کا موقع نہ ملے گا۔

پھر فرمایا کہ خواجہ عبداللہ سہل تستریؒ نے اپنا سب مال و اسباب راہِ خدا میں لٹا دیا۔ اہل و عیال ان کو ملامت کرنے لگے کہ آپ نے ضروری اخراجات کے لئے تو کچھ رکھ لیا ہوتا۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" "اللہ تعالیٰ خود مسبب الاسباب ہے"

اس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے "اسرار العارفین" میں خواجہ یحییٰ معاذ رازیؒ کا یہ ارشاد پڑھا ہے کہ حکمت جب آسمان سے اتری تو اس نے صرف انہی دلوں کو اپنا مسکن بنایا جن میں یہ امراض نہ تھے اول حرصِ دنیا، دوم اندیشۂ فردا، سوم مومنوں سے بغض و حسد چہارم حُبِّ شرف و جاہ۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں برادرم بہاؤ الدین زکریاؒ کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا تھا۔ دوز ہد کے متعلق گفتگو چھڑ گئی انھوں نے فرمایا کہ جس میں یہ تین چیزیں نہیں ہیں وہ زاہد نہیں ہے اول دنیا کا جاننا اور پھر اس سے ہاتھ اٹھا لینا دوم اطاعتِ الٰہی کرنا اور آداب ملحوظ رکھنا سوم آخرت کی بہتری کی خواہش کرنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کو طلب کرنا۔

اس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ خواجہ فضیل بن عیاضؒ سے منقول ہے کہ قیامت کے دن دنیا بن سنور کر میدانِ حشر میں نکلے گی اور بارگاہِ رب العالمین میں عرض کرے گی کہ الٰہی تو مجھ کو اپنے ایک بندے کی سزاوار کر۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اے دنیا نہ میں تجھے پسند کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہوں جو تجھے دوست رکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی دنیا ھباءً منثورا (ریزہ ریزہ) ہو جائے گی پس انسان کو چاہیئے کہ دنیا پرست نہ بنے ورنہ آخرت میں اس کے ساتھ برباد ہونا ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جس قدر فتوح آتی ہیں میں وہ سب راہِ خدا میں صرف کر دیتا ہوں۔ اگر جمع کر دوں تو ایک خزانہ جمع ہو جائے اور میں دنیا داربن جاؤں۔ خواجہ مودود چشتیؒ شرحِ اولیا میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بدیوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اس جگہ پہنچنے کا راستہ دنیا کو بنایا ہے۔ جو شخص دانا ہے وہ اس راستے کے قریب تک نہیں پھٹکتا۔ اس وقت "تفسیر امام زاہد" حضرت بابا صاحبؒ کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے اس میں سے یہ مقام پڑھا "نَجَاءَ الْمُخَفَّفُوْنَ وَھَلَکَ الْمُثْقِلُوْنَ" یعنی سبکساروں نے نجات پائی اور ہلاک ہوئے وہ لوگ جو گراں بار تھے۔

"ذکرِ الٰہی"

اس کے بعد ذکرِ الٰہی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر سب چیزوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ پس لوگوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس نعمتِ عظمٰی سے محروم رہیں اور ذکرِ الٰہی سے غافل رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ محض دوست کا نام سن کر ہی جان و مال فدا کر دیتے ہیں۔ "آثار تابعین" میں ہے کہ ایک درویش جنگل میں ساٹھ سال سے عالمِ تحیر میں کھڑے تھے۔ ناگاہ غیب سے آواز آئی "یا اللہ" انھوں نے جب یہ نعرہ سنا تو اسی وقت زمین پر گر پڑے اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔

پھر فرمایا کہ اہلِ سلوک اگر کبھی ذکرِ الٰہی سے غافل ہو جائیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم مر گئے اگر زندہ

ہوتے تو یادِ الٰہی سے کیوں غافل ہوتے۔

اسی ضمن میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے جو ہر روز بیس ہزار بار اللہ کا ورد کرتے تھے ایک دن یہ وظیفہ ان سے فوت ہو گیا۔ غیب سے آواز آئی کہ فلاں ابن فلاں مر گیا۔ اہلِ شہر یہ آواز سن کر ان بزرگ کے مکان پر گئے تو انہیں زندہ پایا۔ انھوں نے فرمایا جس وقت تم نے یہ آواز سنی میں واقعی مردہ تھا کیونکہ میرا وظیفہ مجھ سے فوت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد باباصاحبؒ نے فرمایا کہ زبان پر حق تعالیٰ کا ذکر جاری رہنا ایمانداری کا نشان ہے اور نفاق سے بیزاری کی علامت ہے۔ ذکرِ الٰہی بلاؤں سے بچنے کے لئے حصار ہے اور آتشِ دوزخ سے نجات دلانے والا ہے۔ "شرح مشائخ" میں مرقوم ہے۔ کہ جب مومن ذکرِ الٰہی کے لئے زبان کھولتا ہے تو آسمان سے آواز آتی ہے کہ تم پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو اس نے تمہارے گناہ بخش دیئے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اپنی سیاحت کے دوران ملک سیوستان میں میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ عالم سکر میں ایستادہ تھے اور زبان پر ذکرِ الٰہی جاری تھا میں ان کے پاس ٹھہر گیا۔ ایک دن ہوش میں آئے تو فرمانے لگے کہ حق تعالیٰ جس کو سعادتِ دارین نصیب فرماتے ہیں۔ اس کو اپنے ذکر کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ وہ شخص ہر آن حق تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بجز وقت قضائے حاجت ہر وقت ذکرِ الٰہی کرنا چاہیئے۔ پھر فرمایا کہ ایک بزرگ چنداں پڑھے لکھے نہ تھے لیکن جس کسی کو حدیث میں کوئی اشکال پیش آتا وہ ان کے پاس آتا اور وہ نہایت حسن وخوبی سے اس اشکال کو رفع فرمادیتے تھے۔ علم حدیث میں ان کی یہ مہارت محض ذکرِ الٰہی کی کثرت کے سبب سے تھی۔

ڈاڑھی میں کنگھی کرنا

اس کے بعد ڈاڑھی میں کنگھی کرنے کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا کہ ڈاڑھی میں کنگھی کرنا جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور یہی طریقہ دوسرے پیغمبران علیہم السلام کا تھا۔ جو شخص رات کو ڈاڑھی میں کنگھی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو فقر و تنگدستی سے محفوظ رکھے گا اور ڈاڑھی کے ہر ایک بال کے عوض ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اگر لوگ کنگھی کرنے کے ثواب عظیم سے واقف ہو جائیں تو دوسری عبادات کی نسبت اس طرف زیادہ متوجہ ہو جائیں۔

پھر فرمایا کہ ایک شخص کی کنگھی دوسرے کو استعمال نہیں کرنی چاہیئے اس سے دونوں میں جدائی پڑنے کا امکان ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایک شخص کے دو

توام پیدا ہوئے جو آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ یہ خبر حضورؒ تک پہنچائی گئی اور آپ سے درخواست کی گئی کہ ان بچوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی تدبیر بتائیں۔ حضور اس بارے میں سوچ رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی "یا رسول اللہ حکم فرمایئے کہ ان دونوں بچوں کے سروں میں ایک ہی کنگھی کی جائے۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے"۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور دونوں بچے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔

نماز باجماعت اس کے بعد باباصاحبؒ نے فرمایا کہ نماز باجماعت کا اہتمام کرنا بہت ضروری ہے اگر دو آدمی بھی ہوں تو نماز جماعت سے ادا کرنی چاہیئے۔ اگرچہ دو آدمیوں پر جماعت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مگر ثواب جماعت ہی کا ملتا ہے۔

ذکرِ حق کے چھ فضائل اس کے بعد حضرت باباصاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ اطرافِ لاہور میں میری ملاقات ایک صاحبِ نعمت بزرگ سے ہوئی انھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے ذکرِ الٰہی سے چھ باتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ جب ذکر شروع کرتا ہوں تو میرا دل مشاہدۂ حق میں مشغول ہو جاتا ہے۔

دوم یہ کہ بوقت ذکرِ حق تعالیٰ مجھے گناہوں سے باز رکھتا ہے اور میرے دل میں خیالات دنیاوی نہیں آتے۔ اور جس شخص کے دل سے ذکر کے وقت دنیاوی خیالات دور نہ ہوں اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔

سوم یہ کہ ذکرِ حق تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کی دوستی اور محبت دل میں مستحکم ہوتی ہے۔

چہارم یہ کہ کثرتِ ذکر کی بدولت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نصیب ہوتی ہے اور ہر قسم کی بلاؤں سے حفاظت ہوتی ہے۔

پنجم یہ کہ ذاکر کا خاتمہ بخیر ہوگا۔

ششم یہ کہ اللہ تعالیٰ ذاکر کا قبر میں مددگار ہوگا۔

اس کے بعد باباصاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں اور اس میں سب سے افضل کلام اللہ شریف کی تلاوت ہے کہ اس کا ثمرہ تمام عبادتوں سے زیادہ ہے۔

سورۂ ملک کی فضیلت اس کے بعد حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا میں نے قطب الاسلام شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ سے سنا ہے کہ حدیثِ مبارک میں ہے کہ توریت میں سورۂ ملک کا نام ماثورہ ہے اور فارسی میں ماثورہ کے معنی

عذاب قبر سے محفوظ رکھنے والے کے ہیں گویا اس سورۂ مبارک کی کثرت سے تلاوت کرنے والا عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

سورۂ یٰسین کی فضیلت پھر فرمایا کہ جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے گا شب قدر کے برابر ثواب پائے گا۔

ذکرِ اللہ کی فضیلت اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے جو دن رات اللہ اللہ کا ورد کرتے تھے۔ ایک دن کہیں جا رہے تھے کہ ایک لکڑی ان کے سر پر آ گری جس سے سر زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ خون کا ہر قطرہ جو زمین پر گرتا تھا اس سے نقش "اللہ" بن جاتا تھا پس سمجھ لینا چاہیئے کہ جو شخص جس کام میں مشغول و مستغرق رہتا ہے اس کا خاتمہ بھی اسی میں ہو گا۔

دعا کی فضیلت اس کے بعد گفتگو کا موضوع دعا کی طرف پھر گیا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ "فتاوی کبریٰ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہیں "لَیْسَ شَیْئٌ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے روایت کی ہے کہ "قوت القلوب" میں تحریر ہے "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الدُّعَاءِ" یعنی اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو بہت دوست رکھتا ہے جو بہت دعا مانگتے ہیں۔ ایک دفعہ ملتان میں خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ اور یہ فقیر ایک جگہ اکٹھے بیٹھے تھے ایک بزرگ صاحب نعمت بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص چار چیزیں ترک کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اُسے چار چیزوں سے محروم کر دیتا ہے اول جو شخص زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دیتا ہے خداوند کریم اس کے مال سے برکت اٹھا لیتا ہے دوم جو شخص قربانی نہیں دیتا اللہ تعالیٰ اسے عافیت سے محروم کر دیتا ہے۔ سوم جو شخص نماز ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے مرتے وقت ایمان جدا کر دیتا ہے نعوذ باللہ منہا۔ چہارم جو شخص دعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے اس کی دعا مستجاب ہی نہیں ہوتی۔

اس کے بعد فرمایا کہ بغداد میں ایک شخص کو بھوکے شیر کے سامنے ڈالا گیا لیکن شیر نے اسے مطلق منہ تک نہ لگایا حالانکہ وہ سات دن تک اس کے سامنے پڑا رہا۔ اس کی سلامتی اس دعا کے پڑھنے کے سبب سے تھی۔

یَادَائِمًا بِلَا فَنَاءٍ وَّیَا قَائِمًا بِلَا زَوَالٍ یَابَشِیْرُ یَاقَدِیْرُ اور دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس دعا کا پڑھنا مفید ہے۔ پھر بابا صاحبؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ انسان کا دشمن نفسِ امارہ اور شیطان لعین ہے۔

(۶)

ماہِ ذی الحجہ کے فضائل

۲ ماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ کے دن حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی مجلس میں ماہ ذی الحجہ کی فضیلت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اوراد شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ منقول ہے کہ جو شخص ذوالحجہ کی پہلی شب کو دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ سورہ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ انعام کی اول تین آیات اور دوسری رکعت میں ایک بار سورۂ یَاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ پڑھے۔ خدا تعالیٰ اسے بیحد ثواب عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت وہب بن منبہؓ کے حوالے سے فرمایا کہ جو شخص ذوالحجہ کے دس دنوں میں یہ کلمات پڑھے اس کو بارہ ہزار بار توریت کی تلاوت کرنے کا ثواب ملے گا۔ بارہ ہزار نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی اور بارہ ہزار گناہ معاف ہوں گے۔

پہلے دن سو مرتبہ پڑھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

دوسرے دن سو مرتبہ پڑھے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اِلٰھًا وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا فَرْدًا وِّتْرًا لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا۔

تیسرے دن سو مرتبہ پڑھے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

چوتھے دن سو مرتبہ کہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

پانچویں روز سو مرتبہ پڑھے۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَکَفٰی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ دَعَا لَیْسَ وَرَاءَہٗ الْمُنْتَھٰی سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَزَلْ کَرِیْمًا وَّلَا یَزَالُ رَحِیْمًا۔

چھٹے دن نئے سرے سے شروع کرے اور وہی ترکیب پڑھنے کی ملحوظ رکھے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عشرہ ذی الحجہ میں جو شخص وتروں کے بعد اور سونے سے پہلے دو رکعت نماز اس طرح ادا کیا کرے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص ایک ایک بار پڑھے اللہ تعالیٰ اسے اس قدر ثواب عطا فرمائے گا کہ جب تک بہشت کی جھلک نہ دیکھ لے نہیں مرے گا۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ عید اضحیٰ کی رات میں بارہ رکعت نماز اس طرح ادا کرنی چاہیئے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پانچ بار پڑھے۔ اس کا ثواب بیحد وحساب ہے۔ اسی طرح آپ نے ماہ ذی الحجہ کے بہت سے فضائل و اعمال بیان فرمائے۔

---

(۷)

مسلکِ حنفی کی فضیلت

۷ رماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ کو حضرت باباصاحبؒ نے اپنی مجلس خاص میں اہل سنت والجماعت کے مسالک کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اول مذہب امام اعظم ابو حنیفہؒ کا دوسرا امام شافعیؒ کا تیسرا امام احمد حنبلؒ کا اور چوتھا امام مالکؒ کا ہے۔ جو شخص ان چاروں مسالک میں سے کسی ایک پر بھی یقین نہ رکھتا ہو (یعنی اسے برحق نہ جانتا ہو) وہ زمرۂ اہلِ سنت میں سے نہیں ہے۔ ان چاروں مسالک کے مجتہد کتاب اللہ اور حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے اور بدعت کے نزدیک تک نہیں جاتے تھے۔ البتہ ان مسالک میں امام اعظمؒ کا مسلک افضل تر ہے۔ وھو افضل المتقین والمتقدمین رضی اللہ عنہ۔ اور میں بھی مسلک حنفی کا پابند ہوں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں مرقوم ہے کہ جب آخری بار حضرت امام ابو حنیفہؒ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ تو ان کے دل میں یہ خیال گذرا کہ شاید دوبارہ بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے خدام کعبہ سے درخواست کی کہ حرم کا دروازہ کھول دو تاکہ ایک رات حرم کے اندر یادِ الٰہی میں بسر کروں خدام نے عرض کی کہ اس سے پہلے کبھی کسی کو یہ نعمت نصیب نہیں ہوئی چونکہ آپ نے علم پھیلایا اور خلق خدا کی اصلاح کی اس لئے یہ نعمت آپ کے حصے میں آئی۔ چنانچہ انھوں نے حرم کا دروازہ کھول دیا۔ امام اعظمؒ اندر تشریف لے گئے پہلے داہنے پاؤں پر کھڑے ہو کر نصف قرآن مجید پڑھا پھر بائیں پاؤں پر کھڑے ہو کر بقیہ نصف ختم کیا۔

فارغ ہو کر مناجات کی کہ بار الٰہا تیری عبادت کا حق تو مجھ سے ادا نہیں ہو سکا لیکن تیری بخشش اور رحمت سے امید ہے کہ میری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔ اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ اے ابو حنیفہ تم نے ذات باری کو پہچانا جیسا کہ حق پہچاننے کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں بخش دیا اور تیرے مسلک کی پیروی کرنے والے بھی بخشے جائیں گے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت امام اسمٰعیل بخاریؒ سے روایت ہے کہ میں نے امام شیبانیؒ کو خواب میں دیکھا۔ اور ان سے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا انھوں نے جواب دیا کہ مجھ کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دی اور فرمایا کہ تیری بخشش علم کی اشاعت کرنے کے سبب سے ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ امام ابو یوسفؒ کہاں ہیں انھوں نے جواب دیا کہ میرے اور ان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے پھر میں نے سوال کیا کہ حضرت امام اعظمؒ کہاں ہیں انھوں نے جواب دیا کہ وہ علیین میں ہیں۔ اس کے بعد باباصاحبؒ نے فرمایا کہ زبان کو یارا نہیں کہ امام اعظمؒ کے عظیم رتبے کا ذکر کر سکے۔

---

(۸)

درود شریف کی فضیلت

۲۰ رماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ کو حضرت باباصاحبؒ نے اپنی مجلس مبارک میں درود شریف کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے "آثار اولیاء" میں پڑھا ہے کہ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صدق دل سے درود بھیجتا ہے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا اسی وقت ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور ایک لاکھ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اور اس کا نام زمرۂ اولیاء میں تحریر ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ صحابہ کرامؓ تابعین و مشائخ نے اپنے آپ پر درود شریف کا وظیفہ لازم کر لیا تھا جس کو وہ مقررہ اوقات پر ضرور ادا کرتے تھے اگر رات کو بھی فوت ہو جاتا تو اپنے تئیں مردہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہم زندہ ہوتے تو رسول اکرمؐ پر درود شریف بھیجنا ہم سے کیسے فوت ہوتا حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے۔ ایک رات ان کا وظیفہ فوت ہو گیا۔ صبح اٹھے تو یوں ماتم میں مشغول ہو گئے گویا ان کا کوئی نہایت قریبی عزیز مر گیا ہو۔ لوگ تعزیت

کے لئے آتے اور استفسار حال کرتے آپ فرماتے کہ یہ ماتم اس وجہ سے ہے کہ آج میں ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہوا۔ ابھی وہ اسی کیفیت میں مبتلا تھے کہ غیب سے آواز آئی کہ اے یحییٰ ہر روز تجھے درود شریف پڑھنے کا جتنا ثواب ملتا تھا۔ آج تجھے اس سے سوگنا ثواب دیا گیا۔ یہ بیان فرما کر حضرت باباصاحبؒ چشم پرآب ہوگئے اور پھر فرمانے لگے کہ ایک شب خواجہ سنائیؒ نے رسول مقبولؐ کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ اپنا روئے انور ان سے چھپاتے ہیں۔ خواجہ سنائیؒ نے دوڑ کر حضورؐ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میری جان آپ پر فدا کیا سبب ہے کہ حضور اپنا روئے مبارک اس عاجز سے موڑتے ہیں۔ حضورؐ نے خواجہ سنائیؒ کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا "اے سنائی تو نے اس قدر درود بھیجا ہے۔ کہ میں تم سے محجوب ہوں" یہ فرما کر حضرت باباصاحبؒ زور سے ہائے ہائے کر کے رونے لگے۔ جب ذرا سکون آیا تو فرمایا کہ ایک وہ مقدس ہستیاں تھیں کہ جن کی کثرتِ درود خوانی سے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم بھی محجوب ہوتے تھے۔ ہزار سلام و رحمت ہو ان کی روحوں پر۔

پھر اسی محفل میں فرمایا کہ ایک مرتبہ چند یہودی ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ایک مسلمان فقیر نے ان کے سامنے آکر دستِ سوال دراز کیا۔ سامنے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لا رہے تھے۔ یہودیوں نے ازراہِ تمسخر فقیر سے کہا کہ وہ دیکھو "شاہِ مرداں" آرہے ہیں ان سے جاکر مانگ۔ وہ درویش امیرالمومنینؓ کے پاس گیا اور سلام کرکے اپنی عسرت کا حال بیان کیا۔ حضرت علیؓ کے پاس اس وقت کچھ نہیں تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہودیوں نے اس کو میرے پاس آزمائش کے لئے بھیجا ہے۔ آپ نے اس درویش کا ہاتھ پکڑ کر اس پر دس مرتبہ درود شریف پڑھا اور فرمایا کہ مٹھی بند کرکے ان یہودیوں کے پاس جا۔ درویش ان یہودیوں کے پاس گیا تو انھوں نے اس کی مٹھی کھلوائی دیکھا تو دس اشرفیاں اس کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھیں اس کرامت کو دیکھ کر اس دن کئی یہودی مسلمان ہوگئے۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید کسی مرض میں مبتلا ہوا چھ ماہ میں بیماری نے اسے بیحد ضعیف کردیا۔ ایک دن نہایت ابتر حالت میں پڑا تھا کہ شیخ ابوبکر شبلیؒ کا ادھر سے گذر ہوا۔ ہارون الرشید نے بمنت ان کو محفل میں بلا بھیجا۔ اور اپنی بیماری کا حال بیان کیا۔ شیخ شبلیؒ نے ہارون الرشید کی دل جوئی کی اور کئی مرتبہ درود شریف پڑھ کر ان کے منہ پر دم کیا۔ ہارون الرشید نے اسی وقت اپنے مرض سے نجات پائی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ انسان کو چاہیئے کہ جناب رسول اکرمؐ پر نہایت کثرت سے درود بھیجا رہے

درود شریف تمام اوراد سے افضل ہے اگر ساری رات عبادت کریں تو ایک وقت درود پڑھنے کے برابر ثواب نہ ملے گا۔ کم از کم پانچ مرتبہ روزانہ درود پڑھنا تو نہایت ضروری ہے اور یہ پانچ درود تو بیحد و حساب فضائل رکھتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا يَنْبَغِي الصَّلٰوةُ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا اَمَرْتَنَا بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ۔

اس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا فقیہ ابوالحسن زندوسیؒ نے اپنی کتاب "روضہ" میں درود شریف کی فضیلت کے بارے میں دو حکایات لکھی ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ کو وصال کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں (مذکورہ) پانچ درود ہر روز پابندی سے پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے طفیل مجھے بخش دیا۔

(۲) ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک صاحب نے آکر سلام عرض کیا حضورؐ نے خلاف معمول ان کی بیحد تعظیم و تکریم فرمائی صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ شاید یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو حضورؐ نے ان کی اس قدر تکریم فرمائی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص مجھ پر اس کثرت سے درود بھیجتا ہے کہ جس کی انتہا نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا "یارسول اللہ یہ شخص کھانے پینے اور دوسری ضروریات میں بھی مشغول ہوتا ہے یا نہیں؟"

حضورؐ نے فرمایا کہ سب امور دنیوی سرانجام دیتا ہے لیکن ایک دفعہ یہ درود (جو اوپر مذکور ہوا) رات دن میں ضرور پڑھ لیتا ہے۔ اس کا اس نے کبھی ناغہ نہیں ہونے دیا۔

آیۃ الکرسی کے فضائل

اس کے بعد آیۃ الکرسی کی بابت گفتگو شروع ہوگئی حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی تھی ستر ہزار فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ نیچے اترے تھے اور حضور رسول مقبولؐ نے اسے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ لیا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ آیۃ الکرسی پڑھے گا ہر حرف کے بدلے ہزار سالہ عبادت کا ثواب اسے عطا کروں گا۔ اور "فتاویٰ ظہیریہ" میں مرقوم ہے کہ جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر گھر سے باہر نکلتا ہے۔ ستر ہزار فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے

گھر واپس آنے تک اس کے ہمراہ رہیں اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں۔

پھر فرمایا کہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ فرماتے تھے کہ جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر گھر میں داخل ہو یا باہر نکلے، تو اللہ تعالیٰ اس کو مفلسی اور تنگ دستی سے محفوظ رکھے گا پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے "جامع الحکایات" میں پڑھا ہے کہ ایک درویش آیۃ الکرسی پڑھ کر گھر سے باہر نکلا۔ اس کی غیر حاضری میں چور آئے لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی اندھے ہو گئے۔ درویش واپس آیا اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو انھوں نے اپنا حال بیان کیا اور عفو تقصیر چاہی صاحب خانہ نے متبسم ہو کر فرمایا کہ آئندہ کے لئے اپنے فعل قبیح سے توبہ کرو۔ انھوں نے توبہ کی۔ درویش نے ان کے حق میں دعا کی تو ان کی بصارت عود کر آئی۔

---

(۹)

ماہِ محرم کے فضائل اور اعمال

ایک مجلس میں حضرت باباصاحبؒ نے ماہ محرم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ عشرہ ماہِ محرم میں انسان کو یکسر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونا چاہیئے کیونکہ اس عشرے میں رحمتِ الٰہی کا بکثرت نزول ہوتا ہے۔ کیسے بدبخت تھے وہ لوگ جنھوں نے اس عشرے میں نہایت بے دردی سے رسول اللہ ﷺ کی اولاد کو شہید کر ڈالا تھا اور انھیں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ قیامت کے دن آقائے دو جہاںؐ کو کیسے منہ دکھائیں گے میں نے کفایہ امام شعبیؒ میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ماہ محرم میں ہر روز یہ کلمات سو مرتبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے نارِ جہنم سے محفوظ رکھے گا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَآدَّ لِمَا قَضَیْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ یہ پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے منہ پر پھیرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے پاک کر دے گا۔

اسی مجلس میں فرمایا کہ خواجہ معین الدین سنجریؒ کے اوراد میں ہے کہ جو شخص ماہ محرم کی پہلی رات کو چھ رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار اور سورہ اخلاص دس بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت الفردوس میں جگہ دے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اس شب جو شخص دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں ایک بار سورہ فاتحہ اور ایک بار

سورہ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو خلد بریں میں دو ہزار محل عنایت فرمائے گا۔ یہ نماز چھ ہزار نیکیوں کا درجہ رکھتی ہے اور چھ ہزار بلاؤں کو دور کرتی ہے۔ اسی ضمن میں حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ شروع سال غرہ ماہ محرم میں یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ الْاَبَدِیُّ الْقَدِیْمُ وَھٰذِہٖ سَنَۃٌ جَدِیْدَۃٌ اَسْاَلُکَ فِیْہِ الْعِصْمَۃَ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَالْاَمَانَ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ وَّمِنَ الْبَلَایَا وَالْاٰفَاتِ فَذَالِکَ وَنَسْاَلُکَ الْعَوْنَ وَالْعَدْلَ عَلٰی ھٰذِہِ النَّفْسِ الْاَمَّارَۃِ بِالسُّوْٓءِ وَالْاِشْتِعَالَ بِمَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ یَا بَرُّ یَا رَءُوْفُ یَا رَحِیْمُ یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

(۲)

ایک اور موقع پر حضرت بابا صاحبؒ نے عاشورے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حدیث میں پڑھا ہے کہ جس شخص نے عاشورا کے دن روزہ رکھا اس نے گویا تمام سال روزے رکھے۔ اور میں نے خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کے اوراد میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص عاشورا کے دن چھ رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۂ فَاتِحَہ۔ وَالشَّمْسِ۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ۔ اخلاص اور معوذتین سب ایک ایک بار پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد سر سجدے میں رکھ کر قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھے اور پھر رب کریم کے سامنے اپنی حاجت بیان کرے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔

پھر فرمایا کہ جو شخص عاشورا کے دن حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ ستر بار پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اولیاء اللہ کے زمرے میں اس کا نام درج فرمائیگا

اسی مجلس میں حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ عاشورا کی رات کو چار رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔ ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ۔ تین بار آیۃ الکرسی اور دس بار سورۂ اخلاص پڑھے اور جب نماز سے فارغ ہو تو سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ اس عمل سے بے حد وحساب ثواب ہوگا۔

دوران گفتگو بابا صاحبؒ نے واقعہ کربلا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس زمانے میں بغداد میں ایک بزرگ تھے۔ انھیں رسول اکرمؐ اور اہلبیت سے کمال درجہ کی محبت تھی۔ جس دن انھوں نے امام حسین علیہ السلام ان کے بچوں اور رفقاء کی شہادت کا حال سنا تو فرط غم سے اپنا سر زمین پر دے مارا۔ سر پھٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد جاں بحق ہوگئے۔ اسی رات کو ایک دوسرے بزرگ نے ان کو

خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ مولائے کریم نے رسول اللہ اور ان کے خاندان کی محبت کی بدولت مجھے بخش دیا ہے اور امام حسین علیہ السلام کی خدمت گذاری پر مامور فرمایا ہے۔

پھر فرمایا کہ امام حسینؓ کی شہادت سے قبل ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ بہشتی صالحات ومومنات کے ساتھ تشریف لائی ہیں اور اپنی آستین مبارک سے میدانِ کربلا کی ایک جگہ کو صاف کر رہی ہیں۔ اس بزرگ نے پوچھا اے رسول اللہ کی بیٹی اور خاتونانِ جنت کی سیدہ یہ کونسا مقام ہے جسے آپ اپنی آستینِ مبارک سے صاف فرما رہی ہیں۔ فرمایا یہ وہ مقام ہے جہاں میرا لختِ جگر حسینؓ اپنا سر دے کر رتبۂ شہادت پر فائز ہوگا۔ حضرت بابا صاحبؒ یہ واقعات بیان کرتے ہوئے بے اختیار روتے تھے اور آہ آہ کرتے تھے۔

---

(۱۰)

ماہِ صفر کی سختی وگرانی

ماہ صفر ۵۵۵ھ میں ایک دن حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی مجلس مبارک میں ماہ صفر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مہینہ نہایت کربت وصعوبت والا ہے۔ جب یہ مہینہ آتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملول ہو جاتے اور اس کے گذر جانے پر خوشی کا اظہار فرماتے۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ جو شخص مجھے خروج صفر کی بشارت دے میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں[۱]

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سال دو لاکھ اسی ہزار بلائیں آسمان سے نازل فرماتا ہے جن میں سے ایک لاکھ بیس ہزار بلائیں ماہِ صفر میں نازل ہوتی ہیں۔ جو شخص اس مہینہ میں کثرت سے عبادت کرے گا وہ ان بلاؤں سے محفوظ رہے گا اور میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ ماہ صفر میں امن سے رہنے کے لئے اس دعا کا کثرت سے پڑھنا بہت مفید ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الزَّمَانِ وَاسْتَعِيْنُ بِهٖ مِنْ شَرِّ فِرْقَةِ الْاَزْمَانِ اَعُوْذُ بِكَ بِجَلَالِ وَجْهِكَ وَكَمَالِ قُدْسِكَ اَنْ تَحْرُسَنِيْ مِنْ مُفْسِدِ السَّنَةِ

---

[۱] بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرمؐ کا یہ ارشاد صرف اسی ماہ صفر سے مخصوص تھا جس میں آپ نے وفات پائی۔

وَقِنِیْ مِنْ شَرِّ مَا قَضَیْتَ فِیْهَا وَاکْرِمْنِیْ بِالنَّظْرِ بِاَکْرَمِ النَّظْرِ وَاخْتِمْ بِالسَّلَامَةِ وَالسَّعَادَةِ لِاَھْلِیْ وَاَوْلَادِیْ وَاَقْرِبَائِیْ وَجَمِیْعِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماہِ صفر کی پہلی رات کل مسلمانوں کے امن و حفاظت کے لئے عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں قُلْ یَااَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پندرہ بار۔ دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پندرہ بار۔ تیسری رکعت میں سورۂ فلق پندرہ بار۔ اور چوتھی رکعت میں سورہ الناس پندرہ دفعہ پڑھے اور سلام کے بعد اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تین سو مرتبہ پڑھے اس کے بعد ستر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ یہ نماز قبل از وتر پڑھنی چاہیئے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو اس روز کی تمام آفات اور بلیات سے محفوظ رکھے گا۔ اور میں نے شرح شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجریؒ میں لکھا دیکھا ہے کہ ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ میں سب ایام سے زیادہ بلاؤں کا نزول ہوتا ہے۔ پس اس دن چار رکعت نماز نفل اس ترتیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کوثر سترہ مرتبہ اور سورۂ اخلاص پانچ بار پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یَا شَدِیْدَ الْقُوٰی وَشَدِیْدَ الْمِحَالِ یَا مُتَفَضِّلُ یَا مُکَرِّمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

اس نماز اور دعا کی برکت سے نہ صرف اس روز کی بلاؤں بلکہ اگلے سال تک نازل ہونے والی بلاؤں سے اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گیہوں کا دانہ اسی ماہ میں کھایا تھا جس کی وجہ سے انھیں بہشت سے نکلنا پڑا اور اس لغزش کے سبب آپ تین سو سال تک روتے رہے۔ اس عرصہ میں ان کا گوشت پوست گل گیا۔ آخر ان کو توبہ کا حکم ہوا۔ آپ نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا۔ یہ ساری مصیبت جو انھیں جھیلنی پڑی۔ ماہِ صفر کی وجہ سے تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہابیل و قابیل ماہِ صفر میں شکار کے لئے گئے۔ اگرچہ حضرت آدمؑ نے ان کو ماہِ صفر میں شکار پر جانے سے منع فرمایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگل میں پہنچ کر دونوں بھائی ایک دوسرے سے الجھ پڑے اور قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا۔ بعد میں قابیل اپنے اس فعل پر پچھتایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی کہ اے ابو البشر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

کہ ہابیل کی تمام اولاد دین اسلام پر ہوگی اور قابیل کی اولاد مشرک ہوگی کیونکہ اس نے ماہِ صفر میں اپنے بھائی کو مار ڈالا ہے۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اسی ماہ صفر میں پانی میں غرق ہوئی حضرت ابراہیم خلیل اللہ اسی ماہ میں آگ میں ڈالے گئے۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام اسی ماہ میں آزمائش میں ڈالے گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے سر پر اسی ماہ میں آرہ چلا۔ اور یونس علیہ السلام کو اسی ماہ میں مچھلی نے نگلا تھا۔

اس کے بعد باباصاحبؒ رونے لگے اور روتے روتے بیہوش ہوگئے ہوش آیا تو فرمایا جملہ انبیائے کرام پر اسی ماہِ صفر میں بلائیں نازل ہوئیں اللہ تعالیٰ سب کو ماہِ صفر کی گرانی سے پناہ میں رکھے۔

---

(۱۱)

حکایاتِ اولیاء

حضرت باباصاحبؒ کی زبانی

حضرت باباصاحبؒ بعض اوقات اپنی مجالس حسنہ میں موضوع گفتگو سے متعلق اولیاء اللہ کی حکایات بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس سے نہ صرف مسئلہ زیر بحث حاضرینِ مجلس کے ذہن نشین ہو جاتا تھا بلکہ انھیں بیشمار روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے تھے۔ اس قسم کی جستہ جستہ حکایات حضرتؒ کی سیاحت کے باب میں بیان کی جا چکی ہیں۔ کچھ اور حکایات یہاں درج کی جاتی ہیں۔ یہ سب حکایات راحت القلوب سے ماخوذ ہیں۔

(۱)

حدائق میں روایت ہے کہ ایک دفعہ عراق کا بادشاہ کسی ہیٹیلے مرض میں مبتلا ہوگیا تین سال تک ہر قسم کے علاج کئے لیکن یہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ آخر اس نے خواجہ شہاب تستریؒ کو بمنت بلا بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ میری شفایابی کے لئے دعا فرمائیں خواجہ شہاب تستریؒ نے بارگاہِ رب العالمین میں بادشاہ کے حق میں دعا فرمائی اور اسے اللہ

تعالیٰ نے شفا دیدی۔ خواجہ شہاب تستریؒ نے جو وقت بادشاہ کی صحبت میں گذارا تھا اس کے بدلے سات سال تک گوشہ نشین ہو کر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ کیونکہ درویشوں کے مسلک میں بادشاہوں اور امیروں کے پاس جانا حرام ہے۔

(۲)

اسرار العارفین میں مرقوم ہے کہ خواجہ ذوالنون مصریؒ کو ایک دفعہ خبر ملی کہ ان کا ایک مرید بادشاہ اور امراء کے پاس بہت آمد و رفت رکھتا ہے آپ نے اسے بلا بھیجا جب حاضر ہوا تو اس کا لباس درویشی اتروا کر آگ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ تو اولیاء کے لباس کو ہر روز دنیادار لوگوں کے پاس جا کر ناپاک کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس لباس میں حق تعالیٰ کے سامنے جائے یہ ناممکن ہے۔

(۳)

حضرت مالک بن دینارؒ تین کپڑے اوپر تلے پہنا کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تو اوپر اور نیچے کا لباس اتار دیتے اور درمیان کے پیراہن سے نماز ادا فرماتے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ اوپر کے لباس پر لوگوں کی نظر پڑتی ہے اس سے ریا اور رسم کی بو آتی ہے اور نیچے کا پیراہن حرص و غل و غش سے آلودہ معلوم ہوتا ہے۔ درمیانی کپڑا ان باتوں سے پاک ہے اس لئے اسے پہن کر اطمینانِ قلب سے نماز ادا کرتا ہوں۔

(۴)

حضرت خواجہ ابوالغیث یمنیؒ بڑے جلیل القدر بزرگ گذرے ہیں۔ وہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ شیخ فرید الدین عطارؒ اور خواجہ ابی النور عثمان ہارونیؒ کے ہمعصر تھے ایک دفعہ یمن پر مغلوں نے حملہ کیا۔ والئ یمن کو تابِ مقاومت نہ تھی۔ خواجہ ابوالغیثؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا خواستگار ہوا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی اسے والئ یمن کو دے کر فرمایا کہ آج رات کو مغل لشکر پر یہ چھڑی پھینکنا اور اس کے بعد اس پر شب خون مارنا والئ یمن نے آپ کے ارشاد کے مطابق رات کو یہ چھڑی مغل لشکر کی طرف پھینکی اسی وقت مغل فوج میں کھلبلی مچ گئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی والئ یمن کی فوج نے اس کا تعاقب کیا اور ہزارہا مغلوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔

ایک دفعہ یمن میں امساکِ باراں کی وجہ سے خوفناک قحط پڑا۔ والئ یمن اور دوسرے لوگ

حضرت خواجہ ابوالغیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بارش کے لئے دعا فرمایئے حضرتؒ نے فرمایا کہ کل صبح شہر سے باہر جاکر نماز استسقاء پڑھیں گے۔ دوسرے دن تمام لوگ شہر سے دور ایک میدان میں جمع ہوئے۔ حضرتؒ نے منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور پھر آسمان کی طرف نظر کرکے کہا "اگر میری عبادت تیری درگاہِ بے نیاز میں مقبول ہے تو بارانِ رحمت کر" ابھی یہ بات آپ کی زبان پر تھی کہ ہر طرف سے سیاہ بادل گھر آئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔ یمن کے لوگ کہتے تھے کہ ایسی بارش ہم نے مدت العمر نہیں دیکھی۔

کہتے ہیں کہ جب خواجہ ابوالغیث یمنیؒ کے وصال کا دن آیا تو آپ نے معمول کے مطابق نماز فجر اور اشراق ادا کی۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ غسال کو بلا لاؤ اور کفن۔ خوشبو۔ تختہ غسل اور پانی کا برتن بھی مہیا کر رکھو۔ جب غسال آگیا اور دوسری سب چیزیں بھی آگئیں تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اب کچھ دیر کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دو۔ لوگ پرے ہٹ گئے تو آپ نے سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کی جب اس مقام پر پہنچے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ تو جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اسی وقت گوشۂ مکان سے آواز آئی "دوست دوست سے مل گیا۔"

؎ در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

(۵)

شیخ سعدالدین حمویہؒ اپنے دور کے مشاہیر اولیاء میں سے تھے۔ ایک دفعہ بغداد تشریف لے گئے۔ ان دنوں بغداد کے اکثر لوگ کسی بیماری میں مبتلا تھے۔ آپ نے بغداد پہنچتے ہی صلاءِ عام دی کہ بیمار میرے پاس آئیں۔ مریض گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ جس مریض پر اپنا ہاتھ پھیرتے اللہ تعالیٰ اسے شفا دے دیتا۔ غرض چند دنوں میں بغداد کے سب مریضوں نے اس بیماری سے نجات پائی۔ اس کے بعد آپ غزنین تشریف لے گئے وہاں بھی آپ کی مسیحا نفسی سے ہزارہا مریض صحتیاب ہوئے۔ غزنین سے آپ ارچہ (یا اوچ) تشریف لے گئے اور وہاں ہی سکونت پذیر ہو گئے جب آپ کی وفات کا دن آیا تو آپ اپنے خدام و احباب کو ساتھ لے کر جنگل تشریف لے گئے۔ اور قبلہ رو ہو کر سورہ بقر پڑھنی شروع کی ایک دفعہ ختم ہوئی تو دوبارہ پڑھنے لگے جب دوسری بار ختم ہوئی تو سر سجدہ میں رکھ کر واصل بحق ہو گئے۔

؎ در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند ۔۔۔ کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

(۶)

شیخ سیف الدین باخرزیؒ کا معمول تھا کہ نمازِ مغرب پڑھ کر اسی جگہ لیٹ جاتے۔ جب ایک تہائی رات گذر جاتی تو بیدار ہو جاتے وضو کرتے پھر مؤذن نمازِ عشا کی اذان دیتا۔ آپ نماز باجماعت ادا فرماتے۔ لوگ نمازِ عشاء پڑھ کر چلے جاتے اور آپ صبح تک ذکرِ الٰہی کرتے رہتے۔ اسی طریقہ پر آپ نے ساری عمر گذار دی۔ انہی ایام میں بخارا کے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک روشن قندیل شہر بخارا کے دروازے سے باہر نکل رہی ہے۔ اس نے ایک بزرگ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ بخارا کا کوئی صاحبِ نعمت بزرگ فوت ہونے والا ہے۔

اسی دن شیخ سیف الدینؒ نے خواب میں اپنے مرشدِ گرامی کو دیکھا کہ نہایت اشتیاق سے انھیں اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ کو یقین ہو گیا کہ میری وفات کا زمانہ قریب ہے چنانچہ اس روز سے وعظ میں وداع و فراق کا بار بار ذکر کرنے لگے لوگ حیران تھے کہ حضرت بالکل تندرست ہیں معلوم نہیں درد و فراق کا ذکر کیوں بار بار فرماتے ہیں۔ آخر آپ نے ایک دن خود حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مسلمانو میں نے اپنے مرشد گرامی کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے اپنے پاس بلاتے ہیں لہٰذا اب میں روانہ ہوتا ہوں اور تم کو وداع کرتا ہوں۔ یہ فرمایا اور منبر سے اتر کر خانقاہ کو تشریف لے گئے۔ رات اس طرح گذری کہ تمام احباب آپ کے پاس موجود تھے ذکرِ الٰہی کرتے تھے اور درد فراق میں تڑپتے تھے غرض صبح ہو گئی۔ ایک تہائی دن گذرا ہو گا کہ ایک کمبل پوش ہاتھ میں ایک سیب لئے ہوئے آیا اور سلام کر کے آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ شیخ سیف الدینؒ نے سیب اس کے ہاتھ سے لیکر سونگھا اور سونگھتے ہی واصل بحق ہو گئے ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند ۔۔۔ کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

(۷)

ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ ایک جگہ اکٹھے بیٹھے تھے (حضرت بابا صاحبؒ بھی ان کے پاس موجود تھے) دونوں بزرگ اپنی اپنی سیاحت کا حال بیان کرنے لگے۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے فرمایا کہ دوران سیاحت ایک دفعہ میں قریش پہنچا وہاں کے بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوا اور ان کا فیضِ نعمت اٹھایا۔ ایک بزرگ شہر سے متصل ایک غار میں رہتے تھے۔ میں ان کی زیارت کے لئے اس غار میں پہنچا۔ اس وقت وہ نماز

پڑھ رہے تھے۔ جب سلام پھیرا تو میں آداب بجا لایا۔ انھوں نے میرا نام لے کر سلام کا جواب دیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ان کو میرے نام کا کیسے علم ہو گیا۔ ان بزرگ کو کشفی طور پر میرے دل کا حال معلوم ہو گیا اور انھوں نے فرمایا نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ۔ یعنی مجھ کو جاننے والے خبردار نے تیرے نام سے مطلع کیا میں نے ان کے قدم چومے۔ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الارشاد بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک دفعہ تمہاری طرح میں بھی سیاحت کر رہا تھا۔ دورانِ سیاحت اصفہان میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوا۔ وہ بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ ایکسو پچاس برس سے اوپر ان کی عمر تھی فرماتے تھے کہ میں خواجہ حسن بصریؒ کا پڑپوتا ہوں۔ جب کبھی اہلِ شہر کو کوئی مشکل پیش آتی وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے وہ مشکل دور کر دیتا۔ پھر شیخ جلال الدینؒ نے فرمایا کہ میں نے تقریباً ایک ہزار اولیاء اللہ کی خدمت کی ہے میری آخری ملاقات خواجہ شمس العارفین سے ہوئی وہ فرماتے تھے کہ درویش اگر قربِ الٰہی کا خواہشمند ہے تو اسے چاہیئے کہ طلبِ دنیا کو دل سے نکال ڈالے اور دنیا پرستوں سے دور رہے۔ کیونکہ دنیا پرستی ہی تمام خطاؤں اور گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ میں ایک دن رات خواجہ شمس العارفینؒ کی خدمت میں رہا۔ افطار کے وقت میں نے دیکھا کہ دو روٹیاں عالمِ غیب سے نمودار ہوئیں ایک روٹی انھوں نے مجھے عطا کی۔ یہ روٹی کھا کر مجھے عجیب لذت محسوس ہوئی پھر انھوں نے حکم دیا کہ اس گوشہ میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ میں نے تعمیل ارشاد کی ایک ثلث رات گذر گئی تو مراقبہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سبز پوش بزرگ سات شیروں کے ہمراہ وہاں آئے اور بیٹھ کر کلامِ پاک پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میں نے نماز فجر خواجہ شمس العارفینؒ اور ان سبز پوش بزرگ کے ہمراہ ادا کی پھر خواجہ صاحبؒ نے یہ کہکر میرا ان سے تعارف کرایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان سے مصافحہ کیا وہ بڑی محبت سے پیش آئے اور پھر شیروں کو ساتھ لے کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ میں نے بھی کچھ دیر بعد خواجہ صاحبؒ سے رخصت چاہی انھوں نے فرمایا کہ اے جلال جاتے ہو تو جاؤ مگر یاد رکھو کہ انسان کی عظمت احکامِ خداوندی کی تعمیل میں مضمر ہے۔ نیز اس کے پیارے بندوں کی خدمت سے حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں سے کچھ آگے ایک چشمہ ہے جس کی حفاظت دو شیر کر رہے ہیں تم ان کے سامنے میرا نام لے دینا۔ انشاء اللہ تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچائیں گے۔ شیخ جلال الدینؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں سلام کر کے وہاں سے چل پڑا۔ جب اس چشمہ پر پہنچا تو فی الواقعہ وہاں دو خوفناک شیر بیٹھے تھے۔ وہ غرّا کر میری طرف لپکے میں نے باواز

بلند خواجہ شمس العارفین کا نام لیا۔ وہ شیر اسی وقت بلی کی مانند خرخر کرنے لگے اور میرے پاؤں چاٹنے لگے۔ میں وہاں سے روانہ ہوا تو وہ اپنی جگہ پر چلے گئے۔ یہاں تک بیان کر کے شیخ جلال الدین تبریزیؒ خاموش ہو گئے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنی سیاحت کا حال سنانا شروع کیا آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ پھرتے پھراتے میں ایک شہر میں وارد ہوا جس کا نام مجھے اب یاد نہیں۔ اس شہر کے باہر ایک ویران مسجد تھی۔ اس مسجد کا ایک مینار تھا جو "ہفت مینارہ" کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں کے لوگوں سے سنا کہ اگر سات خاص دعائیں اس مینار پر چڑھ کر مانگی جائیں تو وہ مقبول ہوتی ہیں۔ ایک دعا ان میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے لئے بھی تھی۔ میں نے مینار پر چڑھ کر صدق دل سے یہ دعا مانگی۔ اور پھر نیچے اتر کر حضرت خضرؑ کے انتظار میں مسجد میں بیٹھ گیا۔ جب کافی دیر گذر گئی اور کوئی نہ آیا۔ تو ناامید ہو کر مسجد سے باہر نکلا۔ زینۂ مسجد پر ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ بے وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔ میں نے ساری کیفیت بیان کی۔ اس نے کہا۔ خضر علیہ السلام کی ملاقات سے تمہارا کیا مقصد ہے کیا ان سے دنیا طلب کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ حاشا وکلا طلب دنیا میرا مقصد نہیں ہے۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک پاکیزہ رو سبز پوش بزرگ وہاں نمودار ہوئے اس شخص نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ دونوں میرے پاس پہنچے تو نووارد بزرگ نے میری طرف اشارہ کر کے اس شخص سے پوچھا کہ اس شخص کو کچھ قرض دینا ہے یا دنیا کا طالب ہے اس نے جواب دیا کہ دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں بلکہ محض آپ کی ملاقات کا آرزومند ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ خواجہ خضر علیہ السلام ہیں۔ اتنے میں اذان ہوئی اور ہر طرف سے درویش آنے لگے۔ تھوڑی دیر میں کافی مجمع ہو گیا۔ ایک نے اقامت پڑھی اور ایک آگے بڑھ کر امامت کرنے لگا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ فرائض وسنن کے بعد نماز تراویح پڑھی گئی انھوں نے تراویح میں بارہ سیپارے پڑھے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ کاش اور زیادہ پڑھ جاتے۔ نماز پڑھ کر ہر شخص جدھر سے آیا تھا ادھر چل دیا۔ میں اس مسجد میں رات بھر ٹھہرا۔ صبح تک پھر کوئی متنفس وہاں نہ آیا۔

(۸)

شیخ جلال الدین اوچیؒ ایک صاحب نعمت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ چند قلندر کمر میں لوہے کی سیخیں باندھے ہوئے ان کی خدمت میں آئے۔ اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ یہ قلندر بہت

درشت مزاج تھے۔ اور ان کی گفتگو میں تلخی کا پہلو غالب تھا۔ شیخ جلال الدین اوچیؒ نے ان کیلئے کھانا منگایا۔ اس میں دہی نہیں تھا۔ قلندروں نے کہا کہ ہم تو دہی کھائیں گے۔ اس وقت جماعت میں دہی موجود نہیں تھا۔ بابا صاحبؒ بھی شیخ صاحبؒ کے پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے شیخ صاحبؒ کی طرف اور شیخ صاحبؒ نے بابا صاحبؒ کی طرف دیکھا۔ پھر یکایک شیخ صاحبؒ نے جلال میں آکر فرمایا کہ اس بدررو پر جو ہماری خانقاہ کے مطبخ سے نکلتی ہے جاؤ اور جتنا دہی چاہتے ہو کھاؤ۔ قلندر بادل ناخواستہ بدررو پر گئے تو دیکھا کہ تمام بدررو دہی سے معمور ہے۔ انھوں نے خوب شکم سیر ہوکر دہی کھایا۔ اور شیخ صاحبؒ سے رخصت ہوئے۔

(۹)

راحتہ الارواح میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ لکھتے ہیں کہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک درویش نے اپنا صومعہ بنایا تھا۔ اور کئی سال سے اپنے اہل وعیال کے ہمراہ وہاں ہی رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک اور صاحب نعمت درویش دریا کے دوسرے کنارے پر آکر مقیم ہوگئے۔ پہلے درویش نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ کھانا تیار کرکے دریا کے پار جاکر اس درویش کو دے آؤ۔ بیوی نے کہا کہ دریا میں کشتی نہیں ہے پار کیسے جاؤں گی۔ فرمایا کہ دریا کے کنارے پہنچ کر کہنا کہ اے دریا بحرمت اس درویش کے جس نے شادی کے روز سے (تیس برس سے) آجتک مجھ سے صحبت نہیں کی مجھے راستہ دیدے۔ بیوی بہت حیران ہوئی کہ ہمارے اتنے بچے ہیں لیکن شوہر اس طرح فرماتے ہیں خیر اس نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی اور دریا کے پار جاکر دوسرے درویش کو کھانا دیا۔ انھوں نے کھانا کھا کر فرمایا جاؤ۔ اب وہ حیران تھی کہ واپس کیسے جاؤں۔ نو وارد درویش اس کی پریشانی بھانپ گئے اور فرمایا "اے بہن دریا کے کنارے جاکر کہنا کہ اے دریا بحرمت اس درویش کے جس نے تیس سال سے کھانا نہیں کھایا مجھے راستہ دے"۔ اس خاتون نے ایسا ہی کیا اور اپنے شوہر کے پاس جاکر پوچھا کہ آپ اور نو وارد درویش کے ارشادات کا کیا مطلب ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے آجتک کبھی خواہش نفس سے صحبت نہیں کی بلکہ صرف تیرا حق ادا کیا کرتا تھا اور دوسرے درویش نے تیس سال میں کبھی خواہش نفس سے کھانا نہیں کھایا بلکہ صرف اس خیال سے کھاتے تھے کہ اس سے طاقت حاصل کرکے عبادتِ الٰہی کریں۔

(۱۰)

شاہ شجاع کرمانیؒ چالیس سال تک شب بیدار رہے اور پھر ایک رات رب العزت کو

یارت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد جہاں جاتے کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہتے کہ شاید پھر کبھی دیدار ہی نصیب ہو۔ ایک دن غیب سے آواز آئی کہ اے شاہ شجاعؒ پھر چالیس سال شب بیدار رہ تو دیدار الٰہی نصیب ہو گا۔ جب شاہ شجاعؒ کے وصال کا دن آیا تو ایک ہزار رکعت نماز ادا کر کے مصلے پر ہی لیٹ گئے۔ آنکھ لگی ہی تھی کہ دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اسی وقت بیدار ہوئے۔ وضو کر کے دوگانہ پڑھا پھر سر سجدے میں رکھا اور واصل بحق ہو گئے۔ ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

(۱۱)

حضرت بایزیدؒ نے ایک دن اپنے مجاہدے کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک رات کو میں نے عبادت میں مشغول ہونا چاہا لیکن نفس نے میرا ساتھ نہ دیا کیونکہ اس دن معمول کے خلاف زیادہ کھجوریں کھا لینے کی وجہ سے نفس پرستی آگئی تھی جب صبح ہوئی تو میں نے عہد کیا کہ اب زیادہ سے زیادہ عرصے تک خرما کھانے سے مجتنب رہوں گا۔ چنانچہ میں نے پندرہ سال تک خرمے کا ایک دانہ تک منہ میں نہیں ڈالا نفس نے اس کی بہتیری خواہش کی لیکن میں نے اس کی خواہش پوری نہ کی۔ آخر اس نے کہا کہ جو حکم دو گے بلا چون وچرا بجا لاؤں گا۔ اس پر میں نے کچھ کھجوریں خرید کر اس کو کھلائیں۔ وہ دن اور آج کا دن اس نے کبھی میرے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ اور ہمیشہ کے لئے مطیع ہو گیا ہے۔

ملفوظاتِ طیبات
کا
دوسرا حصہ
گلہائے چیدہ

مختلف تذکروں میں حضرت باباصاحبؒ کے ہزارہا اقوالِ مبارک درج ہیں جنھیں پڑھ کر عجیب کیف و عرفان حاصل ہوتا ہے۔ یہاں آپ کے چند اقوالِ مبارک سیرالاولیاء۔ اسرارالاولیاء۔ مراۃ الاسرار اور اخبارالاخیار وغیرہ سے انتخاب کرکے درج کیے جاتے ہیں۔

باباصاحبؒ فرماتے ہیں۔

(۱) جو کچھ انسان کو پیش آتا ہے وہ سب خدا کی مرضی سے ظہور میں آتا ہے۔ انسان کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ خود درمیان میں نہیں ہے۔

(۲) ہمیشہ خدائے بزرگ و برتر سے معاملہ رکھو۔ وہ دیتا ہے اور سب لیتے ہیں اور جو وہ دیتا ہے اسے کوئی نہیں لے سکتا۔

(۳) اپنے سے بھاگنا (یعنی اپنے نفس کے مکر سے بچنا) خدا سے ملنا ہے۔

(۴) جس شخص کو کوئی زحمت یا تکلیف ہو وہ سمجھے کہ اسے گناہ سے پاک کیا جارہا ہے۔ بندہ کو سمجھنا چاہیئے کہ سب درد و محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اور اپنے نفس کا طبیب خود بننا چاہیئے۔

(۵) ہر شخص کا کھانا مت کھاؤ لیکن ہر شخص کو کھانا کھلاؤ۔

(۶) ظاہری آرائش کے پیچھے مت پڑو۔
(۷) دشمن کو احسان اور نیک مشورہ سے شکست دو اور دوست کو تواضع سے غلام بناؤ۔
(۸) متخفین کو ہر حال میں یاد رکھو۔
(۹) دشمنوں کی سخت کلامی سے دامنِ صبر ہاتھ سے مت چھوڑو۔
(۱۰) اگر آسودگی چاہتے ہو تو حسد سے بچتے رہو اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہا کرو کہ موت کے بعد زندگی نصیب ہو۔ زندہ دل وہی ہے جس میں ذوق و محبت ہے۔
(۱۱) جنگ کی جگہ صلح سے کام لیا کرو۔
(۱۲) دشمن کو خواہ وہ تم سے خوش نظر آئے حقیر مت جانو۔
(۱۳) قیاس پر باتیں مت کیا کرو اور اپنے دل کو شیطان کا کھلونا نہ بناؤ۔
(۱۴) جس قدر تم اپنے ظاہر سے واقفیت رکھتے ہو اس سے زیادہ باطن سے واقفیت رکھو۔
(۱۵) ہمیشہ اپنے عیبوں پر نظر رکھو۔
(۱۶) پرانے گھرانوں کی عزت کرو۔
(۱۷) تونگری کے وقت ہمت بلند رکھو۔
(۱۸) عزت و حشمت عدل و انصاف میں ہے۔
(۱۹) جب لوگ کھانا کھائیں تو طاعت بھی کر دکھائیں کیونکہ طاعت کے لئے کھانا بھی طاعت ہے۔ ہوائے نفس کے لئے کھانا نہیں چاہیئے۔

؎ خوردن برائے زیستن و ذکر کردن ست | تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

(سعدیؒ)

(۲۰) اپنے تئیں کسی (مرشد پاکباز) کے پلے باندھ لینا بہتر ہے ؎

گر نیک توام مرا ازیشاں گیرند | در بد باشم مرا بدیشاں بخشند

(۲۱) ناروا اور ناجائز چیزوں سے ہر حالت میں پرہیز کرو۔
(۲۲) ناشائستہ کلمات سے کبھی زبان کو آلودہ نہ کرو۔
(۲۳) جس نے سعادت حاصل کی ہے بزرگوں کی خدمت سے حاصل کی ہے۔
(۲۴) جو شخص اللہ سے کلام کرنا چاہے وہ کلامِ الٰہی پڑھا کرے۔
(۲۵) عقلمند وہ شخص ہے جو سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور کسی سے کسی طرح کی امید

نہ رکھے۔

(۲۶) جو شخص ہمیشہ موت کو یاد رکھتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ اس سے خوش ہوتا ہے۔

(۲۷) جو شخص عالم توکل میں اللہ تعالیٰ کے کرم پر بھروسہ کرتا ہے۔ اسے عالم غیب سے روزی پہنچتی ہے۔

(۲۸) ماضی، حال، مستقبل کی طرح توبہ کے بھی تین زمانے ہیں۔

توبۂ ماضی یہ کہ گناہوں کی تلافی کرے۔ دشمن کو راضی کرے کسی سے اگر کوئی شے لی ہے تو اسے واپس کرے یا اس کا معاوضہ ادا کرے وغیرہ۔

توبۂ حال یہ کہ کئے ہوئے گناہوں پر نادم ہو۔

توبۂ مستقبل یہ کہ آئندہ گناہ سے بچنے کا مصمم ارادہ کرے۔

(۲۹) درویشوں کے حق میں ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہیئے تاکہ ان کی حمایت نصیب ہو۔

(۳۰) جو شخص دوست کی رضا کا طلبگار رہے تو دوست بھی اس کی رضا کا جویندہ ہوتا ہے۔

(۳۱) جو لوگ یادِ الٰہی سے غافل ہیں وہ مردہ ہیں۔

(۳۲) جس شخص کا اپنے مرشد کے حق میں نیک عقیدہ نہیں وہ مرید نہیں۔

(۳۳) خرقہ پہن لینا تو آسان ہے لیکن اس کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اگر صرف خرقہ پوشی پر نجات کا دارومدار ہوتا تو تمام لوگ خرقہ پہن لیتے اور نجات حاصل کر لیتے ؎

در کوہ و دشت ہر سبجی، صوفیے بدے   گر ہیچ سود مند بدے صوف بیصفا

(۳۴) فقرا اہل عشق ہیں اور علماء اہل عقل لیکن حق آگاہ (واقف کار) وہی لوگ ہیں جن میں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق   ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(۳۵) جہاں محبت آتی ہے وہاں دوئی نہیں رہتی۔ محبت کے معاملہ میں یگانہ ہونا چاہیئے۔

(۳۶) عشق کی آگ ایسی ہوتی ہے کہ درویش کے دل کے سوا کہیں اور قرار نہیں پکڑ سکتی عشق کی نعمت گراں بہا صرف آدمی کو ملی ہے جیسا کہ خود فرمایا ہے "وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" جس وقت عشق پیدا کیا گیا تو اسے حکم ہوا کہ جا اور ماند وہنا کے آدمیوں کے دل میں قرار پکڑ۔ وہی مقام تیرے رہنے کے قابل ہے۔

گفتم صنما مگر تو جانانِ منی   اکنوں کہ نگاہ می کنم جانِ منی

مرتد گردم اگر ز من بر گذری   اے جانِ جہاں تو کفر و ایمان منی

(۳۷) لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو دنیا سے محبت کرتے ہیں اور ہر وقت دنیا پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔
دوسرے وہ جو اسے دشمن سمجھتے ہیں اور بالکل ترک کر دیتے ہیں۔
تیسرے وہ جو اسے نہ دشمن سمجھتے ہیں نہ دوست۔
تیسری قسم کے لوگ پہلی دو قسموں سے اچھے ہیں کیونکہ انھوں نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ دنیا پرستی اور ترک دنیا (رہبانیت) دونوں میں افراط و تفریط ہے)۔

(۳۸) کلام مجید میں ہے "الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ"
یعنی کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ ان کے دل اللہ کے ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائیں"
اللہ تعالیٰ اس آیت پاک میں اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ہم سے صلح کرے یعنی توبہ کرے اور ہم اس کی توبہ قبول کریں۔ اور خائف اس شخص کو کہتے ہیں جس میں یہ تین چیزیں پائی جائیں اول جو روزہ کی خاطر کم کھاتا ہو۔ دوم جو نماز کی خاطر کم بولتا ہو۔ سوم جو ذکر کی خاطر کم سوتا ہو۔
اسی طرح خوف، امید اور محبت بھی درویش کے لئے ضروری ہیں۔

(۳۹) متعبد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ظاہر و باطن حق سے آراستہ ہو اور ان کا ظاہر و باطن ہر قسم کی ریا، حسد، بغض اور کھوٹ کی آلائشوں سے پاک ہو اور خالصتہً لوجہ اللہ طاعت کریں۔

(۴۰) صوفی وہ ہے جو کسی وقت یاد الٰہی سے غافل نہ ہو۔ صوفیوں کے نزدیک وہی دل زندہ ہے جو ہر وقت یاد حق میں مستغرق ہو۔ صوفی ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے آپ کو عرش پر دیکھتے ہیں۔ وہ ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں۔ صوفی دنیا کے لوگوں سے بے نیاز ہوتے ہیں لیکن دنیا کی مذمت سے اجتناب کرتے ہیں۔

تمت بالخیر

86

شیخ الشیوخ عالمؒ

تذکرہ، شہبازِ طریقت، بحر العلوم

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (پاک پتن)

مرتب

طالب ہاشمی

ناشر

آئینہ بک ڈپو ــــ شاہ عالم گیٹ